

بہترین تحریروں کا مجموعہ
ہمیشہ
ڈراما
آن لائن ڈائجسٹ

ستمبر 2018



بہترین تحریروں کا مجموعہ ہمیشہ رومان ڈائجسٹ

ستمبر 2018



بنیاد ڈائجسٹ

باغ و مریضہ

محمد وسیم سہیل

مذہب و سنت

ایم اے نقوی

مذہب

ملک شاہ

معارف

تحریم بخاری

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

انچارج حصہ شاعری

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

گلن زہرہ شاہ - لالہ ریخ

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

انچارج حصہ نثر

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

مومنہ جمیل، شہناز حسین

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

انچارج حصہ انٹرویو

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

مستزادہ العین (دوا الفقار - زنیہ) (انا شہناز)

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

انچارج حصہ کچن کارنر

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

فہمیدہ ناز غوری - ماہ روشن ملک

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

انچارج حصہ دین و دنیا

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ثانیہ ارباب - ہادیہ امجد

E mail: romaan.digest@gmail.com

0334-9366437 - 0344-0913786

الف کی شان

117 ہادی خان عید کا چاند نظر آگیا 5

123 نبیلہ خان ساس بہو کی لوک جھونک



125 خالد جان احساس

9 انسانیت (دوسری قسط) طاہرہ راجپوت

134 سائرہ رحمن خاک زاد

14 تجھے چاند بن کے ملا تھا جو (دوسری قسط) عا کشہ جبین

136 راحیلہ ایک روشن ستارہ

29 میں منتہی کی محبت ہوں (مکملی قسط) لہ حنیف

181 فہمیدہ ناز میرا میاں میری مرضی

63 اب کی اجڑ ہو چکے (مکملی قسط) کنگزہ ظفر



200 غزلیں ہاجرہ نور زریاب محمد ندیم قاصر



201 فتنیں اریبہ ارشد اقراء سلیم

81 محبت معجزہ ظہری انا بیہ وطن

202 ظلم آہرہ نبیلہ خان

86 مانگا ہے تجھے جہدوں میں ہادیہ امجد

203 ماہر دوش ملک فتنیں انا بیہ وطن

103 آپ کی نافرمان زہل

204 گل زاہرہ شاہ رباب ثانی

129 نادان لڑکی سدرہ امجد

205 نور قاطبہ فتنیں

140 مرنے کے تھوڑا بعد سلمان بشیر

206 یاسمین وقار حرا شاہ

153 سپاہی عا کشہ سلیم انجم

207 سیرافشاہ فتنیں

164 گماں تھا کہ تم میرے ہو صبا پر فردوس

208 ایمان عا کشہ فتنیں

184 عشق وردہ مکاوی

209 ماریہ شبیر ظلم



210 نظم: عا کشہ بٹول غزلیں

85 ایذا کا صلہ معصومہ ارشاد سلکی

211 اشارائی فتنیں

102 مکافات عمل مینا خان



نظیں سیدہ زخرف بخاری منیہ تبسم 212

نظم عنانیہ چودھری 213

نظم حمدہ 214

نظم محمد وسیم سیل 215



خدیجہ کشمیری 225

یاسمین وقار 229



پنکج کارز 216

کلونجی کے فوائد 222

ادبی خبریں 234

رومان کان لائن ڈائجسٹ کو اپنی تحریریں

اس ای میل پر پیشہ کریں
romaan.digest@gmail.com

مسلمانوں کو ایک نیا دور
پیش کیا (گروپ) پر ہونے والی انکلیچر
میں بھی حصہ لیتے

اپنا مددگار بننا "پاک سوسائٹی ڈائجسٹ" آپ کو ملے گا ہے

<https://web.facebook.com/romaan.digov2016/>

<https://web.facebook.com/groups/245254529472299/>

<https://pakistanisociety.com/>

مسٹر پبلسٹس کے لئے بھی ٹیم ممبر
ہے انکس میں رابطہ کر سکتے ہیں رومان کے
پیش کیا نیا دور بھی رابطہ کر سکتے ہیں

0334-9366437

0344-0913786

اللہ کی شان

اللہ سے محبت کرنے کی بنیادی وجوہات

اللہ سے محبت کرنا ایمان کا تقاضا ہے، اور اس وقت تک توحید مکمل نہیں ہو سکتی جب تک بندہ اپنے رب سے مکمل محبت نہ کرے، اور نہ تو محبت کی اس سے زیادہ واضح تحدید کی جاسکتی ہے اور نہ ہی اس سے بہتر تعریف ہو سکتی ہے، اور اللہ کے سوا کوئی بھی ایسی ذات (چیز) نہیں جس سے مکمل طور پر محبت کی جائے اور اسی کے لئے ہی الوہیت، عبودیت، خشوع و خضوع اور مکمل محبت لائق و زیبا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی محبت کی شان جیسی کوئی شان نہیں، کیونکہ خالق و موجد سے

کوئی چیز محبوب

معبود برحق ہے،

رب ہے، تدبیر

رزق دینے والا

مالک ہے، اور اسی

نعمت ہے، روح

کا سرور ہے، دلوں

کا نور ہے، اور آنکھوں کی ٹھنک ہے، اور اندرونی عمارت ہے۔ اور مخلص دل، پاکیزہ روح اور عقل سلیم کے مطابق اللہ کی محبت، اس سے انسیت اور اس کی ملاقات کے شوق سے زیادہ خوبصورت، پاکیزہ، رازدار اور بہتر نعمت اور کوئی نہیں۔

ترجمہ: جب اس کی معافی تمام گناہوں کو ڈھانپ لیتی ہے تو اس کی رضا کا کیا عالم ہوگا؟ اور جب اس کی رضا امیدوں کو سمیٹ لیتی ہے تو اس کی محبت کیسی ہوگی؟ اور جب اس کی محبت کا یہ عالم ہو کہ وہ عقول کو حیران کر دے تو اس کی مودت کیسی ہوگی؟ اور اس کی مودت تو سب کچھ بھلا دے گی تو اس کا لطف کیا ہوگا؟

اور انسان جتنی زیادہ اللہ سے محبت کرتا ہے اتنی ہی زیادہ ایمان کی لذت اور مٹھاس حاصل ہوتی ہے، اور جس کا دل



خالق و موجد سے

کوئی چیز محبوب

معبود برحق ہے،

رب ہے، تدبیر

رزق دینے والا

مالک ہے، اور اسی

نعمت ہے، روح

کا سرور ہے، دلوں

کا نور ہے، اور آنکھوں کی ٹھنک ہے، اور اندرونی عمارت ہے۔ اور مخلص دل، پاکیزہ روح اور عقل سلیم کے مطابق اللہ کی محبت، اس سے انسیت اور اس کی ملاقات کے شوق سے زیادہ خوبصورت، پاکیزہ، رازدار اور بہتر نعمت اور کوئی نہیں۔

ترجمہ: جب اس کی معافی تمام گناہوں کو ڈھانپ لیتی ہے تو اس کی رضا کا کیا عالم ہوگا؟ اور جب اس کی رضا امیدوں کو سمیٹ لیتی ہے تو اس کی محبت کیسی ہوگی؟ اور جب اس کی محبت کا یہ عالم ہو کہ وہ عقول کو حیران کر دے تو اس کی مودت کیسی ہوگی؟ اور اس کی مودت تو سب کچھ بھلا دے گی تو اس کا لطف کیا ہوگا؟

اور انسان جتنی زیادہ اللہ سے محبت کرتا ہے اتنی ہی زیادہ ایمان کی لذت اور مٹھاس حاصل ہوتی ہے، اور جس کا دل

شدتِ محبت۔۔ اگر محبت بہت زیادہ شدید، عظیم اور بلند ہو جائے تو وہ ولہ یعنی شدتِ غم اختیار کر لیتی ہے، اور وہی انتہا درجہ کی محبت ہے، اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی محبت کے لئے تلہ کا لفظ استعمال ہوتا ہے اس کا مطلب ہے: اللہ کی شدید محبت، اور اس کی محبت جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی ہے (قرآن کریم، شریعتِ مطہرہ)۔ اور بندوں کے لئے غذا سے زیادہ تلہ (اللہ تعالیٰ، اسکی کتاب اور اسکے دین کی شدید محبت) کی ضرورت ہیکچونکہ غذا کے نہ ہونے سے جسم کو نقصان ہوتا ہے اور تلہ (اللہ تعالیٰ، اسکی کتاب اور اسکے دین کی شدید محبت) کے نہ ہونے سے نفس (روح) کو نقصان ہو جاتا یہاں پر وہ برباد و ہلاک ہو جاتا ہے۔

ممن جب اپنے رب کو پہچان لیتا ہے تو اس سے محبت کرتا ہے، اور جب اس سے محبت کرتا ہے تو اسی کی طرف آتا ہے، اور جب اسے اللہ کی طرف آنے کی مٹھاس حاصل ہو جاتی ہے تو وہ دنیا کی طرف شہوت کی نظر سے نہیں دیکھتا، اور آخرت کی طرف سستی و غفلت کی نظر سے نہیں دیکھتا۔

اللہ کی محبت کے نتائج و فوائد

اللہ کی محبت بندے کو واجب اور مستحب (پسندیدہ) کام کرنے اور حرام اور مکروہ (نا پسند) کام چھوڑنے کی ترغیب دلاتی ہے۔ اور دل کو ایمان کی لذت اور مٹھاس سے بھر دیتی ہے۔

ذاق طعم الیمان من رضی باللہ ربا، وبالسلام دینا، وبمحمد رسولہ۔

ترجمہ: جو اللہ کے رب ہونے پر، اسلام کے دین ہونے پر اور محمد ﷺ کے رسول ہونے پر راضی ہو گیا اس نے ایمان کا ذائقہ چکھ لیا۔

اللہ کی محبت دل سے ہر اس چیز کو نکال دیتی ہے جس سے اللہ کو نفرت ہوتی ہے، اور جسم کے اعضا بھی اللہ کی محبت کی بدولت فرماں بردار ہو جاتے ہیں، جس وجہ سے دل مطمئن ہو جاتا ہے، حدیثِ قدسی ہے:

.. فذا حببتہ نت سمعہ الذی یسمع بہ، وبصرہ الذی یبصر بہ، ویدہ الذی یبطش بہا، ورجلہ الذی یمشی بہا۔

ترجمہ: اور جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو اس کی وہ سماعت بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اور اس کی وہ بصارت بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اور اس کا وہ ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، اور اس کا وہ پاں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔

اللہ کی نافرمانی اور مخالفت سے روکنے والے اسباب میں سب سے قوی سبب اللہ کی محبت ہے؛ کیونکہ محبت کرنے والا اپنے محبوب کی ہر بات مانتا ہے۔

اور محبت کی پکڑ، ہولڈ (Hold) دل پر جتنا زیادہ مضبوط ہوگی اتنا ہی زیادہ بندہ فرماں بردار ہوگا اور نافرمانی سے بچے گا۔ اور نافرمانی اور مخالفت تو محبت اور اس کا کنٹرول کمزور ہونے کی وجہ سے ہی ہوتی ہے۔

بچی محبت اور جھوٹی محبت کے نتائج

اور سچی محبت کرنے والے کے لئے محبوب کی طرف سے ایک نگرہاں ہے جو اس کے دل اور بقیہ اعضا کی حفاظت کرتا ہے، جبکہ خالی محبت کا یہ پھل ہرگز نہیں ملتا جب تک کہ اس میں محبوب کی تعظیم اور عزت نہ ہو، اور جب اس میں یہ احترام اور تعظیم آجائے تو اس کے نتیجے میں حیا اور اطاعت قائم ہو جاتی ہے، ورنہ محض محبت سے صرف انسیت، خوشی، یاد دہانی اور شوق ہی ملتا ہے (شرم و حیا اور اطاعت نصیب نہیں ہوتی) (اسی لئے اس کا اثر اور نتیجہ نظر نہیں آتا، اور بندہ اپنے دل میں جب جھانکتا ہے تو اس میں اللہ کی محبت تو کچھ نظر آتی ہے مگر وہ محبت اسے گناہ چھوڑنے پر مجبور نہیں کرتی۔

اس کا سبب یہ ہے کہ وہ عزت و تعظیم سے خالی ہے، اور اللہ کی عزت و تعظیم کے ساتھ محبت کرنا ہی ایک ایسی نعمت ہے جس کے سوا کوئی اور چیز دل کو آباد نہیں کر سکتی۔ اور یہ اللہ کی سب سے بڑی اور افضل ترین نعمت ہے، اور یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا فرما دیتا ہے۔

اور جب محبت خضوع و خشوع سے خالی ہو جائے تو یہ محض ایک ایسا دعویٰ ہوتا ہے جس کی کوئی قیمت نہیں، اور یہی حال ان لوگوں کا ہوتا ہے جو اللہ کی محبت کا دعویٰ تو کرتے ہیں لیکن اللہ کا حکم نہیں ماننے اور نہ ہی سنت نبوی پر عمل کرتے ہیں اور نہ ہی اپنے اقوال، اعمال اور عبادات میں اسے اپناتے ہیں۔

اور جو شخص بھی اللہ کے رسول ﷺ کی اتباع نہیں کرتا وہ نہ تو اللہ سے محبت کرتا ہے اور نہ ہی اس کا دعویٰ کرنے کا اسے کوئی حق ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کی بات نقل کرتے ہوئے فرمایا:

((وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارُ نَحْنُ بَنَاءُ اللَّهِ وَجِبَاهُ)) ((المائد: 18)

ترجمہ: یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں۔

علا یہ راجپوت

دوسری فسط

شہیر رحمان اور سمیر رحمان لان میں بیٹھے اپنی کسی بزنس ڈیل کی بات کر رہے تھے جب عجوہ کھیلتی ہوئی آئی اور سمیر رحمان کے پیچھے سے ان کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر بولی کون؟؟؟ اپنے سیم چاچو کی نیلی آنکھوں والی ڈول عجمی سمیر رحمان نے مسکرا کر کہا اور عجوہ کو اپنی گود میں بٹھا کر اس لے گول مول گالوں کو چٹکیوں میں پکڑ کر ڈھیر سا راپیا کر ڈالا۔

کیا ہے سیم چاچو آپ ہمیشہ میری چکس کو زور سے کھینچ دیتے ہو اب آپ کا بیٹی آئے گانہ میں بھی اس کی چکس کو زور سے کھینچوں گی منہ بہ منہ عجوہ نے منہ بنا کر کہنے پر شہیر اور سمیر کا قہقہہ بلند ہوا۔
ہاں ہاں ہم دونوں مل کر آپ کے سیم چاچو کے بیٹی کی چکس کھینچیں گے شہیر رحمان عجوہ کے بابا نے شرارتا کہا جی بابا



باہا جی جی آپ کے دل میں جو آئے وہ کرنا بے بی ساتھ آخر آپ اس کی پیاری سی آپی جو ہوگی سمیر رحمان نے عجوہ کو پیار کرتے ہوئے کہا۔

اچھایہ بتائیں آپ نے آپ نے بھی کے لئے کوئی گفت لیا؟؟؟ سمیر نے عجوہ سے پوچھا۔
گفت لیا نہیں میرے پاس پہلے سے ہے چاچو یہ دیکھیں یہ جو میرا لاکٹ ہے نہ میرے گلے میں اللہ والا یہ میں بے بی کو دوں گی۔

پر عجوہ بیٹیا تو آپ کا لاکٹ ہے سمیر رحمان نے حیران ہو کر پوچھا تو چاچو پھر کیا ہوا بیٹی بھی تو میرا ہی ہوگا نہ عجوہ کے مسکرا کر کہنے پر سمیر رحمان کو اس کی معصومیت پر بہت پیار آیا۔ چلیں پھر اسی خوشی میں
آنکسریم کھانے چلیں سمیر رحمان کے کہنے پر عجوہ بہت خوش ہو گئی اور اپنے بہت پیار کرنے والے سیم چاچو کے ساتھ
لپٹ گئی

دو ماہ بعد:

عجوہ سکول سے لوٹی اسے نیچے والے پورشن میں کوئی نظر نہیں آ رہا تھا لگتا ہے سب سیم چاچو کے روم میں گئے ہیں میں بھی وہیں جا کے دیکھتی ہوں یہ سوچ کر عجوہ اوپر سمیر رحمان کے کمرے میں چل دی۔ اوپر پہنچ کر
عجوہ نے دیکھا سب گھر والے اک جگہ اکٹھے بیٹھے ہیں اور سب کے چہروں پر پراسراری خاموشی ہے۔ فائرہ چچی بیڈ پر لیٹی بے آواز رو رہی ہیں اور ان کی بغل میں اک بہت ہی حسین بچہ لیٹا تھوڑی تھوڑی آنکھیں کھول کر بہت ہی
آہستہ آہستہ ادھر ادھر دیکھ رہا ہے۔ عجوہ چھوٹے سے بچے کو دیکھ کر اتنی خوش ہوئی کہ آدھکھانا اور بھاگ کر اس
بچے سے لپٹ گئی سیم چاچو بھی آگیا سیم چاچو کا بے بی آگیا عجوہ خوشی سے اچھل رہی تھی ارے واہ چاچو دیکھیں نہ
اس کی آنکھیں تو نیلی ہیں بلکل میرے جیسی اس نے میری آنکھوں کا رنگ چرایا ہے یہ کتنا پیارا ہے نہ چاچو عجوہ نے
خوشی سے چمکتے ہوئے کہا اور اپنا سونے کا اللہ والا لاکٹ اتار کر اس کو پہنا دیا۔

سس عجوہ چپ کر دیا اور اپنے کمرے جاو و سمیر رحمان نے چلا کر کہا عجوہ جس نے کبھی اپنے اتنے پیار کرنے
والے چاچو کا یہ روپ دیکھا تو دوسو چاچو بھی نہیں تھا خوفزدہ ہو کر وہیں دیوار کے ساتھ لگ گئی۔

سمیر رحمان جس کے پاں اپنے بچے کے دنیا میں آنے سے پہلے باپ بننے کی خوشی میں پاؤں زمین پر نہیں لگتے تھے
اب وہی سمیر رحمان اپنے اسی بچے کو خونخوار نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

تھوڑے عرصے بعد عجوہ کو اپنے بچے کی دنیا میں آنے کی خوشی سے دیکھ کر اس کی آنکھیں پانی سے بھر گئیں۔

نفرت سے انہوں نے منہ دوسری طرف کر لیا اور عجوبہ خوفزدہ ہو کر اس سارے منظر کو دیکھ رہی تھی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ آگے بڑھ کے ان سے اپنا نیلی نیلی آنکھوں والا پیار سا بیٹی چھین لے پر وہ سمیر رحمان کے غصے سے اتنا ڈر گئی تھی کہ اس کی اپنی جگہ سے ہلنے کی ہمت تک نہ ہوئی اور وہ لوگ اسکی بیٹی کو لے کر کرب کے اس کی نظروں سے اوجھل ہو گئے تھے پر اس کا دل اپنے اس چھوٹے سے بھائی میں رہ گیا تھا۔

.....

وہ کالج کے لئے تیار ہو رہی تھی کہ حبیبہ صاحبہ کی آواز پر پلٹی یہ یو بیٹا ناشتہ کر لوکل بھی تم ناشتہ کے بغیر ہی چلی گئی تھی۔ اوہ میری پیاری ماما میرے ٹیسٹ ہو رہے ہیں نہ اس لئے میں بہت بزی ہوں اس لئے کھانے کا وقت کم ملتا ہے آپ پریشان نہ ہوں میں کالج کے کنٹین سے کھالیا کروں گی۔

جی نہیں آپ ایسا کچھ نہیں کروں گی آئی سمجھ زیادہ بات ہے تو میں روز لٹچ باکس دے دیا کروں گی خبردار جو باہر سے اول فول کھایا تو اب چپ چاپ یہ ناشتہ کرو اور میں آپ کے لئے لٹچ باکس تیار کرتی ہوں حبیبہ صاحبہ بیٹی کو پیار بھرا ڈانٹ کر بچن کی جانب چلی گئیں اور عجوبہ ان کے پیار بھرے انداز پر مسکرا کر رہ گئی۔

ناشتہ کر کے عجوبہ اپنے کمرے سے باہر آئی تو حبیبہ صاحبہ کو اپنا منتظر پایا۔ ماما بابا کہاں ہیں عجوبہ نے پوچھا۔

اوہ سوری بیٹا میں آپ کو بتانا ہی بھول گئی کہ آپ کے بابا رات ہی کسی کام کے سلسلے میں کراچی گئے ہیں۔ اف ماما اب میں کالج کس کے ساتھ جاں گی آج تو میرا ٹیسٹ بھی ہے اگر میں لیٹ ہو گئی تو بہت پرالیم ہو جائے گی عجوبہ نے پریشانی سے کہا۔

ارے میری جان اس کا بھی حل ہے میرے پاس آپ کی سماویہ پھپھو نے صبح ہی اپنے ہاتھ کا اچار بھیجا ہے آپ کے بابا کے لئے ان کو بہت پسند ہے نہ آپ کی پھپھو کے ہاتھ کا اچار اس لئے۔

ارے واہ کون لایا ہے اچار عجوبہ نے خوش ہو کر پوچھا اپنا اشہاب اور کون حبیبہ صاحبہ نے مسکرا کر کہا۔

اوہہ اچھا اشہاب کا نام سن کر اک دم سے اسکی دھڑکنیں بے ترتیب ہوئیں تھی جب سے وہ اشہاب کے نام سے منسوب ہوئی تھی اس نام سن کر جھینپ سی جاتی تھی حالانکہ وہ اشہاب کے ساتھ کھیل کر بڑی ہوئی تھی پھر بھی جب سے اس کے نام کی انگوٹھی پہنی تھی اک عجیب سی کیفیت تھی جو اس کا نام سن کر ہوتی تھی۔

کہاں کھو گئی حبیبہ صاحبہ نے بیٹی کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرا کر پوچھا۔

جی ی ی کیس نہیں ماں کی آواز پر عجوبہ نے گھبرا کر کہا۔ ماما بتائیں نہ اب میں کس کے ساتھ کالج جاؤں؟؟؟ بابا تو

ماما وہ یس میں سے نہ چلی جاؤں؟؟ عجہ وہ گھبرا کر کہا۔ نہیں بیٹا جب گھر پر اک چھوڑنے والا موجود ہے تو بس والا جھٹ کیوں؟؟ چلیں آئیں اشہاب چھوڑ آئے گا وہ ڈرائنگ روم میں بیٹھا ہے آئیں وہیں چلتے ہیں۔
 پر ماما عجہ اک بار پھر بولی تو حبیہہ صاحبہ نے اس کی بات کاٹ کر اسے سمجھایا بیٹا میں جانتی ہوں جب سے تمہاری منگنی ہوئی ہے تم اشہاب سے تھوڑا دور ہی رہتی ہو اور اچھے گھروں کی بیٹیوں کو کرنا بھی ایسے ہی چاہیے۔ پر بیٹا خود آپکی ماں آپ کو اجازت دے رہی ہے کیونکہ اشہاب دیکھا بھالا اپنے ہی گھر کا بچہ ہے اور کتنا شریف ہے یہ بھی ہم جانتے ہیں کہ اشہاب اتنا اچھا بچہ ہے کہ اس نے منگنی ہونے کے بعد بھی کبھی آپ سے بات کرنے یا ملنے کی کوشش نہیں کی۔ ہمیشہ جب بھی آتا ہے نظر جھکا کر بیٹھتا ہے آپ گھبرائیں نہیں اور جائیں حبیہہ صاحبہ کے بات کرتے کرتے ڈرائنگ روم آ گیا۔

سوری بیٹا میں عجہ کو الٹ بکس تیار کر رہی تھی اس لئے دیر ہو گئی آنے میں حبیہہ صاحبہ نے ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہوئے کہا اور عجہ ڈرائنگ روم کے باہر ہی رک گئی اندر جانا اسے دنیا کا مشکل ترین کام لگ رہا تھا۔
 اور سنائیں بیٹا آپ کی ماما کیسی ہیں؟؟ سب فٹ ہیں ممو آپ سنائیں کیسی ہیں؟؟؟
 میں بھی ٹھیک ٹھاک میرے بچے۔ اشہاب بچپن سے ہی اپنی نرم مزاج ممانی سے بہت پیار کرتا تھا اور ان کو پیار سیکھو بلاتا تھا اور اب بڑے ہونے کے بعد بھی وہ ان کو موبی کہہ کر بلاتا تھا۔ چلیں مومیں چلتا ہوں میں نے آفس بھی جانا ہے اشہاب نے چائے کا آخری گھونٹ بھرا اور جانے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا۔
 اچھا سنو بیٹا جاتے جاتے عجہ کو کالج چھوڑ دو پلیز دراصل آپ کے ماموں کسی کام سے کراچی گئے ہیں اور باقی سب بھی اپنے سکول کالجز کو گئے ہیں اس لئے اکیلی بچی کو بھیجے کو میرا دل نہیں مانا آپ چھوڑ آ۔

جی چھوڑ آتا ہوں ممو، عجہ کا نام سن کر اشہاب کے چہرے کا رنگ بدلا تھا پر اس نے ممو پر کچھ ظاہر نہیں ہونے دیا وہ شرمیلی۔ سی نرم مزاج لڑکی اسے بچپن سے ہی بہت اچھی لگتی تھی اور بچپن میں ان دونوں کی بہت دوستی بھی تھی پر جیسے جیسے عجہ بڑی ہوئی وہ کم گو ہو گئی اور منگنی کے بعد تو وہ باقاعدہ اشہاب سے پردہ کرنے لگی تھی اور اشہاب بھی اس کی اتنی ہی عزت کرنے لگا تھا دل میں بہت سے ارمان ہونے کے باوجود کبھی بھی اسے نظر اٹھا کر نہیں دیکھتا تھا اسے بہت اچھا لگتا تھا اللہ نے اس کی قسمت میں ایسی لڑکی کو لکھا جس کے لئے پردہ اس کی ذات کا حصہ ہے اور اسے باپردہ عورت ہی پسند تھی اپنے جیون ساتھی کے طور پر... اور معصومی عجہ تو اسے ویسے بھی بچپن سے ہی پیاری لگتی تھی۔

آپ ٹھیک ہیں؟؟؟ اس انسان کے سوال پر عجوہ نے چھکی نظروں کو اٹھا کر اسے دیکھا تو وہ انسان اسے بہت عجیب لگا کیونکہ اس نے اپنے چہرے کو اک مردانہ شال میں لپیٹ رکھا تھا جس کی وجہ سے عجوہ اس کے چہرے کو دیکھ نہیں پا رہی تھی اور وہ ویسے ہی اتنی خوف زدہ تھی کہ کچھ بول ہی نہ پائی اور بس خالی خالی نظروں سے سامنے کھڑے انسان کو دیکھے جا رہی تھی جو اگر اسے بروقت نا بچاتا تو آج اس کی سب سے قیمتی چیز اس کی عزت مٹی میں مل جاتی۔

آپ ٹھیک ہیں؟؟؟ اس کے دوبارہ سوال کرنے پر عجوہ نے کانپتی آواز کے ساتھ جی کہا اور کھڑی ہونے کی کوشش کرنے لگی اور جیسے ہی وہ کھڑی ہوئی اسے چکر آیا اور وہ لڑکھڑا کر گر گئی۔

.....

عجوہ کو کچھ سال بعد اللہ نے جڑواں بہن بھائی دیے اور سیم چاچو کے گھر بھی دو بیٹے اور اک بیٹی ہوئی زندگی دھیرے دھیرے آگے بڑھنے لگی پر عجوہ کو ان سب کے ہونے کے باوجود نہ تو اپنا وہ نیلی آنکھوں والا بھائی بھولا جس کی آنکھیں بالکل عجوہ جیسی نیلی تھیں اور نہ ہی وہ سیم چاچو کا ڈاٹنا۔ اس کے ننھے سے دماغ میں اپنے چاچو کا وہ انداز ایسا بیٹھا کہ اس کے بعد سیر رحمان کی لاکھ کوششوں کے باوجود بھی کبھی ان کے قریب نہ آ پائی۔ بہت ہوتا تو ہوں ہاں میں ان کی بات کا جواب دے کر وہاں سے اٹھ کر چلی جاتی جہاں سیر رحمان بیٹھے ہوتے۔ عجوہ کے کسی بہن بھائی یا کزن نے اس کی نیلی آنکھیں نہیں چرائی تھیں اسے لمبا وقت گزرنے کے بعد بھی کبھی نہیں بھولا پر اس نے دوبارہ کبھی گھر کے کسی بھی فرد سے اس بچے کے بارے میں نہیں پوچھا پر کبھی اس کو بھول بھی نہیں پائی۔ وقت سر کنار ہا اور عجوہ بچپن سے نکل کر جوانی کی دہلیز پر آ گئی اب چھوٹی سی معصوم سی عی ما شا اللہ مستقبل کی ڈاکٹر عجوہ شہیر رحمان تھی

مجھے چاند بین کے ملا تھا جو

دوسری فسط

عاشہ جبین

امی چلیں نہ گھر اب دیکھیں چار بج گئے ہیں۔ عمرین شدید بور ہو رہی تھی اسکا تو دل کر رہا تھا کہ وہ بس بھاگ کر گھر چلی جائے۔ پھوپھو تو باہر اپنے بھائیوں کے پاس سے اٹھی نہیں تھی۔ عازہ کے فون کا لڑکا سلسلہ ہی ختم ہونے پر نہیں آ رہا تھا۔ رہا یا ز تو وہ کچن والے واقعے کے بعد انہیں نظر نہیں آیا تھا کھانے کے میز پر بھی نہیں تھا۔ اب تو ناد یہ کو بھی غصہ آ رہا تھا۔



مقصود تو بس کھانا کھانا اور ان کا مقصد بھی کھانا کھانا ہی تھا۔ عمرین اور ناد یہ تو صبح تا آ رہا تھا۔ احمرین البتہ ناراض تھی وہ جانتی تھی عازہ کی ذہنیت کو یقیناً اس نے ناد یہ بھی کو نیچا دکھانے اور ابو کو یہ باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ ان لوگوں کو ان کی کتنی پرواہ ہے۔ جیسے ہی نفیسہ بیگم اندر آئیں۔ عمرین ماں کو دیکھتے ہی بولی ہاں بس نکلتے ہیں ہم آ باہر تم لوگ تمہاری پھوپھو بلا رہی ہے۔ آ جا شا باش۔ نفیسہ بیگم ان کو باہر بلاتی ہو بولی تو عمرین نے منہ ایسے بنا لیا جیسے کو نین چاہی ہو۔

اچھا می آتے ہیں۔ عمرین کی بجائے احمرین بولی تو وہ ایک بار پھر جلدی آنے کا کہتی باہر چلی گ تو عمرین نے احمرین کی طرف دیکھا۔ اور آنکھوں سے انکار کیا کہ وہ نہیں جانا چاہتی۔

چلو عمرین اٹھو بری بات ہے آ باہر بلا رہی ہیں۔ احمرین نظر انداز کرتے ہوئے بولی تو عمرین مجبوراً اٹھی اور باہر چل دی۔ آپ بھی آ جائیں بھابھی۔ احمرین ناد یہ کو دیکھتے ہوئے بولی۔

نہیں بس جامیر اکو موڈ نہیں کو نیا تماشا دیکھنے کا۔ ناد یہ طنزیہ بولی احمرین بس مسکرا کر رہ گ اور جب وہ باہر نکل گ تو ناد یہ بڑبڑا۔ اور سیل میں بزی ہوگ۔

باہر بڑا اچھا موسم تھا شاید تھپی کسی کا اندر بیٹھنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔ باہر سب لوگ چیز پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اس نے نظر گھما کر دیکھا تو ایاز کہیں نہیں تھا اس نے سکھ کا سانس لیا ورنہ تب سے وہ کمرے میں ہی بیٹھی تھی۔ پھوپھو کے ہسپنڈ چونکہ باہر ہوتے تھے اسلیے پھوپھو اس وقت انکی باتیں کر رہی تھی جس کو وہ عدم دلچسپی سے سن رہی تھی۔ عمرین بھی عازہ سے بات کر رہی تھی۔ وہ چپ چاپ گاں کے شام کا منظر اپنی نگاہوں میں سمونے لگی۔ کتنا پسند تھا اسے گاں، گاں کی صبح، گاں کی شامیں، گاں کی بارشیں۔

کتنی خوبصورتی اور تسکینیت ہے گاں کی فضاں میں۔ اس نے آنکھیں بند کر کے گہری سانس لی جب عازہ کی آواز پر آنکھیں کھولی۔

احمرین! اس نے عازہ کی جانب دیکھا جو اسے مسکرا کر دیکھ رہی تھی۔ اس نے سوالیہ نظروں سے اسکی جانب دیکھا۔ وہ یار میرا راز سیل تو لا دو میرے روم میں ہے تم لوگوں کو ریان کی پکس بھی دکھاتی ہو اور ریان نے کچھ چیزوں کی پکس سینڈ کی ہے تم لوگ دیکھ لو پسند کر لو تو وہ تم لوگوں کے لیے بھی لے آئے گا۔ عازہ اسکو دیکھتی ہو بولی تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا اور اٹھ کر اندر کی جانب بڑھ گ تو عازہ مسکرا دی۔ اور عمرین کی جانب متوجہ ہوگ۔

که نهید لیس کا اٹاگے گا گنگہ تھوڑی دیر کے بعد

میں آنسو آگئے۔ وہ روتے ہوئے چلی گئی تو رماش جو مذاق کر رہا تھا اسکی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر بھسکا گیا۔

وہ دروازہ کھول کر اندر آ لیکن باہر روشنی سے ایک دم اندھیرے میں آنے کی وجہ سے پہلے تو وہ چند لمحے پلکیں جھپکتی رہی پھر جب آنکھیں اندھیرے سے روشناس ہو تو وہ آگے بڑھی اور ادھر ادھر دیکھا سامنے بیڈ پر نہ سید ٹیبل پر اسے سیل نظر نہیں آیا تو وہ دایں طرف مڑی وہاں عازہ کی بکس ریک رکھی تھی عازہ کا سیل وہاں رکھا ہوا تھا۔ احمرین نے آگے بڑھ کر سیل اٹھایا اور جیسے ہی مڑی اسکا سانس ایک دم رک گیا۔

ایاز دروازہ میں کھڑا تھا۔ وہ ایک قدم آگے بڑھا اور دروازے کو پاں کی ٹھوک کے ساتھ بند کیا تو دروازہ کا پٹ ہلکی سی آواز کے ساتھ بند ہو گیا۔ کمرے میں گھپ اندھیرا ہو گیا تھا۔ احمرین کا سانس رکا۔

ایاز بھائیہ کیا بتیازی ہے؟ احمرین ہلکی آواز میں چیخی۔ ایاز چلتا ہوا اس سے تین قدم دور رک گیا۔ کھڑکی سے ہلکی ہلکی روشنی ان دونوں پر پڑ رہی تھی۔

میری آنکھوں پہ کو آیت پڑھ کر دم کرو۔۔۔۔۔

یہ مسلسل تجھے دیکھنے کی ضد کرتی ہیں۔۔۔۔۔

وہ شعر پڑھتا ہوا اسکو دیکھ رہا تھا۔ احمرین سشدر رہ گئی۔ اسی پل سے وہ ڈر رہی تھی۔ اسکو شدید غصہ آیا مگر وہ ضبط کر گئی۔ کیونکہ ابھی کو بھی آجاتا تو سوائے بدنامی کے کچھ نہ ملتا۔

ایاز بھاشم کرے میں چھوٹی بہنوں کی طرح ہوں آپکی اور راستہ چھوڑیں میرا کو آ جائے گا۔ وہ جیسے ضبط کر کے بولی۔ ایاز مسکرایا۔

احمرین تبہاری اکڑ چھی لگتی ہے لیکن اگر تم میری بات مان لیتی اور کچن میں آ کر بات سن لیتی تو اس وقت تم یہاں بند کمرے میں میرے ساتھ نہ ہوتی۔ ایاز مسکرا کر بول رہا تھا جیسے اسکی بہنیں پر ہنس رہا ہو۔ احمرین کا دل کیا ایاز کے منہ پر کس کے تھپڑ مارے۔

راستہ چھوڑے میرا۔ وہ اسی سائیڈ سے ہوتی ہو دروازے کی طرف بڑھی مگر ایاز نے اسکا بازو پکڑا اور اسکو جھکے سے موڑا۔ میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں احمرین ویسے تو یہ بات امی ماموں سے کر ہی لیں گی لیکن میں خود ایک بار تم سے بات کرنا چاہتا تھا۔ اب تماری مرضی ہے کہ مجھ سے شادی دل کی رضامندی سے کرتی ہو یا پھر ماموں کے کہنے پر لیکن اتنا یاد رکھنا شادی تم مجھ سے ہی کرو گی۔ وہ اسکی آنکھوں میں دیکھ کر بولا تو اس سے پہلے کہ احمرین کچھ کہتی کسی

طالش لپ ٹاپ پر اپنا کام کر رہا تھا جب دروازے پر دستک ہو۔ آ جا۔۔ اس نے سر اٹھائے بنا کہا تو دروازہ کھول کر رمشہ نے اندر جھانکا تو طالش سانسے صوفے پر بیٹھا ہوا تھا اور لپ ٹاپ پر بڑی تھا۔ جب طالش نے سر اٹھایا تو رمشہ کو دیکھ کر مسکرایا۔ آ جا رمشہ رک کیوں گ ہو۔ وہ مسکرا کر بولا تو رمشہ ہلکا سا مسکرا کر اندر آگ اور اس کے سانسے بیڈ پر بیٹھ گ۔ اس کا منہ بنا ہوا تھا۔ کیا ہوا رمشہ منہ کیوں بنا ہوا ہے کیا پھر رامش سے لڑا ہو گ ہے تم دونوں کی۔ طالش نے مسکرا کر پوچھا۔ نہیں حور یہ ناراض ہے مجھ سے۔ رمشہ نے منہ بناتے ہوئے جواب دیا تو طالش یوں دیکھا گویا کو عجیب بات سنی ہو۔ تمہاری اور حور یہ کی لڑا؟۔۔۔۔۔ یہ کیسے ہو؟۔ طالش حیران ہوتا ہوا بولا تو حور یہ اسے ساری بات بتانے لگی۔ سارا قصہ سن کر طالش ہنسنے لگا۔

لیکن رمشہ کا منہ بنا دیکھ کر ہنسی روکتا ہوا لپ ٹاپ بند کر گیا۔ اچھا اچھا تو پھر مسئلہ کیا ہے اس کو منالو جا کر۔ طالش یوں بولا جیسے کو بات ہی نہیں ہے۔ رمشہ نے ماتھے پر ہاتھ مارا۔ اففف طالش بھابی تو مسئلہ ہے وہ نہیں مان رہی میں نے کان بھی پکڑے ہیں۔ رمشہ بے بسی سے بولی تو طالش نے سر ہلایا اسے ساری بات سمجھ آگ تھی۔

اچھا تو تم اب چاہتی ہو کہ میں حور یہ کو مناں؟ طالش نے سوالیہ انداز میں پوچھا تو رمشہ نے سر ہلادیا۔ جی صرف منائے ہی نہیں اس رامش کے بچے کو سزا بھی دیں تاکہ اسے سبق ملے۔ اس نے جان بوجھ کر ہماری لڑا کروا ہے۔ رمشہ مزید بولی تو طالش مسکرایا اور بولا۔

ٹھیک ہے میں بات کرتا ہوں حور یہ سے اور رامش کو بھی منع کرتا ہوں ٹھیک ہے اب تم پریشان نہ ہو۔ ٹھیک جا اب میں اب کام کر لو۔ طالش نے کہا تو رمشہ خوشی سے اٹھ گ۔

اوہ تھینک یو طالش بھائی مجھے پتہ تھا آپ ضرور میری پرالیم سولو کریں گے۔ رمشہ بولی تو طالش مسکرا دیا۔ رمشہ چلی گ تو طالش اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔۔

مامی رابیک تیار کر دیجے گا مجھے شام میں نکلنا ہے۔ طالش گاڑی کی چابی ٹیبل سے اٹھاتا ہوا بولا تو رابعہ بیگم چونک گئی۔ سیالکوٹ جا رہے ہو ٹیبل کے ہاں۔ رابعہ بیگم نے پوچھا تو طالش رکا۔

اوہ نہیں دادا ابھی تو لندن جانا ہے وہاں ایک مسئلہ ہو گیا ہے جانا ضروری ہے۔ آج تو سیالکوٹ بھی جانا تھا مجھے نیل

سے ان کے درمیان رابطہ تھوڑا ٹوٹ گیا تھا مگر اب دوبارہ سے ان لوگوں نے ایک دوسرے سے رابطہ جوڑ لیا تھا۔ چلو کوئیں اس کو بتا دینا اور پھر واپسی پر اسکی طرف چلے جانا۔ عاصمہ بیگم مسکرا کر بولی تو اس نے سر ہلایا۔ پھر وہ خدا حافظ کہتا ہوا باہر نکل گیا۔

وہ چھت پر بیٹھی تھی۔ بچے سے عمرین آوازیں دے رہی تھی۔ مگر اسکا دل نہیں چاہ رہا تھا بچے جانے کو۔ کل عازہ کے ہاں سے واپسی پر سے اسکا موڈ سخت خراب تھا۔ کل نادیہ نے ان دونوں کو روم میں دیکھ لیا تھا وہ چونکہ کمرے میں ہی تھی جب باہر جانے کو لگی تو ساتھ والے کمرے سے ایاز کی آواز سن کر اس نے دروازہ کھولا تو ایاز تو اسے دیکھ کر فوراً نکل گیا پروہ پتھر کی ہوگ۔ اس کی غلطی نہیں تھی پھر بھی کل سے وہ آنکھ نہیں اٹھا پارہی تھی یہ سوچ کر کہ نادیہ کیا سوچتی ہوگی اس کے بارے میں۔ نادیہ نے زبان سے کچھ نہیں کہا تھا لیکن زبان سے کہنا ہی ضروری تو نہیں ہوتا۔ وہ اپنی ہی سوچوں میں گم تھی جب ساتھ والی چھت سے سلام کی آواز سن کر چونکی۔

اس نے سر اٹھایا تو ساتھ والے گھر کی چھت پر ایک سمارٹ سی لیڈی اسکو مسکرا کر دیکھ رہی تھی اسکے ایک بازو پر کپڑے رکھے ہوئے تھے جو وہ تار سے اتار رہی تھی۔

احمرین حیران ہوتی ہوا آگے بڑھی۔ اور سلام کا جواب دیا۔

آپ۔۔۔۔۔ احمرین نے سلام کا جواب دیکر حیران ہوتے ہوئے بولی تو وہ لڑکی جسکی عمر تقریباً چونتیس سے پینتیس سال کی تھی۔

میں یہاں چند دن پہلے ہی شفٹ ہوہوں۔ آپ کی امی اور انکی ایک بیٹی عمرین سے ک بار میری چھت پر ہی ملاقات ہوئے ہیں میں رانیہ ہوں اور آپ۔۔۔ وہ لڑکی کافی باتونی لگتی تھی۔ احمرین حیران ہو ساتھ والے گھر میں کرائے دار آئے تھے اور اسے پتہ نہیں لگا۔

اوہ سوری مجھے پتہ نہیں تھا میں احمرین ہوں انکی بڑی بیٹی۔ وہ مسکرا کر بولی۔

جی مجھے پتہ ہے عمرین نے بتایا تھا اس لیے میں آپکو دیکھنے ہی پہچان گ تھی کسی ہیں آپ؟ رانیہ مسکرا کر بولی وہ اب دیوار کے قریب آگ تھی۔ ان کے درمیان ایک دیوار تھی جو انکے کندھوں تک آ رہی تھی۔ جہاں دیوار ختم ہو رہی تھی وہاں ایک دروازہ تھا جو انکی طرف سے بند تھا۔ دراصل یہ دونوں گھر ایک ہی شخص کے تھے جب اکرم صاحب یہاں آئے تو یہ گھر ریٹ پر لیا تھا لیکن پانچ سال بعد اکرم صاحب نے یہ گھر خرید لیا تھا جبکہ دوسرا گھر بستور کرائے

سے ادھر ٹرانسفر ہوئے ہیں۔ رانیہ نے اسے بتایا تو احمرین نے مسکرا کر سر ہلایا۔

کافی دیر تک وہ رانیہ سے چھت پر بات کرتی رہی رانیہ کافی دلچسپ لڑکی تھی۔ احمرین کی اس سے اچھی خاصی بے تکلفی ہوگ تھی۔ رانیہ نے احمرین کو اپنے گھر نواٹ کیا تھا جو احمرین نے مسکرا کر قبول کر لی۔

جب وہ چھت سے اتر رہی تھی تو اسکے ذہن سے کافی بوجھ ہٹ چکا تھا۔

طالش کی دودن بعد صبح کے وقت واپسی ہو تھی۔ نیبل اسکا فون پک نہیں کر رہا تھا۔ وہ شام کے وقت سیالکوٹ کے لیے روانہ ہو گیا۔ اس نے نیبل کو نہیں بتایا تھا کہ وہ آ رہا ہے۔ موٹر وے پر اسکی گاڑی بھاگی جا رہی تھی۔ قریباڑھا تین گھنٹے میں وہ سیالکوٹ پہنچ کر نہ صرف گھر ڈھونڈ چکا تھا بلکہ دروازہ پر نیبل کر کے وہ اب ویٹ کر رہا تھا دروازہ کھلنے کا۔ شام کے آٹھ بج رہے تھے۔ اسنے رسٹ وائپر وقت دیکھنے کے لیے گردن جھکا جب دروازہ کھلا۔

ارے طالش بھا آپ! رانیہ اسے دیکھ کر خوشی سے حیران ہوتی ہو بولی تو وہ مسکرا دیا۔

جی بھابھی اسلام علیکم!! اندر آ جاں؟ وہ مسکرا کر بولا تو رانیہ پچھے ہو۔

جی جی ضرور کیوں نہیں آپ کا اپنا گھر ہے کہ مسئلہ تو نہیں ہوا آنے میں؟ رانیہ نے پوچھا تو وہ بیگ اندر رکھتا ہوا بولا۔

ارے نہیں کہ مسئلہ نہیں ہوا اور نیبل آ گیا کیا گھر؟ اس نے پوچھا۔

نہیں ابھی تو نہیں آیا آپ چلیں میں کال کرتی ہوں وہ آ جاتے ہیں ویسے تو دس بجے تک آ جاتے ہیں وہ۔ رانیہ

اسکے آگے چلتے ہوئے کہنے لگی تو وہ جلدی سے بولا۔

ارے رہنے دیں بھابھی آ جائے گا تو مل لوں گا اگر پتہ لگ گیا اس کو تو وہ پولیس ساتھ لائے گا مجھے مارنے کو۔ رانیہ ہنس دی۔

اچھا آپ بیٹھے میں کچھ پینے کو لاتی ہوں آپ کے لیے۔ رانیہ اسکولانچ میں بیٹھیکا اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

نہیں بھابھی پہلے آپ مجھے واشروم دکھا دیں میں فریش ہو جاں پھر ایک کپ چائے سٹرونگ سی بنا دیجیے گا۔ وہ بے تکلفی سے بولا تو رانیہ اسکویگسٹ روم میں لے گ۔

ٹھیک ہے آپ فریش ہوں جاں میں تب تک چائے بناتی ہوں۔ رانیہ نے کہا تو وہ سر ہلاتا ہوا روم میں چلا گیا۔

امی آپ کو کیا ضرورت تھی اس دن چھوٹے ماموں کی فیملی کو بلانے کی؟ ایاز جھنجھلاتا ہوا بولا تو رفیعہ بیگم نے یوں اپنے

بیٹے کی جانب دیکھا گویا اس کا دماغ چل گیا ہو۔

تیوروں سے پوچھا تو جہاں ایاز گڑبڑایا وہیں عازہ نے بھی پہلو بدلا۔

ارے امی کیا ہو گیا ہے آپ کو آپ کے بھائی ہیں وہ اور میرا سسرال بھی اگر کھانے پر بلا لیا تو کیا ہو گیا۔ عازہ منہ بناتی ہو بولی۔ ایاز نے بھی تائید میں سر ہلایا۔ تو رفعیہ بیگم نے دونوں کو خشمگین انداز میں ان کو گھورا اور پھر طنزیہ مسکرا کر بولی۔ میں تم لوگوں کی ماں ہوں تم لوگ میری ماں نہیں اور ایاز تم کیا چکر چلا رہے ہو عازہ کے ساتھ مل کر؟ ایاز نے عازہ کی جانب دیکھا تو اسے بتانے کا اشارہ کیا۔ تو ایاز نے اس کو اشارہ کیا کہ وہ بتائے عازہ نے اسکو گھورا اور پھر ماں کی طرف دیکھ کر بولنے لگی کوان لوگوں کو گھور رہی تھیں۔

وہ امی۔۔۔۔۔ دراصل ایاز احمرین سے۔۔۔۔۔ شادی کرنا چاہتا ہے اور اس لیے آپ ماموں سے بات کریں۔ عازہ نے ہمت کر کے کہہ ہی دیا۔

کیا۔۔۔۔۔ واہ واہ واہ میرے بچے تو بالابالا ہی سب کچھ طے کے بیٹھے ہیں۔ بیٹی نے بھی سب کچھ طے کر کے ماں کو اطلاع کی کہ بھاب مجھے آپ بس نکاح کر کے رخصت کر دیں اور بیٹا صاحب بھی بالابالا سب سچے بیٹھے ہیں۔ ماں اور باپ کو تو کوزحمت دینے کی کوشش ہی نہیں کی کیا کہنے۔ رفعیہ بیگم ان کو دیکھتی استہزایہ انداز میں بولی تو عازہ نے بیزار سے ماں کی طرف دیکھا۔ دراصل عازہ اور ریان کی پسند کی شادی تھی۔ عازہ کے والد نہیں مان رہے تھے لیکن عازہ کی ہٹ دھرمی اور ضد کے آگے مجبور ہو کر رفعیہ بیگم نے شوہر کو راضی کر ہی لیا۔ اور یوں ریان اور عازہ کی شادی کروادی۔

امی۔۔۔ پلیز جب بیٹی کی شادی مرضی سے ہو سکتی ہے تو بیٹی کی کیوں نہیں اور میں بتا رہا ہوں میں شادی تو احمرین سے ہی کروں گا۔ چاہے آپ مانے یا نہ مانے۔ ایاز ہٹ دھرمی سے کہتا ہوا اٹھ کر چلا گیا۔ رفعیہ بیگم ہائے ہائے ہی کرتی رہ گئی۔ انہوں نے غصے سے عازہ کی جانب دیکھا تو وہ اٹھ کر ان کے پاس آ۔

امی دیکھیں آپ کا کلوتا بیٹا ہے ایاز اور اگر وہ اپنی پسند سے شادی کرنا چاہتا ہے تو کرنے دیں نہ آپ اسکو اپنی مرضی اگر آپ مسئلہ کریں گی تو وہ کچھ بھی کر سکتا ہے پھر آپ کیا کر سکتے گی؟ اور ایک بات بتاں آپ کو؟ وہ ان کے نزدیک ہو کر دھیمی آواز میں پوچھنے لگی تو وہ اس کے انداز پر چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

میں آپ کو شرطیہ کہتی ہوں کہ احمرین شادی کے لیے نہیں مانے گی۔ عازہ انکا ہاتھ دبا کر یقین سے بولی تو وہ حیران ہو کر دیکھنے لگی۔

کیوں میرے بیٹے میں کیا کمی ہے جو احمرین نہیں مانے گی ایاز سے شادی کے لیے؟ وہ کڑے تیوروں سے پوچھنے لگی

وہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ماموں کو ہم انکے خلاف بھڑکاتے ہیں اور احقرینِ عمرین ہم سے صرف اور صرف ماموں کی وجہ کچھ نہیں کہتی ورنہ کبار میں نے ان لوگوں کو ہمارے خلاف بولتے سنا ہے سو وہ کبھی بھی نہیں مانے گی۔ آپ بے فکر رہیں اور ایاز کو خود سے بدگمان مت کریں۔ اور بالفرض اگر ہو بھی جائے شادی تو کیا برا ہے ہمیں تو فادہ ہی ہے ورنہ ایاز کو قباور کھنا کس اور کے بس کی بات نہیں ہے۔ عازہ ماں کو وہ نقطہ سمجھاتے ہوئے بولی جو انکی پریشانی بنا ہوا تھا۔ انہوں نے عازہ کو دوا طلب نظروں سے دیکھا تو عازہ فخریہ مسکرا دی۔ ایاز کا شمار بھی ان لوگوں میں ہوتا تھا جو باپ کے پیسوں پر عیش کرتے ہیں۔ ایاز نے بی اے بڑی مشکل سے پاس کیا تھا اسکے بعد اور چکروں میں پڑ گیا تو پڑھا سے رہا سہا تعلق بھی ختم کر ڈالا۔ لڑکیوں سے دوستی انکے ساتھ ہو ٹانگ ایسے شوق تھے جو اسے کم عمری سے لگ چکے تھے۔

جن بچوں کے باپ ملک سے باہر اپنے بچوں کے مستقبل کو سنوارنے جاتے ہیں وہ بھول جاتے ہیں کہ ان کے بچے اپنا حال تباہ کر سکتے ہیں۔ اور جب اپنے گمان میں مستقبل کا تناور درخت تیار کر کے لوٹتا ہے تو تب وہ جانتا ہے کہ وہ درخت تو شروع سے ہی کھوکھلا ہو چکا تھا۔ بچے اپنا حال تباہ کر لیتے ہیں اور باپ بچارے مستقبل کو بچانے کی کوشش کرتے ہیں۔

یہ یس چائے۔ نفیسہ بیگم نے چائے اکرم صاحب کے آگے کی تو انہوں نے ٹی وی سے نظریں ہٹائے بغیر چائے پکڑ لی۔ وہ مڑنے لگی تھیں جب یک دم اکرم صاحب کو کچھ یاد آیا تو انہوں نے نفیسہ بیگم کو روکا۔

نفیسہ۔۔۔ وہ تمہیں پتہ ہے کہ ہمسائے میں نئے کرائے دار آئے ہیں؟ وہ سوالیہ انداز میں پوچھ رہے تھے۔

جی میری چھت پر ملاقات ہو تھی ان سے اچھی بچی ہے اپنے میاں اور بیٹی کے ساتھ شفٹ ہو چکے ہیں۔

پہلے۔ نفیسہ بیگم نے جواب دیا رانیہ انہیں واقعی اچھی لگی تھی۔

بس چھتو پر ہی ملنا بندہ گھر جاتا ہے کو حال احوال پوچھتا ہے پرتہ میں کہاں عقل ہما سے کے کیا حقوق ہوتے ہیں۔۔۔۔۔ خیر۔۔۔ وہ میرا دوست ہے نہ رازشدا کی بہن کے دیور کا بیٹا ہے انہیں گھر چاہیے تھا کرائے پر جب اس نے مجھ سے بات کی کہ وہ۔ لوگ کسی اچھی جگہ پر گھر دیکھ رہے ہیں تو میں نے انہیں اس گھر کا پتہ دیا رازشد نے توفورا ہاں کر دی۔ اس لڑکے نے بھی تسلی کر کے گھر لیا تھا تو تم جا کر ان سے ملنا اور رابطہ رکھنا اس نے خاص طور پر کہا تھا۔ مجھ سے کہ انکی خیر خبر رکھوں۔ کاروباری مصروفیت کی وجہ سے یاد ہی نہیں رہا وہ تو آج گلگی ملی ملاقات ہوگا اس لڑکے

خیال سے نہیں جا رہی تھی کہ اکرم صاحب برامان جائیں گے۔ پچھلے کرایہ داروں کے ہاں وہ چلی گئیں تھیں پر اکرم صاحب نے وہ تماشہ لگایا کہ الامان۔

تم اگر اب بھی نہ آتے نہ تو میں نے تم سے کبھی بات نہیں کرنی تھی۔ نیل مسکرا کر بولا تو طاش مسکرا دیا۔ اور کیا طاش بھاتنے دنوں سے میرا سر کھا رہے تھے کہ کہ آج آئے گا طاش۔۔ کل آئے گا تب آئے گا اور کل ہی کہہ رہے تھے طاش لندن چلا گیا ہے دوست سے زیادہ کاروبار اہم ہے اس کے لیے۔ اب میں نے اس سے کو بات نہیں کرنی۔ رانیہ طاش کو جائے پکڑاتی ہو بولی تو طاش ہنسنے لگا۔

بھابھی یہ بس باتیں کر سکتا ہے اس پر عمل نہیں اب دیکھئے نہ ہر بار اس نے مجھے پولیس کی دھمکی دی پر عمل نہیں کیا اس پر کبھی ورنہ میں بیچارہ کیا کر سکتا تھا اگر یہ مجھ پر کو مقدمہ کر دے۔ طالش معوصمیت سے بولا تو نیبل تھقہ لگا کر ہنس دیا۔ اچھا اب بس کروہ تو تمہارا لحاظ تھا ورنہ میں نے کر بھی دینا تھا تم پر یہ بتا کتنے دنوں کے لیے آئے ہو؟ نیبل نے پوچھا تو طالش نے فسوس سے سر ہلایا۔

یار نیل ویسے حد ہے آ جا آ جا کی رٹ لگا رکھی تھی تم نے اور اب جو آ گیا ہوں تو تم پوچھ رہے ہو کہ واپس کب جانا ہے۔
 بکواس نہ کر میں نے رکنے کا پوچھا ہے واپس جانے کا نہیں۔ نیل گھور کر بولا
 اب آیا ہوں تو کچھ دن رکوں گا بھی تین چار دن کا ہے پلین۔ طالش چائے پیتے ہو ابولا تو نیل نے سر ہلادیا۔
 پھر وہ اور طالش راہیہ کو اپنے کالج یونی لاف کے وہ قصے سنائے شروع کیے کہ ہنس ہنس کر رانیہ کے پیٹ میں درد ہو گیا۔

احمرین بیٹایہ میں نے پلا اور رس ملا ہنا ہے اسکو ڈش اور بال میں کرلو اور رانیہ کے گھر دے آ۔ احمرین جوٹی دی دیکھ رہی تھی چونکہ کراں کی طرف متوجہ ہو۔

میں۔۔۔ امی؟ احمرین نے حیرانگی سے پوچھا۔

ہاں تم میں چلی جاتی پر نادیدہ کے ساتھ اس کے سسرال بھی تو جانا ہے بھاکے بیٹے کی مبارک باد دینے لو آگیا تمہارا بھابھا بھی تیار بھی ہونا ہے میں نے۔ وہ جلدی جلدی سے بولی تو وہ کھڑی ہوگ۔

لیکن امی۔۔۔۔ ابو۔۔۔ وہ غصہ ہوں گے۔ احمرین نے یوں کہا جیسے نفیسہ بیگم اکرم صاحب کی عادت کو نہ جانتی ہوں۔ انہیں پسند نہیں تھا محلے میں یوں آنا حانا۔

تاریخ : ۱۳۰۲/۱۲/۲۵

کر اندر کمرے کی جانب بڑھ گ جبکہ وہ حیران سی کھڑی رہ گ۔ وقاص بھا آئے تو وہ چونکی۔

امی کدھر ہیں؟ اس نے احمرین سے پوچھا تو اس نے کمرے میں تیار ہونے کا بتا دیا۔

حد ہے دو گھنٹے سے کال کی تھی ابھی تک تیار نہیں ہو میں چیخ کر رہا ہوں امی سے کہو جلدی کر لیں۔ وقاص بول کر

اپنے روم کی طرف بڑھ گیا تو وہ بھی اپنی حیرانگی کو پس پشت ڈالتی ہو کچن میں چلی گ۔

جو بھی تھا اسے اس بات کی خوشی تھی کہ ابو کی طرف سے اجازت مل گ ورنہ وہ یہ سوچ کر ہی نہیں جاری تھی کہ ابو کے

غصہ کا پتہ نہیں تھا اس بات پر ہی غصہ نہ ہو جاتے کہ وہ ہمسایہ میں کیوں گ؟

وہ چالوں کو چیک کر کے روم میں واپس آ تو عمرین فون سے لگی ہو تھی۔

عمرین تم چلو گی رانیہ کے ہاں؟ احمرین مسکرا ہٹ دباتی ہو بولی۔

نہیں مجھے نہیں جانا میں امی کے ساتھ چلی جاں گی۔ آپ جاییں۔ عمرین نے آرام سے کہا تو احمرین حیران ہو۔

تمہیں پتہ تھا کہ امی نے جانا تھا رانیہ کے ہاں؟ اس نے حیرانگی سے پوچھا کیوں کہ اسے لگا تھا کہ عمرین بھی اسکی

طرح حیران ہو گی۔

جی امی نے بتا دیا تھا مجھے۔ عمرین نے بتایا تو اس کا سارا جذبہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔

اچھا تو تم نہیں چل رہی میرے ساتھ؟ اس نے بگھے لہجے میں پوچھا

نہیں گھر بھی تو رکنا ہے نہ کسی نے اور آپ بھی جلدی آ جانا پلیز موبیں کریں گے اتنے دنوں سے آپ پتہ نہیں

کیوں منہ بنا کر بیٹھی ہو تھیں۔ عمرین اسکو پچھلے دنوں کا حوالہ دیتے ہوئے بولی تو احمرین پھیکا سا مسکرا دی۔ اس نے

عمرین کے بارہا پوچھنے پر بھی نہیں بتایا تھا کہ وہ کیوں پریشان ہے۔ وہ تو شکر تھا نا یہ اگلے دن ہی اپنے میکے بھیجے کی

پیداش پر چلی گ اور اب پرسوں سے وہیں تھیں۔

امی بھا کے ساتھ چلی گ تو وہ بھی چیخ کر کے کھانا ڈش اور بال میں کیا اور عمرین کو دروازہ بند کرنے کا کہہ کر باہر نکل

گ۔ عمرین دروازہ میں کھڑی اسکو دیکھ رہی تھی۔ انکے گیٹ کے ساتھ ہی دوسرے گھر کا گیٹ تھا۔ دونوں گھروں

کی تعمیر ایک جیسی تھی۔ گیٹ بھی ایک جیسے تھے پر کلر چیخ تھا۔ شاید انہوں نے ہی چیخ کر لیا تھا۔

رانیہ لوگوں کا گیٹ کھلا ہوا تھا احمرین اندر چلی گ تو عمرین بھی گیٹ بند کر کے اندر چلی گ۔

احمرین گیٹ سے اندر گ تو ان کی صاف ستھرا سے حیران ہو۔ پہلے والے کرائے داروں نے تو حشر کر دیا تھا۔ وہ

تھا پر اسے متنبہ کر کے رانیہ سے پوچھا تھا وہ گھر پر ہی تھی اور اس نے تو فوراً آنیکا کہا تھا۔ وہ ابھی بیل بجانے ہی لگی تھی جب دروازہ کھلا۔

وہ فوراً مسکراتے ہوئے سیدھی ہو پر اگلا بندہ انجان تھا۔ سو فوراً مسکرا ہٹ سہٹی۔

اسلام علیکم! احمرین نے الجھن زدہ انداز میں سلام لی۔

وعلیکم سلام! آپ کون! اگلا بندہ بھی حیرانگی سے بولا۔

میں ساتھ والے گھر سے آہوں وہ۔۔۔ رانیہ سے ملنا ہے۔ احمرین نے بتایا تو اگلے بندے نے حیرانگی سے سر ہلایا اور پھر اس کے دایں طرف تھوڑا جھانک کر دیکھا اور پھر اپنی کلا میں پہنی گھڑی پر وقت دیکھا سو اتین کا وقت تھا۔ احمرین نے اسکو دیکھا جواب اسکو دیکھ رہا تھا گویا پوچھ رہا ہو

لبی لبی جولا کے مہنے میں دو پہر کے تین بجے کو نسا وقت ہے کہیں جانے کا وہ بھی کسی پڑوسی کے گھر۔ احمرین اسکی حرکت دیکھ چکی تھی۔ اسکے ماتھے پر تیوری چڑھی

جب آپ دیکھ چکے ہیں کہ باہر کتنی دھوپ اور گرمی ہے تو مجھے اندر آنے دیں گے مہربانی فرما کر کیونکہ میری رائیہ سے فون پر بات ہو چکی ہے اور ان کے کہنے پر ہی آ ہوں کیونکہ نہ وہ سو رہی ہیں اور نہ بڑی ہیں۔ احمرین سنجیدگی سیبوی تو اگلا بندہ اس کے انداز پر مسکرا ہٹ روکتا ہوا پھینچے ہٹا اور اسے اندر آنے کی جگہ دی۔

وہ دیکھے بنا اندر چلی گئی تو وہ بھی مسکراتا ہوا دروازہ بند کرتا اسکے پیچھے مڑ گیا۔

گاجری رنگ کے سادہ شلوار قمیض پر اس نے پرنیڈ دوپٹہ اوڑھ رکھا تھا۔ جو سر اور کانڈھوں کو اچھی طرح ڈھانپنے ہوئے تھا۔ کاریڈور سے گزر کر لانچ تھا جدھر وہ کھڑی ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ ڈش پکڑے اسکے ہاتھ تھک گئے تھے اسنے سینٹرل ٹیبل پر ڈش رکھی اور سیدھی ہو۔ دروازہ پر جوما تھا اسے تو وہ نہیں جانتی تھی کیونکہ ٹیبل بھاکی پک اسنے سیل میں دیکھی تھی رانیہ کے تو پھر یہ کون ہے۔ وہ سوچ رہی تھی جب گلہ کھنکھار کر اسکو متوجہ کیا گیا۔ اس نے چونک کر دیکھا تو وہ اس کے دایں طرف کھڑا ہوا تھا۔

میں رانیہ بھامی کو سمجھتا ہوں۔ آپ میٹیس پلیر۔ وہ شائستگی سے بولاتو ہکا سا مسکرا کر بیٹھ گ۔ وہ لانچ سے نکل گیا۔ سارا گھرانے اپنے گھر جیسا تھا بس سینک چلیں تھی۔

ارے احمرین تم آگ واقعی یار میں تو سمجھ رہی تھی تم مذاق کر رہی ہو۔ رانیہ کی آواز آ تو وہ چونکی۔ اور یک دم کھڑی ہو گ۔ رانیہ مسکرات ہوئے اسکے گلے لگی۔

کسریه به کلدیه تهنید می‌دهد و از راجه گایگایه می‌آید

بیٹھ مجھے تو اتنا اچھا لگا رہا ہے پتہ ہے تہارے منہ کو مذاق سمجھا تھا وہ تو اب جب طالش نے بتایا کہ باہر آپ سے کو لڑکی ملنے آئے تو تب مجھے یقین آیا۔ رانیہ اس کے سامنے بیٹھنے ہوئے بولی۔

طالش۔۔۔؟ احمرین نے پوچھا کیوں کہ اسے لگا کہ شاید وہ دیور ہوں رانیہ کے۔

طالش نیل کا بچپن کا فرینڈ ہے بیسٹ فرینڈ۔ پرسوں ہی رات کو آیا تھا میں نے اس دن بتایا تھا چھت پر تمہیں۔ رانیہ نے پرسوں رات کا حوالہ دیتے ہوئے کہا احمرین کا یاد آ یا رانیہ نے ذکر کیا تھا نیل بھا کے کسی دوست کا جس کا اس نے اتنا کوٹوٹس نہیں لیا تھا۔

یہ کیا لاہو تم؟ رانیہ کی نظر نیل پر پڑی تو اس نے پوچھا۔

یہ پلا اور رس ملا ہے امی نے بھیجی ہے آپ کے لیے وہ خود آتی لیکن بھابھی کے ہاں جانا تھا اسلیے نہیں آ سکی۔ احمرین نے مسکرا کر بتایا۔

ارے یا اس تکلف کی کیا ضرورت تھی تم ویسے ہی آجاتی اب سمجھی اس وجہ سے آنا پڑا تمہیں ورنہ کہاں آنا تھا تم نے۔ رانیہ ڈش سے کور ہٹاتے ہوئے شرارت سے بولی تو احمرین مسکرا دی۔

اچھا تم بیٹھو میں تمہارے لیے کچھ ٹھنڈا لاتی ہوں۔ رانیہ اٹھتے ہوئے بولی تو احمرین فوراً بولی۔

ارے رانیہ بیٹھے میں بس گھر جا کر کھانا کھاں گی اگر کچھ کھانی لیا تو بھوک مر جائے گی۔

ارے نہیں مرنی تم بیٹھو میں ابھی آتی ہوں۔ رانیہ اٹھ کر فوراً چلی گئی تو بھی سر جھٹک کر لانچ دیکھنے لگی۔

رانیہ نے کافی اچھی سینک کی ہوتھی ہر چیز ایک سے بڑھ کر ایک۔

طالش سیل پر بات کر رہا تھا جب اس نے لانچ کی ونڈو سے احمرین کو دیکھا۔ وہ اب میگزین پر جھکی ہوئی۔

محترمہ کافی کافیڈنٹ ہیں کیا نام تھا۔۔۔ احمرین۔۔۔ نام تو کافی اچھا ہے پر۔

طالش طالش۔۔۔ دوسری طرف فون سے اسکے نام کی پکار پڑی تو وہ چونکا۔

ہاں ہاں یا نیل لان پر ہی ہوں۔ وہ فوراً بولا

ارے نہیں وہ بس اچھا تم بتا کہاں آں میں؟ وہ اسکو ٹالتے ہوئے پوچھنے لگا کیوں کے دوسری طرف نیل نے اپنے ہی بکواس شروع کر دی تھی۔

اچھا اب زیادہ بکونہ میں آتا ہوں تھوڑی دیر تک۔ طالش نے ہنستے ہوئے فون بند کیا۔

جب طالش نے دروازہ کھولا تھا تو وہ لڑکی مسکرا رہی تھی لیکن اسکو دیکھتے ہی مسکراہٹ سمیٹ لی تھی۔ شاید وہ رانیہ کو

تم اس وقت کہاں گ ہو تھی؟ وہ جیسے ضبط کر کے بول رہا تھا۔

ایاز بھا۔۔ اس نے بھاپر زور دیا۔ میں اپنے ابو اور ماں دونوں کی اجازت سے گ تھی جہاں بھی گ تھی آپ کون ہوتے ہیں مجھ سے سوال کرنے والے؟ وہ اکی آنکھوں میں دیکھ کر بول رہی تھی۔

اوہ۔۔ ایسی کونسی جگہ ہے جہاں دو پہر کے ساڑھے تین بجے سے سوا چار بجے تک تم رہی ہو اپنے ماں باپ کی اجازت سے؟ ایاز استہاز یہ انداز میں بولا تو احرین نے خود کو بمشکل کچھ کہنے سے روکا اور ضبط سے بولی۔

ساتھ والے گھر گ تھی امی نے کھانا بنایا تھا وہ دینے گ تھی انکے ہاں ابو کے کو جانے والے ہیں۔ اسے پتہ تھا بتا دینا ہی ٹھیک رہے گا ورنہ جان بوجھ کر تماشہ بنانے کے تو یہ شوقین تھیں۔

اچھا۔۔ ایاز ڈھیل پڑا۔

اگر پہلے ہی بتا دیتی تو میں اتنا پریشان تو نا ہوتا نہ۔ ایاز اب مسکرا کر بولا تو احرین نے بیزاریت سے اسکو دیکھا اور باہر جانے لگی جب ایاز نے اسکا ہاتھ پکڑ کر روکا۔ اسنے حیرانگی سے مڑ کر دیکھا۔ اس نے شعلہ برساتی نظروں سے ایاز کی جانب دیکھا اور غصے سے بولی۔

ہاتھ چھوڑ میں میرا۔

اور اگر نہ چھوڑا تو؟ ایاز ایک قدم آگے بڑھ کر بولا۔

میں مقتدی محبت ہوں

سلسلہ وار ناول :- پہلی قسط

لبہ حفیظ

کب آ رہے ہوں۔۔۔؟؟"

کارلس نے پاپ کارن منہ میں بھرتے ہوئے ڈیوڈ سے پوچھا۔

پتہ نہیں۔۔ ابھی سوچا نہیں۔۔"

اسنے لاپرواہی سے کہا۔

جین فکر مند ہے تمہارے لیے۔ اسلیے بتانے میں کوئی حرج نہیں کہ کب تک لوٹو گے۔۔"

اوہ ڈیڈمی کو بتا دیں کہ میں اب یہی نہیں رہا۔۔ وہ پریشان ہونا چھوڑ دیں۔۔"

اسکا موڈ خراب ہوا۔۔

یہ بات وہ نہیں سمجھتی۔۔"



وہ بیزار ہوا۔

چلو ٹھیک ہے۔ ٹوکیو انجوائیرو۔ اپنا خیال رکھنا۔"

اوکے ڈیڈ۔ گڈ نائٹ۔"

اسنے ویڈیو کال کاٹ دی۔۔ اسے آگے کا پلان بنانا تھا۔

دادو آپ بابا کو منع کر دیں۔"

وہ منہ بنائے بیٹھی تھی

کیسے منع کر دوں۔ وہ ٹکٹ بھیج چکا پتہ ہماری۔"

صبیحہ نیگم نے سمجھانے کی کوشش کی۔۔

"میں دس سال سے انکو ملی تک نہیں۔۔ میں کیسے رہو گی انکے پاس۔۔ اور ویسے بھی میں آپکو چھوڑ کر نہیں جانے

والی۔"

وہ رونے والی ہو گئی۔

"دیکھو میری بوڑھی ہڈیوں میں اتنا دم نہیں رہا کہ اب مزید تمہارا خیال رکھ سکوں۔ اب تمہارا اپنے بابا کے ساتھ رہنا

ہی بہتر ہے۔"

دادو پلیز زرزنا۔۔ میں آپکو کبھی تنگ نہیں کرونگی۔ نہ ہی ضد کرونگی۔۔ پلیز پلیز پلیز۔۔"

اسنے پلیز کو لمبا کیا۔۔ وہ انہیں مکھن لگا رہی تھی۔

تم مجھے اب بھی تنگ کر رہی ہو۔۔ جا جا کر پیکنگ شروع کرو۔"

انہوں نے جھنجھلا کر کہا۔

میں کیسے جاگی اتنا لمبا سفر اکیلے کیسے کرونگی۔۔"

اسنے انکی بات نظر انداز کی۔

"تم اب بچی نہیں ہو۔ تم نے کونسا اونٹوں پہ سفر کرنا ہے۔ یہاں سے بیٹھنا استنبول اترا نا ہے۔ وہاں سے وہ تمہیں لے لیگا۔"

دادو کے پاس ہر مسئلے کا حل تھا۔ نتیجہ وہ منہ بسورتی ہوئی اٹھ گئے۔۔ ترکی جانے کا اسکا راز ابھی موڈ نہیں تھا۔ اور وہ بھی

ہمیشہ کے لیے۔ نمرہ احمد کے ناول پڑھ پڑھ کر چاہے اسے ترکی پسند تھا لیکن ہمیشہ کے لیے وہاں جانا قبول نہیں تھا۔

اب مجھے نہیں سمجھتا کہ کیسے اسے اتنا تنگ کر دیا۔۔ اب اسے کچھ بھیج کر اسے لے کر آئے۔۔

تم نے ایک ہفتے کا کہا تھا اور تمہیں دو ہفتے ہو چکے ہیں۔"۔

جین نے غصے سے کہا۔۔

اودہ مام ٹو کیو ہے ہی اتنی خوبصورت۔۔ یہاں سے واپس آنے کا دل نہیں کر رہا۔"۔

ڈیوڈ نے مزے سے کہا۔۔

مجھے تو سمجھ نہیں آ رہا یہ تمہاری کس قسم کی کمپنی ہے جس نے اتنا آزاد چھوڑا ہوا تمہیں۔"۔

انکے ایمپلائے نے انکو اتنی اچھی ڈیل کر کے دے رہی ہے تو وہ اتنی آزادی تو دے ہی دیں گے۔"۔

ڈیوڈ نے کالر اچکائے۔۔

ویسے آپ پریشان نہ ہوں میں کل کمپنی کو بولتا ہوں واپسی کی فلائٹ کا۔"۔

وہ جین کا چہرہ دیکھ کر بولا۔

تھینک گاڈ۔ ہمیں تمہارا انتظار رہیگا۔ تمہارا ڈنر ہمارے ساتھ کرنا۔"

جین کھل اٹھی۔

کوشش کرونگا ابھی پتہ نہیں ہے کمپنی کوئی فلائٹ دیتی۔"۔

ڈیوڈ نے بات ختم کرتے ہوئے کہا۔۔ وہ اب رسمی باتیں کر رہے تھے۔۔ وہ جانتا تھا جین اس سے بہت محبت کرتی

ہے۔۔ اسلئے وہ اب تک اسکی بات مانتا تھا۔۔ ورنہ اسکی سوسائٹی میں بھی والدین سے کبھی کبھار ہی ملاقات ہوتی

تھی۔۔ اسکے علاوہ جین اور کارلس دونوں کا تعلق ایسی جرمن فیملیز سے تھا جن میں جرمن روایات کو برقرار رکھنے کی

وجہ سے خاندانوں کا احترام باقی تھا۔۔ اسلئے وہ ناچاہتے ہوئے بھی واپس آ رہا تھا۔۔

۔ پتہ نہیں اور کتنی دیر ہے۔؟؟

اس نے گھڑی دیکھی۔۔ اسکا جہاز لاہور رکا ہوا تھا۔۔ وہاں آدھا گھنٹہ سٹے تھا۔۔ شاف فلائٹ ہونے کی وجہ

سے انہیں لائنج میں جانے کا نہیں کہا گیا تھا۔۔ اسکی اگلی منزل استنبول تھی۔ اسے جین کی وجہ سے اس فلائٹ سے آنا

پڑ رہا تھا ورنہ برلن ڈائریکٹ فلائٹ کے لیے اسے رکنا پڑتا۔۔

اسنے ادھر ادھر دیکھا۔ کافی سیٹوں پر لوگ آچکے تھے۔۔ اسکے ساتھ والی سیٹ ابھی تک خالی تھی۔۔ اسنے سکون کا

سانس لیا۔ اسے زیادہ باتیں کرنے والوں سے الجھن ہوتی تھی۔۔ وہ اٹھ کر باتھ روم چلا گیا۔۔ واپس آیا تو اسکے

ساتھ والی سیٹ پر کوئی آچکا تھا۔۔ اسکا موڈ خراب ہوا۔۔ وہ بیٹھا تو اسکی ساتھ والی سیٹ پر بیٹھے وجود نے اسے

گ

۔۔ اسکو افسوس ہوا۔۔ بچاری کیسے کالے کپڑے میں بند ہے۔۔ اسی لیے رو رہی ہوگی۔۔ وہ اسے غور سے دیکھتے ہوئے اندازے لگا رہا تھا۔ وہ مسلمانوں کے بارے میں زیادہ نہیں جانتا تھا اور کسی عباے والی لڑکی کو اتنے قریب سے دیکھنا اسکا پہلا تجربہ تھا۔۔

پتہ نہیں کون ہوگی۔؟ اسطرح کہاں جا رہی ہوگی۔۔ القاعدہ، طالبان اور داعش سب اسکے ذہن میں گھوم گئے۔۔ وہ پریشان بھی ہو رہا تھا اور متبسس بھی۔۔۔

قسمت ہی خراب ہے ایک تو پہلے ہی دادو نے زبردستی بھیج دیا اب دیکھو سیٹ کس کے ساتھ ملی۔۔ اسکے رونے میں اضافہ ہو گیا۔۔ وہ سمٹ کر بیٹھی ہوئی تھی۔۔

اللہ میاں جلدی سے استنبول آ جائے اور میں یہاں سے اٹھ جاؤں۔۔ وہ بے حد ان کمفرٹیل تھی۔۔ جہاز پرواز کر رہا تھا۔۔ وہ دونوں اپنی اپنی سوچوں میں گم تھے۔ اس نے ایک دفعہ کے بعد دوبارہ مڑ کر نہیں دیکھا تھا۔ ایک ہی پوزیشن میں بیٹھے بیٹھے اکڑ رہی تھی۔۔ رخ موڑے موڑے اسکی گردن درد کرنے لگ گئی تھی۔۔

اچانک جہاز کو ایک جھٹکا لگا۔ جہاز لرز کر رہ گیا۔ اسکی چیخ نکل گئی۔۔ مسافروں میں سراسیمگی پھیل گئی۔۔ سب ٹھیک ہے۔۔ سب ٹھیک ہے۔۔ آپ لوگ اپنی سیٹوں پہ بیٹھے رہیں اور سیٹ بیلٹ باندھ لیں۔۔ "ازر ہو سٹس نے انکو تسلی دی۔ اس نے گردن موڑ کر دیکھا وہ لڑکا اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ آپ ٹھیک تو ہیں۔۔؟؟؟"

وہ اسے اپنی طرف دیکھتا پا کر بولا۔۔ ہممممم
وہ ہنکارا بھر کر رخ موڑ گئی۔ ڈیوڈ کا دل کیا وہ اس سے بات کرتی یا کم از کم اسکی طرف دیکھ ہی لیتی۔۔ وہ اسے خطرناک نہیں لگتی تھی۔ اسکی صرف آنکھیں ظاہر تھیں۔۔ آواز سے لگتا تھا وہ زیادہ بڑی عمر کی نہیں ہے۔ وہ ابھی اسی سوچ میں گم تھا کہ جہاز کو ایک اور جھٹکا لگا۔

اسکے بعد ایک اور۔۔۔ مسافروں کی چیخیں نکل گئیں اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ۔۔ ڈیوڈ نے آواز سن کر جیرانی سے اپنے ساتھ بیٹھے وجود کو دیکھا۔ وہ خود بھی گھبرا یا ہوا تھا۔ جہاز ڈول رہا تھا۔۔ جیسے جیسے جھٹکے تیز ہوتے اسکے پڑھنے میں تیزی آ جاتی۔۔ انکے سامنے سکریئر پر پیراشوٹ اور لائف جیکٹ کے

اچانک اٹکا جہاز سیدھا زمین کی طرف ہو گیا۔ ڈیوڈ نے آنکھیں بند کر لیں۔ انہوں نے سیٹ بیلٹ نا باندھی ہوئی تو وہ سیٹوں سے اڑ چکے ہوتے۔ جہاز تیزی سے نیچے جا رہا تھا مسافروں کی چیخ و پکار اوجھی ہو گئی تھی۔۔ ایک جھٹکے سے جہاز سیدھا ہو گیا۔۔

کتنی ہی دیروہ اپنے آپ کو یقین ہی فی دلا۔ اس کا کہ وہ زندہ ہے۔۔ تھری دیر بعد اس نے آنکھیں کھولیں تو وہ لڑکی اسی کی طرف دیکھ رہی تھی۔۔ اس نے اس کے کوٹ کا کلف مٹھی میں بھنچا ہوا تھا۔۔ وہ ابھی تک سخت ڈری ہوئی تھی۔۔ شاید اسے خیال نہیں رہا تھا کہ اس نے اس کا بازو پکڑا ہوا ہے۔۔

یہ۔ یہ کیا ہوا تھا۔۔؟؟؟"

وہ اردو میں بولی۔

واٹ۔'''

ڈیوڈ نے نا سمجھی سے اسے دیکھا۔ وہ دوبارہ رونے لگ گئی تھی۔۔

یہ کیا ہوا تھا۔"

۔ وہ کانپتی ہوئی آواز میں بولی۔۔

جھٹکا پھر گا۔ وہ سہم گئی۔۔

میں خود نہیں جانتا۔۔"

وہ بھی خوفزدہ تھا۔۔۔ جہاز کی ایک طرف سے عجیب سی آوازیں آنے لگ گئی تھیں۔۔۔ جیسے کوئی مشینری خراب ہو گئی ہو۔ مسافروں میں خوف و ہراس پھیلا ہوا تھا۔۔۔ بچے اور خواتین نے رونما شروع کر دیا تھا۔۔۔

معزز مسافرین۔۔۔"

پائلٹ کی آواز گونجی۔۔ جہاز میں خاموشی چھا گئی۔

"جہاز کے انجن سے پرندہ ٹکرانے کے باعث ہمارا ایک انجن کام کرنا چھوڑ چکا ہے۔۔ اور ریڈار سے رابطہ منقطع ہو جانے کی وجہ سے ہم اپنی ڈائریکشن کھو بیٹھے ہیں۔۔ پرسکون رہیں۔۔ مسئلے پر جلد ہی حل پا کر جہاز کو لینڈ کیا جائے گا۔۔ شکریہ۔۔"

مسافروں کی دعاں میں شدت آ گئی۔ وہ دونوں ہاتھ باندھے دعا کرنے لگا۔ اسے ابھی مرنا نہیں تھا۔۔ اس کے ساتھ بیٹھا وجود مسلسل وہی الفاظ دہرانے میں مشغول تھا۔ خوف سے سب کے خون خشک ہو چکے تھے۔ کوئی مسافر بیہوش ہو

گفت: ستمگر است از بدگفتی. کائنات را که خداوند

اپنی سیٹوں پر بیٹھ رہیے۔ شکریہ۔۔

پائلٹ کا اعلان ختم ہو گیا۔ مسافروں میں اضطراب کم ہوا لیکن خطرہ ابھی بھی تھا۔۔ کوئی نہیں جانتا تھا وہ باکوائئر پورٹ تک بھی پہنچ سکیں گے یا نہیں؟

اب کیا ہوگا۔۔

وہ خود کلامی کر رہی تھی۔ جہاز میں افراطی پھیلی ہوئی تھی۔ جہاز اب لینڈ کر رہا تھا۔ رن وے پر اترتے ہی اسکے ٹائرز روڑے زمین سے ٹکرائے۔۔ اور جہاز دوبارہ ہوا میں بلند ہو گیا۔ ایک بار پھر چیخیں بلند ہو گئیں۔۔ سیٹ بیلٹ باندھے ہونے کے باوجود وہ سب اچھل پڑے تھے کیا آپ کو باکوائئر پورٹ ہے۔۔؟؟

ڈیوڈ نے اس سے پوچھا۔۔ وہ نفی میں سر ہلائی۔۔ خوف سے اسکی آواز نہیں نکل رہی تھی۔۔ جہاز ابھی لرز رہا تھا۔۔ جہاز دوبارہ رن وے پر ٹکرایا اور گھسیٹنے لگا۔ اسکا ایک پریزمین کو چھو رہا تھا۔ اس نے آنکھیں بند کر کے کلمہ پڑھنا شروع کر دیا۔ اسکے ہاتھ میں جو آیا وہ اسے پکڑ کر سر جھکا گئی۔ لاشعوری طور پر اس نے چھپنے کی کوشش کی تھی۔ اسکے ذہن میں ہر شے گھوم گیا۔۔ جھکو دیکھنے کی امید ختم ہو گئی تھی۔ جہاز دور تک گھسنا چلا گیا تھا۔ مسافروں کی چیخیں اب پھٹی پھٹی ہو گئیں تھیں۔۔ خوف سے انکے سانس تک رک گئے تھے۔۔ پائلٹ نے بمشکل جہاز روکا۔۔ کبھی ہی دیر سب اپنی جگہ ساکت رہے۔۔ خوف نے انہیں منجمد کر دیا تھا۔ کسی کو بچ جانے کا یقین ہی نہیں ہو رہا تھا۔ تھوڑی دیر میں انکے حواس بحال ہوئے جہاز کا انجن آگ پکڑ چکا تھا۔ فائربریڈری کی گاڑیوں نے جہاز کو گھیر لیا تھا۔

اسنے سر اٹھا کر دیکھا وہ اپنے ساتھ بیٹھے لڑکے کا بازو پکڑے ہوئے تھی۔ وہ بھی جھکا ہوا تھا۔ اس نے جھینپ کر بازو چھوڑ دیا۔۔ اسے سخت گھبراہٹ ہو رہی تھی۔

آپ ٹھیک تو ہیں۔؟؟

ڈیوڈ نے دوبارہ پوچھا۔۔

جی اور آپ۔۔؟؟

اس نے مرو تا پوچھا لیور نہ اسکا بازو پکڑنے پر اسے اچھی خاصی شرمندگی ہو رہی تھی۔۔ میں بھی ٹھیک ہوں۔

وہ مسکرایا۔ اسے حیرانی ہو رہی تھی کہ اتنی افراطی میں سب کی طرح اسکا حلیہ خراب ہو گیا تھا لیکن اسکا چہرہ نظر نہیں

رہے تھے۔ دس منٹ میں وہ سب پسینے میں بھگ چکے تھے۔۔ وہ سوچ رہا تھا اسکت ساتھ بیٹھی لڑکی سانس کیسے لے رہی ہوگی۔۔ وہ مسلسل لا الہ کا ورد کر رہی تھی۔۔ الفاظ اجنبی تھے لیکن ان سے ڈپریشن کم ہو رہی تھی۔۔

اُڑبو سٹس انکو پانی کی بوتلیں دے گئی تھی۔۔ ڈیوڈ نے اپنے سر پر پانی ڈالا۔۔ گرمی سے برا حال تھا۔ وہ پینے لگا جب اسکی نظر پڑی وہ لڑکی اسی کی طرف دیکھ رہی تھی۔۔ پانی کم پڑ رہا تھا اسلئے ان دونوں کو ایک ہی بوتل ملی تھی۔۔

اوہ سوری۔۔ آپ پانی پینا چاہیں گی۔۔؟؟؟

وہ اثبات میں سر ہلا گئی۔ ڈیوڈ نے پانی اسکی طرف بڑھا دیا۔ وہ دوسری طرف منہ کر کے پینے لگ گئی۔ ڈیوڈ آدھی بوتل خالی کر چکا تھا۔ اسکے باوجود اس لڑکی نے تھوڑا سا پانی پی کر باقی اسکی طرف بڑھا دیا تھا۔ وہ دیکھ چکی تھی کہ اسنے ابھی پانی نہیں پیا تھا۔ ڈیوڈ کو اسکی معصوم سی قربانی اچھی لگی تھی۔ وہ خطرناک نہیں تھی۔

آدھے گھنٹے بعد انہیں اترنے کی اجازت مل گئی تھی۔ وہ کھڑی ہوئی تو اسکی ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔ لرزتے قدموں سے وہ جہاز سے اتری۔ آگ سے دروازے جام ہو گئے تھے۔ انہیں کاک پیٹ کے دروازے سے اتارا گیا تھا۔ وہ لانچ میں آئی اسنے کوئی پاکستانی فیملی ڈھونڈنے کی کوشش کی۔ خوف اور گھبراہٹ میں اسے کوئی نظر بھی نہیں آئی۔ وہ وہیں بیٹھ کر رونے لگی۔ اچھی طرح رویلینے کے بعد اسے خود کو سنبھالا وہ اب اتنی کمزور بھی نہیں تھی۔ اسنے ادھر ادھر دیکھا اسے وہ جہاز والا لڑکا نظر آیا وہ فون پر بات کر رہا تھا۔ وہ اسکی طرف بڑھی کہ اسے ایک عورت نظر آئی۔ چلیے وہ وہ پاکستانی گستی تھی۔ اسکے ہاتھ میں موبائل دیکھ کر اسے حوصلہ ہوا۔

السلام عليكم

اس نے سلام کیا۔ جو اباسر ہلا دیا گیا۔۔

آئی کیو آپ ایک منٹ کے لیے اپنا موبائل دے سکتی ہیں؟؟ کیوں؟

-- بے رخی سے جواب ملا

وہ میں اپنے گھر اطلاع کرنا چاہتی تھی۔۔

اسنے جھجکتے ہوئے کہا۔۔

میری سم نہیں چل رہی۔۔

بھاڑ کھانے والے انداز میں جواب ملا۔۔ وہ کڑھتی ہوئی واپس اپنی جگہ پر آ گئی۔۔ اسے یریشانی ہو رہی تھی۔۔

اسکے پاس باکو کی کرنسی بھی نہیں تھی ورنہ فون بوتھ سے کال کر لیتی۔۔

کے لئے، مگر کیا کہہ سکتا ہوں؟

لیکن اس وقت اسے واقعی ضرورت تھی۔۔

یہ لیس کال کر لیں۔۔

اسکوش وینچ میں مبتلا دیکھ کر ڈیوڈ نے فون آگے بڑھایا۔

تھینک یو۔۔

اس نے تشکر سے اسے دیکھتے ہوئے موبائل پکڑ لیا۔

کیا آپ بتا سکتے ہیں ہمیں کتنی دیر رکنا ہے یہاں۔۔؟؟

ڈیوڈ خوشی سے جھوم اٹھا وہ کب سے اس انتظار میں تھا کہ وہ لڑکی اس سے کوئی بات کر لے۔

جی۔ ہمارا جہاز کافی ڈیج ہوا ہے۔۔ اسلئے کمپنی کسی دوسری فلائٹ کا انتظام کرے گی۔۔

اس میں کتنا تاخیر لگے گا۔۔؟؟

شاید اڑتا لیس گھنٹے۔۔

کیا۔۔؟؟

وہ مارے گھبراہٹ کے کھڑی ہو گئی۔ اسکی پریشانی میں اضافہ ہو گیا تھا۔

مطلب کہ 2 دن۔۔

جی میں نے پتہ کیا ہے تھوڑی دیر میں ہمیں ہٹل بھیج دیا جائے گا۔

ڈیوڈ نے تفصیل بتائی۔

تو خرچ وغیرہ۔۔

وہ کمپنی برداشت کرے گی۔۔

وہ دھم سے بیٹھ گئی۔۔ دودن انجان ملک میں تنہا رہنے کا خیال ہی سوبان روح تھا۔۔ وہ اسکے پاس ہی بیٹھ گیا۔

آپ فون کر لیں۔

۔ ڈیوڈ نے کہا تو وہ خالی نظروں سے اسے تنگے لگی۔۔

میڈم۔۔ یہ۔۔ لیس۔۔

۔ وہ چونکی۔۔

فون نہیں کرینگے آپ؟

نماز پڑھ کر اسے سکون ہوا۔ اس کے حواس بحال ہوئے ورنہ موت کے اتنے قریب سے گزرنے کے بعد اس پر مسلسل کپکپی طاری تھی۔ نماز پڑھ کر اس نے کھڑکیاں کھول کر دیکھا۔ وہ حیاتِ ربّانی میں کھڑی تھی۔ سامنے کیپٹن سی (بجیر فزین) (ہلکورے لے رہا تھا۔) باکو کے باشندے اپنے اپنے کاموں میں مگن تھے۔ اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ اسے کبھی اس طرح اکیلے کسی شہر میں رہنا پڑے گا۔ وہ تھوڑا خوش ہو گئی۔ اسے ایڈونچر پسند تھے۔۔

وہ کافی دیر کھڑکی کھول کر کھڑی رہی۔ پھر تھک کر بیڈ پر آ لیٹی۔ آج کا دن خوف اور تھکاوٹ سے بھرپور تھا۔۔

ڈاؤڈ۔۔ داڈ۔۔ اشک۔۔

ڈیوڈ نے اشک کے لہجے میں اپنا نام بولنے کی کوشش کی۔ اسے وہ نام اچھا لگا تھا۔ اور وہ بے چہرہ لڑکی بھی۔ ڈری ڈری سی۔ وہ مسلم تھی لیکن اتنی بھی ڈرانی نہیں تھی۔ اس میں کشش تھی۔ اس سے وحشت نہیں ہوتی تھی۔۔

اور اسکی آنکھیں۔۔ سیاہ رات جیسی۔۔ پانیوں سے بھری ہوئی۔ میک اپ اور مصنوعی پلکوں سے پاک۔۔ بہت خوبصورت تھیں۔ عجیب بات تھی کہ اتنے ہنگامے میں بھی اس کا چہرہ نظر نہیں آیا تھا۔ وہ اسکے بارے میں سوچتا سوچتا نہ جانے کب سو گیا۔۔

اشک کی آنکھ صبح انٹرکام کی بیل سے کھلی۔۔ ہٹل والے ناشتے کے لیے بلارہے تھے۔ اس نے اٹھ کر دیکھا تو باکو کا دن چڑھ چکا تھا۔ اسے انفس ہوا اسکی فجر کی نماز رہ گئی تھی۔ وہ نماز قضا کر کے نیچے اتری تو نروس ہو گئی۔ عبائے والی وہ وہاں اکیلی تھی۔ خود کو مضبوط کرتے ہوئے وہ کانٹر پر آ گئی۔ وہ ٹرے لیکر مڑی تو تقریباً ساری میزیں بھر چکی تھیں۔ اسکو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہاں بیٹھے۔ وہ آگے بڑھی تو اسے ڈیوڈ نظر آیا۔ اسکے ساتھ کوئی بیٹھا تھا جو اٹھ کر جا ہی رہا تھا۔ اسکے سامنے والی ٹیبل پر لڑکیوں کا گروپ بیٹھا تھا ان کے ساتھ ایک کرسی خالی تھی۔۔ آئیں اشک۔۔

وہ اسے دیکھ کے کھل اٹھا۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اسکی طرف بڑھ گئی۔

میں سمجھا آپ نہیں آئیں گی۔۔

وہ خوشی سے بولا۔ اشک نے حیرت سے دیکھا۔ وہ کیوں اس سے اتنا فری ہو رہا تھا۔۔

اچھا۔

وہ مختصر جواب دیکر کھانے میں مگن ہو گئی۔۔ وہ اسے دیکھنے لگا۔۔ وہ آرام سے ناشتہ کر رہی تھی۔۔ وہ حیرانی سے اسے نکتا رہا۔۔ اشک نے نظریں اٹھا کر دیکھا۔۔ اسے الجھن ہو رہی تھی۔۔

اوہ سوری۔

وہ اسے اپنی طرف دیکھتا پا کر گڑبڑا گیا۔۔

وہ میں دیکھ رہا تھا کہ آپ کھا کیسے رہی ہیں۔۔؟؟

کیوں؟؟

اشک نے حیرت سے اسے دیکھا۔۔

وہ مجھے سمجھ نہیں آ رہا آپ کا منہ کہاں ہے اور نوالہ جا کہاں رہا ہے۔۔

ڈیوڈ نے پریشانی سے کہا۔۔ اشک کی ہنسی چھوٹ گئی۔۔

ہا ہا ہا۔۔ آپ واقعی یہ سوچ رہے۔۔؟؟

ڈیوڈ نے ہونٹوں کی طرح سر ہلا دیا۔۔

میرا منہ اس نقاب کے پیچھے ہے اور نوالہ بھی اسی میں جا رہا۔۔

وہ ہنستے ہوئے بولی۔۔

آپ یہ کیوں پہنتی ہیں۔۔؟؟

کیونکہ یہ میرے اللہ کا حکم ہے۔۔

کس کا حکم۔۔؟؟

اللہ کا۔۔

اللہ۔۔!!

ڈیوڈ نے دہرایا۔۔ اسے وہ مختلف سا لگا۔۔

کیوں حکم ہے۔۔؟؟

محبت کرنے والے کیوں نہیں پوچھتے بس اطاعت کرتے ہیں۔۔

لیکن اسکی کوئی لاجک ہونی چاہیے۔۔

مطربہ نہند

اشک نے لانچ سے باہر نظر آنے والی ریت کی طرف اشارہ کیا۔ ڈیوڈ نے اثبات میں سر ہلایا۔

اگر یہ بریڈ اسمیں گرجائے اور ساتھ میں یہ بھی۔۔

اشک نے پلاسٹک ریپ کی ہوئی بریڈ کی طرف اشارہ کیا۔

تو آپ کوئی اٹھا کر کھا بیگئے۔؟؟

آف کورس ریپ والی۔۔

ڈیوڈ نے قطعیت سے کہا۔۔

تو بس یہ بھی ریپ ہے دنیا کی گندگی سے بچنے کے لیے۔۔

وہ آخری لقمہ کھا چکی تھی۔ ڈیوڈ گہری نظروں سے ریپ والی بریڈ کو دیکھ رہا تھا۔

اوکے میں چلتی ہوں

وہ ٹشو سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے بولی۔۔

آپ کافی نہیں پیتی؟؟

وہ چونک کر بولا

نہیں میں چائے پیتی ہوں۔۔

تو وہ پی کر جانیگا میں لاتا ہوں۔۔

وہ اٹھتا ہوا بولا۔۔ وہ اسے کچھ دیر اور روکنا چاہتا تھا۔۔

نہیں میں خود۔۔

اشک نے کہنا چاہا۔۔ لیکن وہ اٹھ کر چلا گیا تھا۔ آخر یہ لڑکا اتنی مہربانیاں کیوں کر رہا مجھ پر

کاش یہ مسلمان ہو جائے۔ اتنا اچھا بندہ جھنم میں جائے گا بغیر ہدایت کی وجہ سے۔۔ اسنے کانٹر پر کھڑے ڈیوڈ کی

پشت کی طرف دیکھتے ہوئے سوچا۔۔۔

وہ چائے لیکر آیا تو وہ بحیرہ کیپٹن دیکھنے میں مگن تھی۔۔

سمندر درپسند ہے آپکو۔؟؟

وہ اسکی نظروں کا تعاقب کرتے ہوئے بولا۔۔

ہاں بہت۔۔

اسنے فوراً فرکی۔۔

نہیں میں نہیں جاسکتی۔۔

اشک نے قطعیت سے کہا۔۔

پلیز اشک۔۔

نہیں سوری۔۔

او کے جیسے آپ کی مرضی۔۔

وہ مایوس ہوا۔۔ اشک خاموشی سے چائے پینے لگی۔۔

ویسے آپ ترکی کیوں جارہی ہیں۔۔؟؟

وہ اسکے پاس خاموش نہیں بیٹھنا چاہتا تھا۔۔

میں اپنے ڈیڈ کے پاس جارہی ہوں۔۔

آپ ترکش ہیں؟

نہیں مام ترکش تھیں۔۔ ڈیڈ پاکستانی۔۔

وہ چائے ختم کر چکی تھی۔۔

آپ کا نام کس نے رکھا؟؟

وہ اٹھی تو وہ اسکے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا۔۔

مام نے۔۔

کیا مطلب ہے اسکا۔۔؟؟

اسکے دو مطلب ہیں

وہ لفٹ میں داخل ہوتے ہوئے بولی۔۔ وہ بھی ساتھ ہی داخل ہو گیا۔۔

اور وہ کیا۔۔؟؟

پاکستانی مطلب ہے آنسو اور ترکش مطلب ہے روشنی۔۔

وادونوں ہی بہت خوبصورت ہیں۔۔

لفٹ رک گئی تو وہ دونوں باہر نکل آئے۔۔ اشک کا کمرہ پہلے آ گیا تو اسنے سکون کا سانس لیا۔۔

اوپر کے اپنا خیال رکھئے گا۔

اسے پچھتاوا ہو رہا تھا کہ ہوٹل والوں نے اتنے قریب کمرے کیوں بنائے ہوئے تھے۔ وہ اندر چلی گئی تو وہ بھی اپنے کمرے میں آ گیا۔ اسکی باتیں بالکل نئی تھی اسکے لیے۔ اسے اسکے ساتھ وقت گزارنا بہت اچھا لگ رہا تھا۔
کاش تھوڑا وقت اور مل جاتا اسکے ساتھ۔۔

اسنے حسرت سے سوچا۔۔۔۔۔

وہ اپنے کمرے میں آ گئی۔ اسکو ڈیوڈ کے رویے کی سمجھ نہیں آرہی تھی۔ وہ پتہ نہیں کیوں اس سے اتنا فری ہو رہا تھا۔ ویسے وہ اچھا تھا ڈیسنٹ سا۔۔

اسنے اپنا عبا یا دھوکر پھیلا دیا۔ دو پہر تک وہ کمرے میں بند بند پوریت سے پاگل ہونے والی ہو گئی تھی۔۔
بھلا میں اسکی بات مان ہی لیتی۔۔ دو دن میں تو میں پاگل ہو جاؤں گی یہاں۔۔

اس نے یاسیت سے سوچا۔

وہ ظہر کی نماز پڑھ کر فارغ ہوئی تو دروازے پر دستک ہوئی۔ وہ خوفزدہ ہو گئی۔ اسنے ڈرتے ڈرتے ہول سے دیکھا۔ ڈیوڈ کھڑا تھا۔ اسنے دروازہ کھول دیا۔ اسنے چادر سے خود کو ڈھکا ہوا تھا۔۔

وہ میں بیچ پر جا رہا تھا۔۔ ہوٹل سے اور لوگ بھی جا رہے ہیں۔ آپ چلنا چاہیں گی پلیز۔۔
وہ ایک اور کوشش کرنے آیا تھا۔ گاڈ یہ مان جائے۔ وہ دل ہی دل میں دعائیں مانگتا ہوا جواب کا انتظار کر رہا تھا۔ اشک سوچ میں پڑ گئی۔۔

دیکھیں آپ کو یہ موقع زندگی میں شاید دوبارہ نالے۔۔ پلیز آ جائیں۔۔

وہ اسے شش و پنج میں مبتلا دیکھ کر بولا۔۔

اچھا میں آتی ہوں۔۔ 2 منٹ۔۔

ڈیوڈ کا دل کیا خوشی سے اچھل پڑے۔۔

ٹیک یور ٹائم۔۔ میں نیچے لانچ میں انتظار کر لیتا ہوں۔۔

وہ مڑتے ہوئے بولا۔۔

کیا کروں جاں یا نہ جاں۔۔

بھ بھ کٹکٹ میں سے تھوڑا سا جھلکا ہوا تھا۔۔

آگئی۔ ڈیوڈ اسی کے انتظار میں تھا وہ کھل اٹھا۔ ہٹل سے بیچ تک کا سفر انہوں نے کیب میں کیا۔۔ باکو میں کیب عام تھی۔۔ وہ لوگ ساحل پر پہنچے تو ہوا میں خنکی ہونے کی وجہ سے ساحل سن باتھ لینے والوں سے پاک تھا۔۔
 بحیرہ کیسپین پر سکون تھا۔۔ اسکانیگوں شفاف پانی دھوپ میں چمک رہا تھا۔۔ سطح پرکے بڑے بڑے جہاز کھڑے نظر آ رہے تھے۔۔ ورکنگ ڈے ہونے کی وجہ سے ساحل پر کم ہی لوگ تھے۔۔ وایا۔۔

اشک نے مہوت ہو کر کہا۔۔ وہ بچوں کی طرح پانی کی طرف بھاگی۔۔ ڈیوڈ اسکا انداز دیکھ کر ہنس پڑا۔۔ دادہ ہوتیں تو ضرور کہتیں کہ یہ لڑکی کبھی بڑی نہیں ہوگی۔۔ اسنے جوتے اتار دیے وہ پانی میں پاں مار رہی تھی۔۔
 تمہیں دیکھ کر لگتا نہیں کہ اتنی چلنگ ہو سکتی ہو۔

وہ گھٹنوں تک پانی میں کھڑا ہو کر بولا۔۔ کیوں؟؟

اشک نے جھک کر سیپ ڈھونڈتے ہوئے پوچھا۔۔

مطلب۔۔۔ جیسا تمہارا گیٹ اپ ہے۔۔

اسنے جھکتے ہوئے کہا۔۔ اسے ڈر تھا وہ برانہ مان جائے۔۔

یہ سب انسان کو انجوائے کرنے سے نہیں روکتا۔۔

اسنے اپنے نقاب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔۔

لیکن اسلام ایک شدت پسند مذہب ہے۔۔

وہ نہ چاہتے ہوئے بھی بول پڑا۔۔

تمہیں کس نے کہا۔۔؟؟

وہ سپیاں جمع کر کے پتھروں کی طرف جاتے ہوئے بولی۔۔

سب کہتے ہیں

وہ بھی اسکے پیچھے چل دیا۔۔ بات سنجیدگی کی طرف بڑھ رہی تھی۔۔

"میڈیا کی دکھائی جانے والی ہر بات کو بیچ نہیں ماننا چاہئے۔۔ ہر مذہب کے کچھ اصول ہوتے ہیں جنکو اسکے ماننے والے فالو کرتے ہیں اس سے اس مذہب کو شدت پسند نہیں کہا جاسکتا۔"

وہ پتھر پر بیٹھ گئی۔۔ وہ موتیوں والی سپیاں نہیں تھیں۔۔ بلکہ گھونگھے کی طرح گول لپٹی ہوئی تھیں۔۔

لیکن آزادی ہر انسان کا حق ہے۔۔ وہ جیسے مرضی زندگی گزارے۔۔ اسے اس بات کا حق ملنا چاہیے۔۔

ہمیں بھی اختیار ملنا چاہئے کہ ہم جیسی مرضی زندگی گزاریں۔۔

وہ سیپ صاف کرتے ہوئے سنجیدگی سے بولی۔۔ ڈیوڈ لا جواب ہوا تھا۔۔ اور متاثر بھی۔۔ وہ دونوں اب خاموشی سے سمندر دیکھ رہے تھے۔۔

مجھے نماز پڑھنی ہے۔۔

اشک نے ڈھلتے سورج کو دیکھ کر کہا۔۔

کیا پڑھنی ہے؟؟

نماز۔۔ مطلب پرے کرنی ہے گاڈ سے۔۔

اشک نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔۔ اسکا پرس اسکی گود سے نیچے گر گیا۔۔ وہ جھک کر اٹھانے لگی۔۔

کہاں کروگی پرے۔۔؟

ڈیوڈ نے پوچھا۔۔

پتہ نہیں پہلے وضو تو کر لوں۔۔

وہ پانی کی طرف بڑھ گئی۔

اب وہ کیا ہے؟؟

اسے اشک کے ساتھ ہر بات نئی پتہ چل رہی تھی۔۔

دیکھ لینا۔۔

وہ چلوں میں پانی بھر رہی تھی۔۔ وہ دلچسپی سے اسے دیکھنے لگا۔۔ اسنے منہ دھویا بازو دھوئے۔۔ ڈیوڈ کے بغور دیکھنے

کے باوجود اسے کچھ نہیں آیا آخر اسنے منہ اور بازو ظاہر کیے بغیر کیسے دھو لیے تھے۔۔ ایسا لگتا تھا وہ اکثر ایسا کرتی رہتی

ہے۔۔ وہ اب پاں دھورہی تھی۔۔

تم کیسے کر لیتی ہو یہ سب۔۔

بہت آسانی سے۔۔۔ موبائل ملے گا تمہارا۔۔

ہاں یہ لو۔۔؟

ڈیوڈ نے موبائل نکال کر دے دیا۔۔

پاسورڈ؟؟؟

وہ ہنستے ہوئے بولا۔۔ ایشک خاموشی سے قبلہ سرچ کرنے لگی۔
یہ کون تھینکس۔۔

وہ موبائل واپس کر کے چل دی۔۔ اس کا رخ درختوں کی طرف تھا۔۔
تم وہاں کرو گی پرے۔۔؟؟
ہاں وہ جگہ زرا سائنڈ پر ہے۔۔

وہ جاتے ہوئے بولی۔۔ وہ اسے دیکھتا رہا۔۔ اسکی سنگت کتنی خوشگوار اور خوبصورت تھی۔۔ وہ اپنے اندر ایک جہان لیے ہوئے تھی۔ ڈیوڈ کا دل چاہا وہ اسے کھوجتا رہے اور زندگی بتا دے۔۔

یہ بات نہیں تھی کہ وہ کبھی لڑکیوں سے ملنا نہیں تھا۔۔ اسکی پرسنلٹی پر لڑکیاں فدا تھیں۔۔ وہ کئی لڑکیوں سے مل چکا تھا وقت گزار چکا تھا۔ اسکی گرل فرینڈ موجود تھی جس سے وہ شادی کرنے والا تھا۔ لیکن ایشک کے ساتھ وہ الگ محسوس کر رہا تھا۔۔ جیسے وہ اپنی مرضی سے کسی سحر میں مبتلا ہو گیا ہو اور اس سے نکلنا نہ چاہتا ہو۔

وہ نماز پڑھ رہی تھی۔ خوش قسمتی سے اسے درختوں کے نیچے چار بجھی ہوئی مل گئی تھی۔۔ وہ پورا دھیاں لگا کر نماز پڑھ رہی تھی۔۔ وہ کئی نظروں کا مرکز بنی ہوئی تھی۔۔ وہ جانتی تھی اسکی توجہ زرا سی بھی ادھر ادھر ہوئی تو نماز قائم نہیں رکھ سکے گی۔۔

ڈیوڈ محویت سے اسے دیکھ رہا تھا۔۔ وہ صحیح نظر نہیں آرہی تھی وہ آڑ میں تھی لیکن پھر بھی وہ اسے دیکھ رہا تھا۔ سلام پھیر کر اسنے دعا مانگنی شروع کر دی۔۔ اسکے وجود کا سکون ڈیوڈ کو اپنے اندر اترتے ہوئے محسوس ہوا تھا۔۔۔
دعا مانگ کر اسنے آنکھیں کھولیں تو ڈیوڈ نے تیزی سے اپنا رخ سمندر کی طرف موڑا۔ اسکی نظر پڑی ایشک والی جگہ پر کارڈ گرا ہوا تھا۔۔

ذیشان اشتیاق۔۔

اس پر اشتہال کی کسی جگہ کا اڈریس اور نمبر لکھا ہوا تھا۔۔ وہ شاید اسکے پرس سے گرا تھا۔۔
چلو آتی ہے تو دے دیتا ہوں۔۔ ڈیوڈ نے کارڈ اٹھا کر جیب میں ڈال لیا۔۔

داد۔

اسنے پیچھے سے آکر پکارا۔۔

ڈیوڈ نے غور کیا وہ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات نہیں کرتی تھی۔۔ بلکہ اسکی آنکھیں جھکی رہتی تھیں
"واپس۔۔ نہیں میں تو ابھی میڈن ٹاور جانا چاہتا ہوں۔"
وہ اتنی جلدی اسکا ساتھ چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔

میڈن ٹاور۔۔؟؟

اشک نے ڈھلتے سورج کو پریشانی سے دیکھا۔۔ کیسپین اپنا رنگ بدل رہا تھا۔۔
ہاں تم بھی چلو نا بہت مزا آئے گا۔۔

نہیں۔۔ تم چلے جانا مجھے ہوٹل واپس جانا ہے۔۔
ٹھیک ہے تم جا ہوٹل۔۔ میں نہیں جا رہا۔۔

وہ ناراض سا ایک طرف چلنے لگا۔ وہ مزید پریشان ہوگ۔۔ اسنے کرنسی ایکسچینج نہ کروا کر کتنی بڑی غلطی کی تھی اسے
اب احساس ہو رہا تھا۔۔ اسے سمجھ نہیں آئی ڈیوڈ کو کس طرح بتائے کہ اسکے پاس پیسے نہیں ہیں۔۔
داد۔۔

وہ اسکے پاس جا کر بولی۔۔ وہ رک گیا اسنے منہ دوسری طرف ہی کر رکھا تھا۔۔
آج واپس چلے جاتے ہیں کل چلے جانا میڈن ٹاور۔۔
تم میرے ساتھ چلو گی۔۔

اسنے ہوا میں تیر چلایا۔۔
مم۔۔ میں نہیں تو۔۔ تم اکیلے چلے جانا۔
وہ ہچکچائی۔۔

پھر میں آج ہی جاؤ گا۔۔
اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ اسے منالے گا۔۔

اچھا ٹھیک ہے میں چلوں گی۔۔ لیکن ابھی واپس چلو پلیز۔۔
وہ ہار مانتے ہوئے بولی۔۔

وعدہ۔

ہاں وعدہ ابھی چلو۔۔

ٹک

کر اسکے ساتھ چل پڑا۔ شام اپنے سائے پھیلا چکی تھی۔۔۔ لیپٹن کارنگ سرخ ہو چکا تھا۔ ڈیوڈ آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔۔۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اسکا سفر جلد ختم ہو۔۔۔ اشک چپ تھی۔۔۔
 ہوٹل واپس آنے تک بھی اسے کوئی بات نہیں کی۔۔۔ وہ میڈن ناور نہیں جانا چاہتی تھی۔۔۔
 روم میں آکر بھی وہ اسی بات سے پریشان رہی۔۔۔ آج کا دن بہت اچھا اور بھرپور گزرا تھا۔۔۔ لیکن اسے افسوس بھی تھا۔۔۔ اسلام اسے کسی ایسے غیر مرد کے ساتھ سیرہ تفریح کی اجازت نہیں دیتا تھا۔۔۔
 وہ بہت خوش تھا۔۔۔ اسے میڈن ناور جانے میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔۔۔ وہ صرف اشک کے ساتھ رہنا چاہتا تھا۔۔۔
 وہ بے چہرہ لڑکی۔۔۔ اسلام اور اسکے اصولوں پر بہت آسانی سے عمل پیرا تھی۔۔۔ اسکے کسی انداز سے نہیں لگتا تھا کہ اس سے کچھ زبردستی کروایا جاتا ہے۔۔۔ اسے اشک کے ساتھ ساتھ اسلام بھی دلچسپ لگنے لگا تھا۔۔۔

اگلے دن اشک نے ناشتہ کمرے میں ہی منگوالیا۔۔۔ اسکا نیچے جانے کا یا ڈیوڈ کا سامنا کرنے کا کوئی موڈ نہیں تھا۔۔۔
 دادا سے بلائے نہیں آیا تھا۔۔۔ وہ اطمینان سے کھڑکیاں کھول کر دھوپ سینکنے لگی۔۔۔ تقریباً دو گھنٹے بعد اسکے دروازے پر دستک ہوئی۔۔۔ اسکا موڈ خراب ہوا۔۔۔ توقع کے عین مطابق دروازے پر ڈیوڈ ہی تھا۔۔۔
 جی بولیں۔۔۔

وہ دروازہ کھول کر رکھائی سے بولی۔۔۔

آپ کے گھر سے کال ہے۔۔۔

ڈیوڈ نے موبائل آگے بڑھایا۔۔۔ وہ اپنے انداز پر شرمندہ ہو گئی۔۔۔ فون لیکر وہ دروازہ بند کر گئی۔۔۔ دوسری طرف دادو تھیں جو اسکی خیرنیت اور فلائٹ کا وقت معلوم کرنا چاہ رہی تھیں۔۔۔ دس منٹ بعد اسکی کال ختم ہوئی تو اسے ڈیوڈ کا خیال آیا۔۔۔

دادو تو چلا گیا ہوگا۔۔۔

اسنے سوچتے ہوئے دروازہ کھولا تو وہ باہر ہی دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔۔۔ اسے شرمندگی نے آن گھیرا۔۔۔
 یہ لیں تھینک یو۔۔۔ سوری آپکو کھڑا کرنے کے لیے۔۔۔

اسنے موبائل اسکی طرف بڑھایا۔

کوئی بات نہیں۔

مسکراتے ہوئے ڈیوڈ نے اشک کی طرف اشارہ کیا۔۔۔

ڈیوڈ کو لگا وہ نہیں جانا چاہتی پھر بھی اسنے کہہ دیا۔۔ وہ شاید شرمندہ ہونے کا گھنڈہ تھا وہ کتنے آرام سے نہ جانے کا سوچ رہی تھی اور وہ اسکی بات کو ایک مسلمان کے وعدے کے طور پر لے رہا تھا۔

میں دس منٹ میں آتی ہوں۔۔

اسنے مرے ہوئے انداز میں کہا۔۔

ٹیک یور ٹائم۔۔ میں بھی چیخ کر لوں۔۔

وہ مڑتے ہوئے بولا۔۔ اشک نے کمرے میں آکر عبایا پہنا اور نقاب لگا کر نیچے آگئی۔۔ ڈیوڈ کچھ دیر بعد آیا۔۔

وہ خاص تیار ہو کر آیا تھا۔۔ اسنے بلیک تھری پیس پہنا ہوا تھا۔۔

میڈن ٹاور نو شیر واں شاہ نے بنایا تھا۔۔ اسے آذر باعجان کے قومی ورثہ ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔۔

واقعی زبردست جگہ ہے۔۔

وہ دونوں اسکی چھت پر کھڑے تھے۔۔ وہاں سے باکو کی اولڈ ٹی کا نظارہ بہت خوبصورت تھا۔۔

مسلم آرکیٹیکچر۔۔

اشک نے فخر سے کہا۔۔ وہ بھی مہبوت تھی

میں یہ دیکھے بغیر چلا جاتا تو افسوس کا مقام تھا۔۔

وہ یکسرہ نکالنے ہوئے بولا۔۔ اشک نے دل ہی دل میں اسکی تائید کی۔۔ وہ اب تصویریں لے رہا تھا۔۔

اشک ٹاور کو دیکھنے لگی۔۔ وہ گولائی لیے ہوئے تھا۔۔ آذر باعجان کے قومی دن اس پر روشنیوں سے جھنڈا بنایا جاتا تھا۔۔ اسکے ساتھ ہی ایک چھوٹا سا میوزیم تھا۔۔ وہ دونوں گھومتے رہے۔۔

میں نماز پڑھ لوں۔۔

اشک نے سورج کو ڈھلتے دیکھ کر کہا۔۔

ہاں وضو کرنا ہے تمنے۔۔

نہیں میرا وضو ہے۔۔

کہاں پڑھو گی نماز۔۔؟

اوپر ایک کمرہ خالی ہے میں وہاں پڑھ لوں گی۔۔

ٹھیک ہے میں انتظار کر لیتا ہوں۔۔

نہیں آ رہی تھی لیکن سننے میں اچھا لگ رہا تھا۔۔

ڈیوڈ کو اپنے پیچھے کسی کا احساس ہوا تو اس نے مڑ کر دیکھا۔۔ وہ کافی اوپر کھڑی تھی۔ وہ اسے دیکھ کر سرکرایا تو وہ نیچے آنے لگی۔۔ ڈیوڈ نے اس کے سر اُپے کو بغور دیکھا۔۔ وہ کسی شہزادی کی طرح سہج سہج کراتر رہی تھی اس کا عبایا سیڑھیوں پر اس کے پیچھے پھسلتا آ رہا تھا۔۔ اس کے انداز میں ایسی شان اور تمکنت تھی کہ ڈیوڈ کی نظریں یا اختیار جھک گئیں۔۔ وہ اس سے اوپر والی سیڑھی پر آ کر بیٹھ گئی۔۔ ڈیوڈ نے دیکھا وہ اس سے کچھ فاصلے پر تھی لیکن اس کے درمیان ایسے غیر مرئی دیوار تھی جسے وہ پار نہیں کر سکتا تھا۔۔

کیا گارہے تھے تم؟

وہ بولی۔۔ اس نے جرمن سا نگ پہلی دفعہ سنا تھا۔۔

یہ میرا فیورٹ ہے مام سنایا کرتی تھیں مجھے۔۔

تمہاری آواز بہت خوبصورت ہے۔

ہاں میرے دوست کہتے ہیں میری آواز میسر انزنگ ہے۔۔

وہ مسکرا کر بولا۔

نام کا اثر ہے۔۔

وہ آہستگی سے بولی۔۔

وہ کیسے۔۔؟؟

وہ چونکا۔۔

حضرت دادا کی آواز دنیا کی سب سے خوبصورت آواز تھی۔۔ وہ جب زبور پڑھتے تھے تو دنیا کی ہر چیز میسر انز ہو

جاتی تھی۔۔ اڑتے ہوئے پرندے بھی۔۔

ایک منٹ، یہ نام تم نے انز پورٹ پر بھی لیا تھا نا۔۔

وہ اثبات میں سر ہلا گئی۔۔

کون ہیں یہ۔۔ اور زبور کیا ہے؟

ڈیوڈ نے دلچسپی سے پوچھا۔۔

دادا اللہ کے پیغمبر تھے۔۔ اسرائیل کے بادشاہ اور زبور ان پر نازل ہونے والی کتاب۔ انجیل مقدس کا ایک حصہ۔۔

اساتذہ محترمہ

ہاں۔

وہ اٹھتے ہوئے بولی۔۔

کہاں جا رہی ہو؟؟

وہ حیرت سے بولا۔۔

واپس چلتے ہیں۔۔

کچھ دیر تو رک جا۔۔ یاد رکھو۔۔ یہ وقت شاید زندگی میں پھر کبھی نا آئے۔۔

ڈیوڈ بھی کھڑا ہو گیا

واپس چلتے ہیں پلیز۔۔

وہ سیڑھیاں اترنے لگی۔۔

آخر تمہیں مسئلہ کیا ہے۔۔؟؟

وہ جھنجھلایا۔۔

وہ مجھے۔۔۔ مجھے واپس جانا ہے بس۔۔

لیکن کیوں؟؟

وہ مجھے۔۔۔ ب۔۔۔ بھوک لگی ہے۔۔

وہ سر جھکا کر ایسے بولی جیسے قتل کا اعتراف کر رہی ہو۔۔

اوہ۔۔ تو مجھے بتانا میں کھلاتا ہوں کچھ۔۔

ڈیوڈ کے چہرے پر اطمینان پھیل گیا۔۔

نہیں میں ہوٹل سے کچھ۔۔

اشک نے کہنا چاہا۔۔

آ میرے ساتھ۔۔

ڈیوڈ نے اسکا ہاتھ پکڑنے کے لیے ہاتھ آگے کیا۔۔ اگلے ہی لمحے اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا انکے ہاں ہاتھ پکڑنا عام بات تھی۔۔۔ اشک نے حیرت سے اسے دیکھا تو وہ پلٹ کر تیزی سے سیڑھیاں اترنے لگا۔۔ وہ اسکی آنکھوں

میں نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔۔۔۔

ک ک ک گ گ گ

پتہ نہیں یہاں کیا ملتا ہے میں حیاتِ رنجیسی جا کر کھا لوں گی۔۔

اشک نے کہا عصر ہو چکی تھی۔۔

چکن چیز رول۔ فز رول۔۔ پاستہ۔۔ برگر۔۔ یا کچھ اور۔۔

وہ اسکی بات نظر انداز کرتے ہوئے بولی

ش چیز رول۔۔

اشک نے ہار مانتے ہوئے کہا۔۔ وہ چکن مشکوک ہونے کی وجہ سے نہیں کھانا چاہتی تھی۔۔

ڈیوڈ ریٹورینٹ میں چلا گیا۔۔ وہ باہر کھڑی رہی۔۔ تھوڑی دیر بعد وہ آیا تو اسکے ہاتھ میں دو رول اور پانی کی بوتل

تھی۔۔

یہ تو تمہارا۔

وہ اسکی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔۔ اس نے خاموشی سے لے لیا۔ وہ اب بیٹھنے کی جگہ ڈھونڈ رہی تھی۔۔

کیا ہوا کھانا۔۔

ڈیوڈ نے پوچھا۔

مجھے بیٹھنا ہے کہیں۔۔

وہ پریشانی سے بولی۔۔

آ آگے کوئی بیچ وغیرہ ہوگا اس پر بیٹھ جائیگے۔۔

ڈیوڈ بولا تو وہ دونو چلنے لگے۔۔

آ وہاں بیٹھتے۔۔

اشک نے ایک درخت کی طرف اشارہ کیا۔

وہاں بیچ نہیں ہے تم کیسے بیٹھو گی۔۔ تمہارا یہ گند اہو جائے گا۔۔

ڈیوڈ کو عبائے کا نام لینا نہیں آیا۔ اشک ہنس پڑی۔

انگلش میں اسے گان کہتے ہیں۔۔

وہ درخت کی طرف جاتے ہوئے بولی۔

آ بیٹھو۔۔

وہ جھجک رہا تھا۔۔

کیوں تمہیں منع ہے کیا؟

اشک نے حیرت سے کہا۔۔

مطلب تم مسلم۔۔ میں

اس نے بات ادھوری چھوڑی۔۔

آ بیٹھو۔۔ تم ہماری مسجدوں میں بھی چلے جاتو کوئی نہیں روکے گا۔۔

اسکی آنکھیں مسکرائیں۔۔ ڈیوڈ شوڑا تار کر بیٹھ گیا۔۔ وہ خاموشی سے رول کھا رہی تھی۔۔ وہ اسے دیکھنے لگا۔۔

دودن ساتھ ہونے کے باوجود ڈیوڈ کو نہیں پیہ تھا وہ کیسی ہے۔۔؟؟ کون ہے؟ اور وہ خود کیوں اسکے ساتھ ہے؟

وہ بلکل الگ تھی۔۔ بلکل مختلف۔۔ ڈیوڈ کی دنیا سے بلکل الگ۔۔ لیکن اسے اس میں ایسا کچھ نظر نہیں آیا تھا جسے

نا پسندیدہ کہا جاسکے۔۔ اسکی عزت کرنے کا دل کرتا تھا۔۔ اسکی بات مان کر خوشی ہوتی تھی۔۔ وہ اسکی سوسائٹی کی

لڑکیوں جیسی نہیں تھی۔۔ وہ خاص تھی بہت خاص۔۔ اتنی کہ وہ اسکی سوسائٹی میں رہ ہی نہیں سکتی تھی۔۔

فکرنا کرو والہ میرے منہ میں ہی جا رہا ہے۔۔

وہ اسکی نظریں محسوس کرتے ہوئے بولی۔۔ وہ گڑبڑا کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔۔

میں یہ سب کبھی نہیں بھولو گی۔۔

وہ خود کلامی کر رہی تھی۔۔

میں بھی۔۔

ڈیوڈ نے عجیب سے انداز سے کہا۔۔ انکے درمیان خاموشی چھا گئی۔۔ انکے سامنے سے ایک جوڑا گزرا۔ وہ ایک

دوسرے کی کمر میں ہاتھ دالے جا رہے تھے۔

تمہارا دل نہیں کرتا تم بھی ایسے تیار ہو؟؟ خوبصورت لگو۔۔

ڈیوڈ نے اس جوڑے کو دیکھ کر کہا۔۔

ہاں کرتا ہے۔۔ لیکن جب سوچتی ہوں کہ اللہ کو ایسے پسند ہوں تو میری پسند پر اللہ کی پسند حاوی ہو جاتی ہے۔۔

اشک کے ذہن میں جنت کے پتے کا ڈانٹا لگ ہوا۔۔ وہ پھر خاموش ہو گیا۔۔ حالانکہ وہ اس سے ڈھیروں باتیں

کرنا چاہتا تھا۔۔ لیکن سمجھ نہیں آ رہا تھا کیا بولے۔۔

تمہیں کیسے پتہ چلتا ہے نماز کا۔۔

سورج سے۔۔

وہ بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ اسنے رول نہیں کھایا تھا۔۔

اچھا میں کیب روکتا ہوں۔۔

اشک نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ چادر اٹھا کر اپنے گرد پلیٹ پکٹی تھی۔۔ وہ ہوٹل سے کچھ فاصلے پر اترے۔۔

ڈیوڈ کچھ دیر پیدل چلنا چاہتا تھا۔۔

رکو۔۔

وہ چلتے چلتے بولا۔۔ اشک نے حیرت سے اسکی طرف دیکھا۔۔

ایک دفعہ جی بھر کر اپنے ارد گرد دیکھ لو۔۔ باکو کو۔۔ یہ وقت دوبارہ نہیں آئے گا۔

اشک نے اسکی بات پر سر اٹھا کر دیکھا۔۔ سامنے حیات ریجنسی نظر آ رہا تھا۔ اسنے مڑ کر دیکھا وہ جس راستے سے

آئے تھے۔۔ باکو میں سورج سرخ ہو چکا تھا۔۔ کیسپین سی اسے اپنے اندر مدغم کرنے کے لیے تیار تھا۔۔

وہ کہاں کھڑی تھی؟؟

آذر باعجان کے صنعتی شہر میں اکیلی کھڑی تھی۔۔ کوئی جاننے والا اسکے ساتھ نہیں تھا۔۔ تقدیر کے آگے سب پیس

ہوتے ہیں۔۔ اسے ادراک ہوا تھا۔۔ وہ کبھی اکیلے محلے میں کسی رشتے دار کے گھر نہیں گئی تھی۔۔ آج وہ کسی

انجان ملک میں کھڑی تھی۔۔ اجنبی لوگ، اجنبی شہر، اجنبی زبان۔۔ سب کچھ اجنبی تھا۔۔

اسنے اپنے دائیں طرف دیکھا۔۔ داد کھڑا تھا۔۔ اخروٹی رنگ کے بال جو ماتھے پر گرے رہتے تھے۔۔ گرے

آنکھیں۔۔ چہرے پر ہلکی ہلکی داڑھی۔۔ جب وہ مسکراتا تو اس میں سے ڈمپل نمایاں ہوتا تھا۔۔ بلیک پینٹ کوٹ پہنے

وہ غروب ہوتے سورج کو دیکھ رہا تھا۔۔ گرے آنکھوں کا رنگ شام کے ساتھ ساتھ گہرا ہوتا جا رہا تھا۔۔ اشک نے

پہلی بار اسے غور سے دیکھا تھا۔۔ اسے وہ اجنبی نہیں لگ رہا تھا۔۔

داد نے گھڑی دیکھی۔۔ باکو کے وقت کے مطابق ساڑھے پانچ بج رہے تھے۔۔ اسنے اشک کی طرف دیکھا وہ اسی

کی طرف دیکھ رہی تھی۔۔ ان کی نظریں چار ہوئیں۔۔ سیاہ آنکھیں۔۔ اسے اپنی طرف دیکھتا پا کر تیزی سے جھکی

تھیں۔۔ اور پھر وہ رخ موڑ گئی۔۔

وہ لڑکی۔۔ وہ ایک مسلمان باپردہ لڑکی کے ساتھ کھڑا تھا۔۔ اسکا عبا یا زین کو چھو رہا تھا۔۔ بلیک اور گولڈن چادر

اسکا دل چاہا انکی فلائٹ اڑتا لیس گھنٹوں کے بجائے اڑتا لیس دن لیٹ ہو جائے۔۔ انہیں واپس ناجانا پڑے۔ وہ باکو میں ہی گھومتے رہیں فش رول کھائیں۔۔ اشک نماز پڑھے اور وہ اسکا انتظار کرتا رہے۔۔ اسکے ہاتھ میں رول ابھی تک تھا۔۔

داد۔۔

وہ ہیشہ ایک لفظ سے مخاطب کرتی تھی۔۔

ہاں۔۔

چلو چلیں۔۔

رک جا۔۔ سورج غروب ہوتا دیکھ کر جائیں گے۔۔

اشک نے اسکی بات پر سورج کو دیکھا۔۔ جو آہستہ آہستہ کیسپین میں گم ہو رہا تھا۔۔۔ وہ یہ وقت کبھی نہیں بھولنے والی تھی۔۔ سورج ڈوبا تو وہ دونوں مڑ گئے۔۔ ایک ساتھ چلتے ہوئے وہ دونوں ایک دوسرے کا حصہ معلوم ہو رہے تھے۔۔۔ حیات ریجنسی یں وہ دونوں آگے پیچھے داخل ہوئے۔۔ اسے وہ خود سے بہت بلند محسوس ہو رہی تھی۔۔ اسکی دسترس سے بہت دور۔۔ جس تک پہنچنا اسکے بس میں نہیں تھا۔۔ وہ دونوں اپنی اپنی سوچوں میں گم اندر آ گئے۔۔

سر۔ میڈم۔۔ وی نیڈ ٹو چیک یور پاسپورٹس پلیز۔۔

وہ جیسے ہی اندر داخل ہوئے ریسپشن پر بیٹھی لڑکی نے انہیں روکا۔۔
کیوں؟؟

داد نے پوچھا

آپ کی فلائٹ قریب ہے تو ائر پورٹ سے کال آئی ہے ویری فلیکشن کے لئے۔۔

اسنے پیشہ ورانہ مسکراہٹ سے بتایا۔ اشک کو اسکا داد سے مسکرا کر بات کرنا ایک دم برا لگا تھا۔۔
اوکے ہم لے کر آتے ہیں۔۔

وہ داد کے بولنے سے پہلے ہی اسے کہہ کر لفٹ کی طرف بڑھ گئی وہ خاموشی سے اسکے پیچھے چلا آیا۔ وہ اپنا پاسپورٹ لیکر آیا تو اشک لفٹ کی طرف جا رہی تھی۔

لامیں لے جاتا ہوں۔۔

وہ ممنونیت سے بولی۔۔

مائی پلیر۔۔

وہ مسکراتا ہوا بولا۔۔ اسکے درمیان کوئی فارمیٹی نہیں رہی تھی۔۔ اجنبیت کب ختم ہوئی تھی وہ نہیں جانتے تھے۔۔ وہ کمرے میں آ کر نماز پڑھنے لگ گیا۔۔

اسنے دونوں پاسپورٹ کا ٹرپر دے دیے۔۔ اسے پانچ منٹ انتظار کا کہا گیا۔۔ وہ ہوٹل لابی میں بیٹھ گیا۔۔ آپ یہ لے سکتے ہیں۔۔ فلائٹ ٹائم پر آپ کال کر لی جائے گی۔۔

لڑکی نے کہا تو وہ دونوں پاسپورٹ لے کر آ گیا۔۔ اسے تھکاوٹ ہو رہی تھی۔۔ وہ سونا چاہ رہا تھا۔۔ اسنے اپنے ہاتھ کی طرف دیکھا۔۔ اسکے ہاتھ میں پاسپورٹ تھے۔۔ اسکا دل چاہا وہ اشک کی تصویر دیکھ لے۔۔ آخر وہ کھتی کیسی تھی۔۔ اسنے اسکا پاسپورٹ سامنے کر لیا۔۔

وہ شش و پنج میں تھا کہ کھولے یا نہ کھولے۔۔ لفٹ کا دروازہ کھل گیا۔۔ وہ باہر نکل آیا۔۔ اشک کے کمرے کی طرف بڑھتے ہر قدم کے ساتھ اسکی خواہش بڑھتی جا رہی تھی۔۔ نہیں یہ غلط ہے۔۔

اسنے خود پر قابو پانے کی کوشش کی۔۔ وہ اب اسکے دروازے کے سامنے کھڑا تھا۔۔ اسنے دروازہ کھٹکھٹایا۔۔ پاسپورٹ اسکے ہاتھ میں تھا۔۔ اسکی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔۔ وہ کھولنا چاہ رہا تھا لیکن کھول نہیں رہا تھا۔۔ اشک بھی نجائے کیوں دیر لگا رہی تھی۔۔

اشک۔۔

اسنے منھتیاں بھیج کر دروازہ دھڑ دھڑا دیا۔۔ تھوڑی دیر میں دروازہ کھل گیا۔۔ سوری میں شاور لینے چلی گئی تھی۔۔

وہ گھبرائی ہوئی تھی۔۔ اسنے برقعے کا دوپٹہ لیا ہوا تھا۔۔ داد بات کرنا بھول کر اسے دیکھنے لگا۔۔ وہ ننگے پاں کھڑی تھی۔۔ اسنے انٹ چوڑی دار پا جامے کے ساتھ ریڈفراک پہنا ہوا تھا جو گھٹنوں تک آ رہا تھا۔۔

لا دو۔۔

اشک نے ہاتھ بڑھایا۔۔ اس نے ایک ہاتھ سے دوپٹہ پکڑ کر نقاب کیا ہوا تھا۔۔ اسکے بال پیشانی سے چپکے ہوئے تھے۔ ہاتھ آگے بڑھانے کی وجہ سے اسکا دوپٹہ تھوڑا سا ہٹ گیا تھا۔۔ وہ اسکے بالوں سے ٹپکتے پانی من کھو گیا۔۔ اسنے اسکا سراپا پہلی دفعہ دیکھا تھا۔۔ داد۔۔

اسنے پکڑ آ دیا

تھینک۔۔

وہ اسکی بات سنے بغیر ہی مڑ کر تیزی سے چلا گیا۔

اسے کیا ہوا۔۔

اشک نے حیرت سے اسے دیکھا۔۔

اوہ گاڈ مجھے کیا ہو گیا ہے۔۔؟ من کیا چاہتا ہوں آخر۔۔

اسنے کمرے میں آ کر سر پکڑ لیا۔ اسے اپنی حالت سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ وہ اسکی پیشانی پر پڑے بال ہٹانا چاہتا

تھا۔ اسکا چہرہ دیکھنا چاہتا تھا۔ اسکے سات رہنا چاہتا تھا لیکن کیوں؟ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

اشک مغرب پڑھ کر سو گئی۔ اسکی آنکھ دوبارہ انٹرکام کی نیل سے کھلی۔ وہ کسلمندی سے اٹھی اسکی تھکاوٹ دور نہیں

ہوئی تھی۔۔

میم آپکی فلائٹ ایک گھنٹے بعد کی ہے۔ انٹرپورٹ کی گاڑیاں آپکی ہیں آپ نیچے آ جائیں۔۔

اوکے۔۔

اسنے ریسپوررکھ دیا۔ تو وقت روانگی آپکا تھا۔ اسنے گھڑی دیکھی نو بج رہے تھے۔ اسنے نماز پڑھنی شروع

کردی۔ نماز پڑھ کر وہ نیچے آئی تو اسے لوگ کم لگے۔

کیا سب نہیں جارہے؟

اسنے ریسپشن پر کھڑی لڑکی سے پوچھا۔

نہین صرف ترکی والے پسیجنرز ہیں۔۔

اور برلن والے۔

انکی فلائٹ 3 گھنٹے بعد ڈائریکٹ ہے۔۔

لڑکی نے بتایا۔ وہ ریسپشن سے ہٹ گئے۔ اسے ایسے جانا اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ وہ داد کو بتانا چاہتی

تھی۔ اسنے اچک کا بہت سا تھ دیا تھا۔

کیا پتہ وہ جانتا ہو ہم جارہے ہیں۔۔

اسنے سوچا۔

لگتا ہے کہ وہ جانتا ہو ہم جارہے ہیں۔۔

تھی۔۔ وہ بھاگتے ہوئے سیڑھیوں سے اوپر چڑھی۔۔ اسکے پاس وقت کم تھا۔۔ انکے کمرے سیٹوں کے حساب سے تھے۔۔ دادا کمرہ اس سے اگلا یا پہلا ہونا چاہیے تھا۔۔ اسنے اندازے سے ایک کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا۔۔ جواب ناپا کر اسنے ہینڈل گھما دیا۔۔ دروازہ لاک نہیں تھا۔۔ اندر کوئی اوندھے منہ سو رہا تھا۔۔ جیکٹ سے اسے اندازہ ہوا سونے والا دادا ہی تھا۔۔

وہ اندر آ گئی۔۔

میری فلائٹ کا ٹائم ہو چکا ہے۔۔ میں جا رہی ہوں۔۔ ہر چیز کے لیے شکریہ۔۔ اللہ حافظ۔۔ اسنے ٹشو پر کا جل سے لیکھ دیا۔۔ سائنڈ ٹیبل پر دادا کا والٹ اور موبائیل پڑا تھا۔۔ اسنے والٹ کے اندر ڈال دیا۔۔ والٹ رکھتے ہوئے اسکی بریسلٹ ٹیبل سے ٹکرائی۔۔ اسکا ہک کھل گیا۔۔ ڈیوڈ کسمکسیا۔۔ وہ گھبرا کر اٹلے قدموں واپس ہوئی۔۔ اسکی بریسلٹ وہیں گر گئی تھی۔۔ اسکا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔۔ وہ نیچے آ گئی۔۔ بس میں بیٹھنے والی وہ آخری پنجر تھی۔۔

حیات ریجنسی سے نکلتے ہوئے اسنے مڑ کر دیکھا۔۔ لاشعوری طور پر وہ دادا کے کمرے کی کھڑکی ڈھونڈ رہی تھی۔ بس باکو کی سڑکوں پر دوڑنے لگی۔۔ وہ حیات ریجنسی کے ساتھ دادا کو بھی پیچھے چھوڑ گئی تھی۔ تقریباً ڈیڑھ گھنٹے بعد اسکا جہاز فلائی کر چکا تھا۔۔ اسنے کھڑکی سے نیچے باکو کی مدھم ہوتی ہوئی روشنیوں کو دیکھا۔۔ ایک غیر متوقع طور پر جو باب قسمت نے کھولا تھا وہ بند ہو چکا تھا۔۔ وہ بہت کچھ ساتھ لے کر اور بہت کچھ چھوڑ کر جا رہی تھی۔۔۔۔۔

وہ اٹھا تو بارہ بج رہے تھے۔۔ اسکی تھکاوٹ دور ہو چکی تھی۔۔ وہ اٹھ کر شاور لینے چلا گیا۔۔ واپس آیا تو انٹرکام کی بیل بج رہی تھی۔۔ اسنے ریسور اٹھایا تو اسے فلائٹ کی اطلاع دی گئی۔۔ وہ اپنا سامان پیک کرنے میں مصروف ہو گیا۔۔ نکلنے سے پہلے وہ ساینڈ ٹیبل سے اپنا والٹ اور موبائل اٹھانے آیا تو اسے دراز کے ہینڈل میں بریسلٹ لگی ہوئی نظر آئی۔۔

"یہ بریسلٹ۔۔"

اسنے ہاتھ میں لیکر سوچا۔۔ وہ گولڈ بریسلٹ تھی جس پر وائٹ کرسٹل سٹونز لگے ہوئے تھے۔۔ بحیرہ کیسپین پر وضو کرتے ہوئے جب اسنے بازو اوپر کیے تھے تو یہ دور سے چمک رہی تھی۔ اسکے ذہن میں جھماکا ہوا۔۔۔

"اشک۔۔ یہاں آئی تھی۔ میرے کمرے میں۔۔"

اسے بری سیلیٹ جیب میں ڈال لی۔۔۔ وہ نیچے آیا تو ایک بس حیات رجسٹری سے نکل رہی تھی۔۔۔ وہ دوسری بس میں بیٹھ گیا۔۔۔ اسے اندازہ تھا کہ اشک پہلی بس میں چلی گئی ہوگی۔۔۔ ایئر پورٹ پر پہنچ کر اسے اشک کو ڈھونڈنا چاہا وہ اسے کہیں نظر نہیں آئی۔۔۔

آخر کہاں غائب ہے یہ لڑکی۔۔۔

اس کا موڈ خراب ہونے لگ گیا۔۔۔ ٹکٹ لیکر وہ ویٹنگ لائن میں آ گیا۔۔۔ اس نے پورا لائن دیکھ لیا وہ اسے کہیں نہیں ملی۔۔۔

شاید نماز پڑھ رہی ہوگی کہیں۔۔۔

اس نے خود کوشش کی۔۔۔ وہ آرام سے بیٹھ کر جین کو کال کرنے لگ گیا۔۔۔ اسے اپنی فلائٹ کے بارے میں بتانا تھا۔۔۔ تھوڑی دیر میں انہیں جہاز میں جانے کا اعلان سنا دیا گیا۔۔۔ وہ اپنی سیٹ پر آ کر بیٹھا تو اس کے ساتھ والی سیٹ پر اسی طرح کا نو جوان بیٹھا ہوا تھا۔۔۔ اسے اب سبھی معنوں میں پریشانی ہونے لگ گئی۔۔۔ اسے اب تک اشک کا دور دور تک کوئی نشان نظر نہیں آیا تھا۔۔۔

وہ باکو میں ہی نہ رہ گئی ہو۔۔۔ اسے فلائٹ کا پتہ ہی نہ چلا ہو۔۔۔

خدا شے اسے ستانے لگے تھے۔۔۔ جہاز اب رن وے پر دوڑ رہا تھا۔۔۔ اسکی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔۔۔

معزز مسافرین۔۔۔ فلائٹ 23907 میں آپ کو خوش آمدید کہا جاتا ہے۔۔۔ ہمارا سفر باکو سے ڈائریکٹ برلن ہے۔۔۔ برائے مہربانی اپنی سیٹ بیلٹس باندھ لیجئے۔۔۔

ائر ہوٹس اعلان کر رہی تھی۔۔۔ ڈیوڈ کا دماغ گھوم گیا۔۔۔ وہ اس فلائٹ میں تھی ہی نہیں۔۔۔ اسکی فلائٹ ہی الگ تھی۔۔۔ وہ اسے آخری دفعہ مل بھی نہیں سکا تھا۔۔۔ اس کا دل چاہا اپنا سر پیٹ لے۔۔۔ جہاز سے نیچے چھلانگ مار دے یا کچھ اور کر لے۔۔۔ اس نے بمشکل اپنے آپ پر قابو کیا۔۔۔ غصے اور بچھتاوے سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔۔۔ وہ رہنے والا ہو چکا تھا۔۔۔ وہ کب اسکی زندگی سے نکل گئی تھی اسے پتہ ہی نہیں چلا تھا۔۔۔ اس نے بے بسی سے آنکھیں بند کر لیں۔۔۔ انسان جو مرضی کر لے قسمت جب چاہے اسے لوگوں سے ملاتی ہے اور جب چاہے جدا کر دیتی ہے۔۔۔ بشر ہواں کو تخیل کر چکا ہے سمندروں کو کھگال چکا ہے لیکن قسمت سے جیتنے کی کوئی ٹیکنالوجی ایجاد نہیں کر سکا۔۔۔

وہ کب برلن پہنچا۔۔۔ کب گھر گیا۔۔۔ جین اور کارلس نے اس سے کیا باتیں کیں۔۔۔ اسے کچھ پتہ نہیں چلا۔۔۔ وہ بس اپنے کمرے میں جا کر بیٹھ کر گر گیا۔۔۔

تک پہنچ چکا تھا۔۔۔

"یہ آپکا کمرہ ہے۔۔۔ آپ آرام کریں۔۔"

وہ اسے ایک کمرے میں چھوڑ کر چلے گئے۔ اسنے اپنا سامان رکھا اور پکڑے بدل کر لیٹ گئی۔ اسے تھکاوٹ ہو رہی تھی۔۔

"پتہ نہیں اسنے چٹ دیکھی ہوگی یا نہیں"

اسنے داد کے بارے میں سوچا۔ پھر سائنڈ ٹیبل سے اپنا پرس اٹھالیا۔ فش رول کا رپر ابھی تک اس کے بیگ میں تھا۔ اسنے رپر نکال کر ہاتھ میں پکڑ لیا۔ باکوکی یہ واحد نشانی تھی اسکے پاس۔ اور داد کی بھی۔ اسکے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ اسے ہاتھ میں پکڑے پکڑے ہی سو گئی۔

وہ شام کو اٹھا۔ اسکا سر جو جھل ہو رہا تھا۔ وہ کمرے سے باہر نکلا تو جین اور کارلس بیٹھے تھے۔۔
آڈیٹر۔۔

جین اسے دیکھتے ہی بولی۔ وہ خاموشی سے آکر صوفے پر بیٹھ گیا۔
کانفی پیو گئے؟

جین نے پوچھا۔ وہ اثبات میں سر ہلا گیا۔ اسکا سر در در کر رہا تھا۔
لگتا ہے تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں۔۔ جیٹ لیگ ہو گیا کیا؟
کارلس نے اسکی شکل دیکھ کر فکر مندی سے کہا۔۔
نہیں میں ٹھیک ہوں۔۔

وہ بشل بولا۔۔

کیا واقعی؟

کارلس نے پھر پوچھا۔۔

بس سر میں کچھ درد محسوس کر رہا ہوں۔۔

داد نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔۔

ایسا کر ہل آفس نہ جا۔ آیک دودن ہمارے پاس رک جا۔۔

جین نے اسکے سامنے کافی رکھی۔۔

نہیں میں یہاں سے نہیں جاؤں گا۔۔

جیسے تمہاری مرضی۔۔ اپنے کپڑے دیتے جانا میں لائڈری بھجوا دوں گی۔۔

جین بولی تو وہ خاموشی سے کافی کی بھاپ کو تکتا رہا۔۔ وہ رات کو ہی واپس اپنے اپارٹمنٹ میں آ گیا۔۔ کپڑے بدلنے کے لیے اسنے اپنا والٹ نکالا تو اسٹیک کی بریسلیٹ بھی نکل آئی۔۔ اسکا موڈ مزید خراب ہو گیا۔۔ کیا تھا اگر وہ مجھے بتا کر چلی جاتی۔۔

بریسلیٹ اس بات کا ثبوت تھی کہ وہ اس سے پہلے چلی گئی تھی۔۔

میں نے کتنی کوشش کی اسے خوش رکھنے کی۔۔ اس سے دوستی کرنے کی۔۔ کتنی اچھی لگتی تھی اور کتنی بیہوش نکلی۔۔ اسنے بدگمانی سے سوچا۔۔ بریسلیٹ ڈریسنگ پر رکھ کر وہ لانچ میں آ گیا۔۔ اسنے ٹی وی لگا لیا۔۔ اسکا کسی کام میں دل نہیں لگ رہا تھا۔۔ تنگ آ کر وہ ٹیرس میں آ گیا۔۔ سردی کی وجہ اسے جلد ہی واپس آنا پڑا۔۔ وہ بیڑای سے بیڈ پر گر گیا۔۔ اسکا دل ہر چیز سے اچاٹ ہوا پڑا تھا۔۔

وہ اٹھی تو فجر ہو رہی تھی۔۔ اسنے اٹھ کر نماز پڑھی۔۔ زیشان صاحب نماز پڑھنے جا چکے تھے۔۔ اسنے ناشتہ بنانا شروع کر دیا۔۔ زیشان صاحب واپس آئے تو وہ ڈائینگ ٹیبل پر ناشتہ لگا چکی تھی۔۔

السلام علیکم بابا۔۔

وعلیکم السلام۔

وہ جواب دیکر بیٹھ گئے۔۔ انہوں نے خاموشی سے کھانا شروع کر دیا۔۔

آپ نے تکلف کیا بیٹا۔۔ میں بنالیتا ہوں اپنا۔۔۔

نہیں میں نے اپنی خوشی سے بنایا ہے بابا۔۔

وہ مسکرا کر بولی۔۔ زیشان صاحب نے سر ہلا دیا۔۔ انکے درمیاں اس سے زیادہ کوئی بات نہیں ہوئی۔۔ ان کے درمیان اجنبیت تھی۔۔ دس سال کا عرصہ حائل تھا۔۔ انہیں ایک دوسرے کی عادت نہیں تھی۔۔

تم ترکی کیوں جا رہی ہو؟؟

ڈیوڈ کی آواز اسکے کانوں میں گونجی۔۔ میڈن ٹاور سے واپسی پر اس نے پوچھا تھا۔۔

بابا نے بلایا ہے۔۔

تو واپس پاکستان کب جا گی؟؟

وہ فٹ پاتھ پر چل رہے تھے۔۔

نہیں، اسکا کچھ نہیں

تو تم خوش ہو۔۔

ڈیوڈ نے اسکی طرف دیکھا تھا۔

نہیں۔۔

اسے مختصر جواب دیا۔

کیوں؟

سوال میں حیرانی تھی۔۔

میں نہیں جانتی میرے بابا کیسے ہیں۔۔ میں دس سال سے انکو نہیں ملی۔۔ مجھے سمجھ نہیں آ رہا میں کیسے پہنچ کر دوں گی۔۔

اسکے اندر کا خوف بولا تھا۔۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اسے بتا رہی تھی۔۔ اس پر اعتبار کر رہی تھی۔۔

دس سال سے۔۔ لیکن اتنا عرصہ کیوں نہیں ملی؟؟

وہ مام کی ڈیٹھ کے بعد پاکستان نہیں آئے۔۔

اشک نے زمین کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔۔

آئی ایم سوری

سامنے حیات رب بخشی نظر آ رہا تھا۔۔ انکا سفر ختم ہو چکا تھا۔۔

اشک کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔۔

کرسی پیچھے کرنے کی آواز سے وہ حال میں واپس آئی۔۔ ذیشان صاحب اٹھ رہے تھے۔۔ وہ ناشتہ ختم کر چکے تھے

اور اشک ابھی شروع بھی نہیں کر سکی تھی۔۔ اس نے سر جھٹک کر یادوں کو کوسا۔۔ بھلا صبح کون یاد آتا ہے۔ وہ

ناستہ کیے بغیر ہی اٹھ گئی۔۔ ذیشان صاحب آفس چلے گئے تو وہ گھر کے کاموں میں لگ گئی۔۔ انکا گھر صاف ستھرا

تھا۔۔ لیکن صاف ظاہر تھا وہاں کسی عورت کے ہاتھ نہیں لگے ہوئے تھے۔۔ مرد جو مرضی کر لے عورت جیسا سلیقہ

پیدا نہیں کر سکتا۔۔ اسنے کچن دیکھا ایک ایک چیز پیٹہ کی کہاں رکھی ہوئی ہے۔۔ باقی گھر اسنے ویسے ہی چھوڑ دیا وہ

زیادہ دخل اندازی نہیں کرنا چاہتی تھی۔۔

ذیشان صاحب رات کو واپس آئے۔۔ وہ فون کر کے دوسرے اسکی خیریت دریافت کر چکے تھے۔۔ وہ رات کا کھانا

ساتھ لیکر آئے تھے۔۔

بابا آج ایک لڑکا آیا تھا صفائی کے لیے۔۔

کے ایک کونے پر

کیا آپ اسے منع نہیں کر سکتے؟

وہ جھجکتے ہوئے بولی

کیوں بیٹا خیر ہے۔۔

وہ کھاتے کھاتے رک گئے۔

وہ میں سارا دن بور ہو گئی تھی تو میں یہ کام خود ہی کر لیا کرونگی۔۔ اور کھانا بھی بنالیا کرونگی۔۔

اسنے ترکش کھانے کو دیکھا۔۔ اسے چٹ پٹے پاکستانی کھانے یاد آ رہے تھے۔۔

بیٹا آپ اتنا کام کیسے کریں گی

ذیشان صاحب نے حیرت سے پوچھا۔۔

بابا میں پاکستان میں بھی کرتی تھی یہاں بھی کر لوں گی۔۔

چلیں جیسے آپ کی مرضی۔۔ کچھ منگوانا ہوا تو بتا دیجئے گا۔۔

وہ اب نیکین سے منہ صاف کر رہے تھے

جی کچھ چیزیں تھیں۔

وہ جھجکی۔۔

آپ اسٹ بنا دیجئے گا میں لے آں گا۔۔

وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں چلے گئے۔۔ وہ کھانا سمیٹ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔۔ نماز پڑھ کر وہ قرآن پاک لیکر

بیٹھ گئی۔۔ اسکے پاس کرنے کو کچھ نہیں تھا۔۔

اب کتنی سجر ہو چکے

کنزہ ظفر

دہلی قسط

"ڈیڈ میری ایگزٹیشن ہے آج۔" اس نے میج ٹائپ کیا اور ایک منہ بسورتا ہوا سائلی بنا کر اپنے ڈیڈی کو سینڈ کر دیا۔ کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد وہ گولی کی طرح اپنی نینی کے پاس جا پہنچی تھی جو کچن میں مصروف تھیں۔

"ڈیڈ نے گڈ لک تک نہیں کہا مجھے۔" پدیا منہ بسورتی ہوئے بولی۔

"اوہ بچے وہ مصروف ہوتا ہے جانتی تو ہو تم سب۔" وہ جلدی جلدی اسکا ناشتہ بناتے ہوئے بولیں۔ انداز بالکل پیکار نے والا تھا۔

"ہاں ہاں سب سمجھتی ہوں۔ میری ایگزٹیشن سے بھی اہم کام ہیں ان کو۔" کرسی گھسٹ کر وہ مرے دل کے ساتھ بیٹھ گئی۔
"تمہیں سب معلوم ہے پری! گروپ) بڑی ہو جا۔) اس کو تنگ نہیں کیا کرو۔" وہ اسے ڈپٹے ہوئے گویا ہوئیں۔
"جانتی ہوں سب۔" کہتے ہوئے بیگ پیک اٹھایا اور ناشتہ کیے بغیر باہر نکل گئی جبکہ نینی ٹھنڈی سر جھٹک کے رہ گئیں۔



ان کے چہرے پہ جھلک دکھائی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

اور بے شک نبی کی سوچ غلط نہیں تھی۔ وہ ابھی کچھ ہی راستہ طے کر پائی تھی جب ایک ہنستا مسکراتا گڈلک کا میٹج موصول ہوا تھا۔ اسکا دل پرسکون ہو گیا تھا۔ دل کو یقین ہونے لگا کہ ہمیشہ کی طرح آج کا دن بھی خاص ہونے والا تھا۔ وہ ایگزیکٹویشن کے دوران اڑی اڑی پھر رہی تھی۔

گرین ٹاپ کے ساتھ سکن ٹائٹس پہنے، کالے بالوں کو پونی میں جکڑے، وہ کوئی چھوٹی سی بچی معلوم ہو رہی تھی۔ سب کے سوالات کے بلکہ پھلکے انداز میں جوابات دیتے ہوئے وہ اس راہداری میں آئی جہاں پینٹنگز پر 'ناٹ فار سیل' کا ٹیگ لگا ہوا تھا۔

یوں ہی گھومتے اور خود پر اترتے ہوئے وہ اپنی پسندیدہ ترین پینٹنگ کی طرف آئی تو وہاں ایک حیرت انگیز منظر تھا۔ کوئی بہت اشتیاق کے ساتھ اس کے اس شاہکار کو دیکھنے میں لگن تھا۔ جبکہ پر یا کی کیفیات ناقابلِ بیاں تھیں۔ اسے آگے بڑھنا چاہیے یا بس اسے دیکھتے رہنا چاہیے۔ آخر خود کو نارمل کرتی وہ آگے بڑھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

مغربی ملک میں مغرب کی طرف منہ کیے وہ جھیل کنارے غروب ہوتے سورج کا حصہ ہی معلوم ہوتا تھا۔ ارد گرد کے لوگ قریب سے گزرتے ہوئے ایک آدھ نگاہ اس پر بھی ڈال دیتے تھے۔ اس نے اپنی بائیں طرف بنی جھیل کی طرف دیکھا جبکہ پانی اتنا شفاف تھا کہ آنکھیں ٹھنڈک کے احساس سے بھر جاتی تھیں۔ مگر وہ ہمیشہ بہت خشک نگاہوں سے جھیل کو دیکھا کرتا تھا۔ جھیل میں موجود بلیں اور مرغائیاں اپنی موج مستی میں ادھر سے ادھر تیرتی رہیں مگر اسے تو شاندارانہ کو بھی نہ دیکھنے کی قسم کھائی ہوئی تھی۔ شام آہستہ آہستہ ڈھل رہی تھی۔ وہ چونک کے اٹھا اور گھر کی جانب چل پڑا۔ جو کہ اب اس کی واحد منزل رہ گئی تھی باقی سب منزلیں تو وہ خود اپنے ہاتھوں سے گنوا چکا تھا۔

یا شاید اب بھی اسی ہنسنے میں تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ ڈارک پر پل گیر دار بہت ہی نفیس سے گان پر آف وائٹ اسکارف لیے بہت معصوم لگ رہی تھی۔ اس کے

پہلے پہل تو وہ ٹھکی پھر اس کی طرف بڑھ گئی۔ اس کے پاس پہنچنے پر یہ یا مزید حیران تھی۔ کبھی وہ قدرت کے اس شاہکار کو دیکھتی اور کبھی اپنے شاہکار کو۔ فیصلہ کرنا بہت آسان تھا کہ قدرت کا شاہکار بے مثال تھا۔ اس کے قریب پہنچ کر وہ ایک ٹک اس معصوم سے چہرے دو دیکھنے لگی۔ یوں دیکھنے پر وہ لڑکی پہلے تو چونکی، اسے دیکھا اور پھر آگے بڑھنے لگی۔

پر یا نے اسے آگے بڑھنے سے روکا۔ "ایکسکیوزمی۔" وہ لڑکی ٹھک کر رکی اور سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"یہ پینٹنگ دیکھ رہی تھیں آپ۔" پر یا نے بات شروع کرنے کی غرض سے ششہ انگریزی میں پوچھا۔ "جی۔" اس نے ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

"ہازاٹ (کیسی تھی؟؟) لڑکی کی مسکراہٹ سے پر یا کا حوصلہ بڑھا تھا سوا گلاسوال کرڈالا۔ لڑکی نے کوئی جواب دینے کی بجائے ہلکی سی مسکراہٹ سے اسے دیکھا۔ پر یا حیران ہوئی کہ اتنا اشتیاق اور بس ایک مسکراہٹ؟؟ "یعنی آپ کو میری پینٹنگ اچھی لگی۔ تھینک یوسوچ آپ نے تعریف نہیں کی مگر مجھے اچھا لگا۔" پر یا کھل کے مسکراتے ہوئے بولی تو سامنے والی لڑکی حیران ہوئی۔

"آپ پر یا ریش ہیں؟؟" اس نے پوری آنکھیں کھول کے سوال کیا۔

"جی بالکل میں پر یا ریش ہی ہوں۔" پر یا نے بھرپور مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔ جبکہ مقابل کا چہرہ ایکسٹنٹ سے روشن ہوا تھا۔

"آپ کی پینٹنگز بہت اچھی ہوتی ہیں۔ یہ تیسری ایگزپیشن ہے آپ کی جو میں اٹینڈ کر رہی ہوں۔" وہ لڑکی ہلکے جوش کے ساتھ بتانے لگی تھی جبکہ پر یا خوش تھی کہ آخراں نے لڑکی کو بولنے پر مجبور کر دیا تھا۔

"آپ میٹرل کونسا استعمال کرتی ہیں؟ سب بہت نیچرل لگتا ہے۔" یہی پر یا کے مطلب کا سوال تھا اور وہ نان سٹاپ شروع ہو چکی تھی۔

بات ختم ہوتے ہی لڑکی کو جانے کی جلدی تھی اور پر یا الگ ہوتے ہوئے اس سے ایڈریس لینا نہیں بھولی تھی۔ ہاں اگر بھولی تھی تو وہ جو آج کے زمانے کی اہم ضرورت ہے۔

اس کا رابطہ نمبر۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"کیا بات ہے نیگم صاحبہ بہت چپ چپ ہیں۔" جمال صاحب کتاب کا مطالعہ کرتے ہوئے ذرا کی ذرا نظر اٹھا کر عائشہ نیگم کو بھی دیکھ لیتے تھے جو کب سے بالکل خاموش کچھ سوچنے میں مگن تھیں۔

"ہوں۔۔۔ کچھ نہیں۔ بس یوں ہی۔" وہ اچانک بلانے پر چونکی تھیں جس پر جمال صاحب کو تشویش ہوئی وہ کچھ آگے ہو کر بیٹھے اور انکی طرف متوجہ ہوئے۔

"کیا بات ہے عائشہ؟" ان کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے انہوں نے فکر مندی سے پوچھا۔

"سعدیہ سے بات ہوئی تھی نا کل۔" عائشہ نے تمہید باندھی تھی۔

"جی جی پھر؟"

"اسکی بیٹی کا پیچلر بھی ایک عرصہ ہوا مکمل ہو چکا" یونہی سوچوں میں غرق انکی توجہ اصل بات کی طرف دلائی۔ جبکہ

جمال صاحب ٹھنڈی آہ بھر کر رہ گئے۔ اسی وقت کے انتظار میں تو عرصہ بیت گیا تھا۔

”تمہاری عنید سے بات ہوئی؟“ انہوں نے بیٹے کے متعلق استفسار کیا حالانکہ جواب تو وہ خود بھی جانتے ہی تھے کہ جب اسکا دل کرے گا وہ خود ہی رابطہ کرے گا۔

"آپ اسے بلا کیوں نہیں لیتے؟" عائشہ نے سسکاری بھرتے ہوئے کہا۔

"ہوں۔۔۔" کتاب کا ورق ہلکا سا فولڈ کیا، میز پر رکھی اور مبہم سا جواب دے کر وہ کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی۔

اور عائشہ اچھے سے جانتی تھیں کہ بیٹا ان کے بلانے نہ بلانے کی اجازت کا مجاز نہیں رہا تھا۔

ہا۔۔۔ یہ اولاد بھی کہاں کہاں خوار کرتی ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

پرایا جکل اپنے اسٹوڈیو میں بیٹھی اپنی نئی اگزپیشن کی تیاریوں میں مصروف رہتی۔ وہ اس معاملے میں محتاط تھی۔

کام مکمل توجہ اور تنہائی میں کرتی تھی۔ اب بھی وہ سٹوڈیو میں ہی بیٹھی تھی جب اسے اچانک اس لڑکی کا خیال آیا جو

اس دن ناحش میں ملی تھی۔ پر یانے فوراً اس سے ملنے کا پروگرام بنایا اور جس حلیے میں بیٹھی تھی اسی میں چل

پڑی۔ نینی کو بتا کروہ گھر سے باہر آ گئی۔

وہ اس کے بتائے ہوئے پتے پر جا رہی تھی۔ وہ اس کا نام جانتی تھی، اس کا نمبر لے پائی تھی اور نہ ہی مکمل طور پر اسے

جانتی تھی۔ مگر بہر حال ملنا تھا اس سے۔

اللہ کے لئے گزرتی ہوئی ہے کہ ایک ایک جہاں اللہ تعالیٰ نے : یہ کہ ایک ایک جہاں اللہ تعالیٰ نے

ایسی کوئی چیز "اس کے ذہن سے گزری بھی نہ تھی۔

"یہاں کوئی اسکارف والی لڑکی رہتی ہے؟" پریا کو اس کا نام تو معلوم نہیں تھا سو جو شناخت بہتر لگی وہی پوچھ لی۔
"ہاں! مگر وہ فی الوقت موجود نہیں۔" اس نے رکھائی سے جواب دیا۔

"کب تک آئیگی؟" پریا نے بھی ٹھنڈے لہجے میں پوچھا۔
"معلوم نہیں کوئی فکسڈ ٹائم نہیں ہے۔" اب کہ لڑکی نے اکتا کر جواب دیا تھا۔

"انکا کوئی کاٹھیک نمبر؟" پریا نے فوراً سے پوچھا مبادہ وہ چنی چنی آنکھوں والی لڑکی دروازہ بند ہی نہ کر دے۔
اور جواب میں واقعی اس لڑکی نے یوں گھورا تھا کہ بس نگلنا ہی باقی تھا۔ پریا بھی دانت پیس کر رہ گئی۔ کوئی اور وقت ہوتا تو اس لڑکی کو منہ بھی نہ لگاتی مگر یہاں معاملہ دوسرا تھا۔

"اس نے کہنا پریا تیش ملنے آئی تھی۔" اس نے نام بتایا اور واپس مڑ گئی۔

"ڈسکسٹنگ" دروازہ اس کے پیچھے ایک آواز سے بند کیا گیا تھا۔ غصہ تو بہت آیا مگر ضبط کر گئی۔ دل بھی اداس ہو چکا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ خاموشی سے بیٹھا اپنے موبائل پر آئی ہوئی اپنی ماں کی مسڈ کال دیکھ رہا تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا اسے کیا کرنا ہے
اب۔ وہ کال کرے یا نہیں۔ آخر تھک کر موبائل اس نے بیڈ کی سائڈ ٹیبل پر ڈالا اور اپنا لپ ٹاپ لے کر بیٹھ گیا۔
اسے ابھی بہت کام کرنا تھا۔

وہ ایک سوفٹ ویئر انجینئر تھا اور یہاں وہ ایک کمپنی کے معاہدے اور اسکا لرشپ کے تحت رہائش پذیر تھا۔ اس کے لئے زندگی ہمیشہ بہت آسان رہی تھی۔ مگر وہ آہستہ آہستہ سب سے حتیٰ کہ اپنے والدین سے کٹنے لگا تھا وجہ وہ خود نہیں جانتا تھا۔

وہ یہاں پیسے کماتے نہیں آتا تھا۔ وہ یہاں اسکا لرشپ پر ایک کمپنی سے معاہدے کے تحت چند سال رہنے آیا تھا۔
پھر اسکا لرشپ ختم ہوتے ہی اسنے اپنے معاہدے کی معیاد بڑھا دی تھی۔ وہ واپس نہیں جانا چاہتا تھا کیونکہ اگر وہ واپس جاتا تو ماں باپ کو مزید اذیت میں مبتلا کرنے کے ساتھ ساتھ خود بھی اسی کیفیت میں رہتا۔

وہ خود سے منسلک کسی بھی رشتے کو کھانا نہیں پارہا تھا۔ حالانکہ وہ ایسا نہیں چاہتا تھا مگر ایسا ہوتا چلا جا رہا تھا۔ سوچوں کی یلغار اتنی تھی کہ تھک کر اسنے لپ ٹاپ بند کیا اور بیڈ کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔

وہ یونہی جھیل لگوڑے جا رہا تھا۔ لوگ معمول کی طرح اسے دیکھتے اور گزر جاتے مگر اسے ایک سر پر واہ نہیں تھی۔ اسے اپنے گرد موجود لوگوں اور اشیاء سے کوئی غرض نہیں تھی۔ وہ بالکل بیگانہ ہوا بیٹھا تھا۔ معاً ایک فٹ بال آیا اور اس کے گھٹنے سے ٹکرا کر گھاس پر اس کے قدموں کے پاس گر گاگ۔ جھیل سے اربکا زوٹ چکا تھا۔ ماتھے پر تیوری نے جگہ بنائی۔ فٹ بال اٹھنے کو نیچے جھکا ہی تھا جب زنانہ جو گزر نظر آئے۔ اس نے چہرہ اوپر اٹھایا تو وہ لڑکی اسے ہی دیکھ رہی تھی گویا فٹ بال اسی کا تھا۔ اس نے فٹ بال اٹھایا، بازو پر کیے اور ہلکے سے جھٹکے سے ہوا میں اچھال دیا جسے لڑکی نے پھرتی سے کیچ کیا تھا۔ وہ دوبارہ اپنے عمل میں مصروف ہو چا تھا جبکہ لڑکی آنکھیں سیڑے اسے دیکھ رہی تھی۔ لیکن وہاں اسے کسی سے کوئی غرض نہ تھی۔ اسے اسے پہلے بھی دیکھا تھا وہ ہمیشہ اسے اپنی اسی مخصوص جگہ پر ہی بیٹھا دکھاتا تھا۔

وہ کافی دیر دور ایک بیچ پر بیٹھی اسے دیکھتی رہی مگر لڑکے کے بیٹھنے کے انداز میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ اس روز کے بعد اسے دیکھنا اور نوٹ کرنا اسکی عادت بنتا گیا تھا۔

آج کل پر یا مکمل فراغت سے تھی تو اسکے پاس وقت ہی وقت تھا جو کتنا نہ تھا۔ وہ بور ہونے لگی تھی کیونکہ آج کل اس کے ڈیڑھی سا تھ نہ تھے۔

پر یا کے ڈیڑھا انڈیا کے شہر دہلی کے رہائشی تھے مگر بہت عرصہ پہلے وہاں سے کیلیفورنیا شفٹ ہو گئے تھے جس کے باعث وہ یہاں کے نیشنلٹی ہو لڈر بھی تھے۔ پر یا کی اکلوتی اولاد تھی جبکہ انکی محبوبی انامیکا جن سے انہیں خود سے زیادہ پیار تھا انہیں چھوڑ کر چلی گئیں۔ انہیں اپنی اس چھوٹی سی فیملی سے عشق تھا مگر انامیکا کی موت نے انہیں ادھ مو کر دیا تھا۔ اگر انہوں نے ریش مادھو سے پر یا کی پرورش کا وعدہ نہ لیا ہوتا تو اب تک وہ بھی جانے کہاں ہوتے۔ ریش پر یا کو لے کر امریکہ کے شہر کیلیفورنیا میں رہائش پذیر ہو گئے اور ایک رومی عورت کو پر یا کی تربیت کیلئے رکھ لیا۔ پر یا انکو نبی کہتی تھی۔

ریش مادھو کو اپنی بیٹی سے بہت پیار تھا۔ پر یا کا بھی ان کے اور نبی کے علاوہ کوئی دوست نہ تھا۔ نہ ہی وہ کسی کو اپنا دوست بنانا پسند کرتی تھی۔ مگر پہلی دفعہ یوں ہوا تھا کہ پر یا ریش نے کسی کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانے کا سوچا تھا۔ وہ اسٹوڈیو میں بیٹھی سوچوں میں غرق تھی کہ اچانک اسے ڈیڈ کی کال موصول ہوئی۔ وہ کھل اٹھی تھی۔ پچھلے دنوں کی

کے ختم ہونے کا تھوڑا سا وقت تھا۔

کال کے دوران وہ اُلٹج بھی بناتی رہی تھی۔ کال مکمل ہونے کے بعد اس نے موبائل ایزل کے سائڈ ٹیبل پر رکھ دیا تھا۔
واپس کینوس کی طرف متوجہ ہونے پر اسے معلوم ہوا کہ کچھ دیر پہلے ذہن میں موجود اس لڑکی کو اس نے بہت مہارت
کے ساتھ سچکھ کیا تھا۔ وہ خود بھی حیران تھی۔ وہ اچانک اٹھی اور اپنے کمرے میں جا کر تیار ہوئی اور نینی کو ساتھ لے کر
باہر نکل آئی۔ نینی کو پہلے ڈیپائمنٹل سنٹور چھوڑا اور خود ایک بار پھر اسی پتے پر چل پڑی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ میٹنگ میں مصروف تھا جب اسکے سیل فون کی بقی جلنے بجھ گئی۔ اس نے اپنی پریزنٹیشن جاری رکھی۔
میٹنگ کے اختتام پر ہمیشہ کی طرح اس نے داد و تحسین اکٹھی کی۔ مگر اس کا دھیان مکمل طور پر آنے والی فون کال کی طرف ہو چکا
تھا۔ فون اسکے گھر سیارہا تھا۔ اور فون کرنے والے اسکے دل و جان سے عزیز بابا تھے۔ حیران تھا کہ اسکے دل دکھانے
کے عمل کی وجہ بھی وہ اسے یاد رکھتے تھے۔ بھول جاتا تھا کہ وہ ان کا خون تھا۔ خون دور ہو سکتا ہے۔ بھول نہیں سکتا۔
ہماری چشم کی حیرانیوں میں

اداسی کے سوا کچھ بھی نہیں ہے

اس نے ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے پتے کی بن کارخ کیا۔ وہاں پہنچ کر وہ کرسی پر بیٹھا اور لیپ ٹاپ آن کر کے لائن
(ویڈیو کالنگ ایپ) (آن کیا اور۔۔۔۔۔)

یہاں پہنچ کر اسے سمجھ نہیں آتا تھا کہ ماما یا بابا سے وہ کیا بات کرے گا۔ بابا آن لائن تھے۔ کچھ سوچتے ہوئے اس نے
بابا کے کانٹن پر کلک کیا۔ کال جانے لگی۔ تھوڑی دیر بعد بابا نے کال ریسیو کر لی تھی۔ اس نے بابا کی آواز سنی تو
دل بھرا یا تھا۔ مگر اس نے ان پر کچھ بھی ظاہر نہیں ہونے دیا تھا۔

وہ مگن سے انداز میں بات کر رہا تھا۔ ماما اس سے بات کرتے ہوئے رو پڑی تھیں۔ بابا ان کو دلاسے دے رہے
تھے۔ وہ دل ہی دل میں شرمندہ تھا مگر کیا کرتا وہ جانے کیوں مجبور سا تھا شائد انا کے ہاتھوں۔۔۔ وہ گھر جانا چاہتا تھا
لیکن جان نہیں پاتا تھا۔

یونہی باتوں کا سلسلہ منقطع ہوا تو وہ پھر سے کام میں مصروف ہو گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ دروازے پر کھڑی کب سے ناک کر رہی تھی مگر دروازہ تھا کہ کھل کے نہیں دے رہا تھا۔ جب وہ مایوس ہو کر جانے لگی تو
ساتھ والے اپارٹمنٹ سے ایک خاتون برآمد ہوئیں۔ وہ آنکھیں سکیڑی اسے دیکھ رہی تھیں۔ اس نے موقع غنیمت جانا اور

اور چہرے پر زری کے آثار تھے 'یعنی اچھی خاتون ہیں۔' اس نے دل ہی دل میں سوچا۔
 "تم کہیں ایشین بیوٹی کی بات تو نہیں کر رہی؟" انکی آواز نے اسے متوجہ کیا۔ وہ تذبذب میں انہیں دیکھنے لگی۔
 تو وہ گویا ہوئیں

"یہاں سب ایشین لڑکیاں رہتی ہیں مگر ایک ہی اسکارف لیتی ہیں اور باقی کے مقابلے میں بہت پیاری اور اچھی بچی
 ہے۔ اسی لیے بس میں نے نام رکھ دیا۔ اکثر ملنے آتی ہے مجھے۔ تمہیں اس سے کیا کام ہے؟" اسے تفصیل بتاتے
 ہوئے آخر میں تھوڑی مشکوک ہوئیں۔

"مجھے ملنا تھا اس سے۔ مگر لاسٹ ٹائم بھی وہ نہیں ملی۔" پر یا ماہوسی سے بولی۔
 "وہ کم ہی گھر پر ملتی ہے۔ وہ یا تو نیورسٹی میں ہوتی ہے یا پھر جاب پر۔ تمہیں اس سے کیا کام ہے؟ کیا تم ایسا
 دوست ہو؟ یا کزن ہو؟ تم بھی پاکستانی ہو کیا؟" خاتون کا فی باتونی تھیں پر یا کو اس بات کا اندازہ تو ہو ہی چکا تھا۔
 "ام۔۔۔ کیا آپ مجھے اسکی نیورسٹی یا جاب کی جگہ کا ایڈریس دے سکتی ہیں؟" اسنے کسی بھی بات کا جواب دینے کی
 بجائے اپنے مطلب کی بات پوچھی۔

"تمہیں معلوم نہیں ہے کیا؟" وہ حیران ہوئیں۔
 "جی" بری پھنسی تھی فقط مسکرا کے نہاں میں جواب دیا نہ ناں میں اور واپسی کے لیے مڑ گئی۔
 "ویسے میں مسز جوزف ہوں" ان کی آواز آئی تو وہ بھی پلٹ کر مسکرائی اور واپس مڑ گئی۔
 خاتون بھی کندھے اچکا کر آگے بڑھ گئیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"کیا گند پھیلانے رکھتی ہوا پنا۔" کا تھ نے اسکا گان اور اسکارف اٹھایا اور گول مول کر کے اسکے بنک پر پھینک دیا۔
 'کا تھ میں اٹھانے ہی والی تھی ابھی تھکی ہوئی۔۔۔"

"کیا تھکی ہوئی؟ ہر وقت تھکی رہتی ہو زندگی عذاب کر رکھی ہے تم نے۔ اپنی چیزیں اپنی الماری اور بنک تک محدود رکھا
 کرو۔" ابھی وہ بات مکمل بھی نہ کر پائی تھی جب کا تھ نے اسکی بات کاٹی اور پھر اسکے سینڈلز کو پاؤں مارا جس سے وہ لڑھکتے
 ہوئے دروازے کے پاس جا پہنچے۔ اس نے بحث کرنا مناسب نہ سمجھا اور اپنی سینڈلز اٹھانے آگے بڑھ گئی۔

کا تھ ایک افغانی لڑکی تھی جس کے ساتھ رہنے پر اسپان باتوں کو بھی برداشت کرنا پڑتا تھا۔ اس اپارٹمنٹ میں
 تین ہی کمرے تھے جن میں سے باقی کے دو کمرے دوسری دولڑکیوں کے تھے جبکہ یہ ایک کمرہ اسے کا تھ کے ساتھ شیئر
 کرنا تھا۔

مجبوری تھی کہ مکمل ڈیوڑھی تو وہ بھی ادا نہیں کر سکتی تھی۔

مگر وہ اپنے ارد گرد کی ہر چیز سے اکتائی رہتی تھی۔ انسانوں تک سے اسے وحشت ہوتی تھی۔ لیکن چونکہ کھانا بنانا اسکی ذمیداری تھی تو کاتھ کو آخر خاموش ہونا ہی پڑتا تھا۔ وہ لڑنے بھڑنے کے باوجود اسکو ساتھ رکھ رہی تھی کیونکہ اسیوہ جتنی بھی بری لگتی ہو بہر حال بہت معصوم اور بے ضرر تھی۔

دوسری طرف اسکا کاتھ کے ساتھ رہنا گزیریتھا کیونکہ وہ نہ تو اکیلی رہ سکتی تھی نہ ہی اکیلی ایک کمرے کے ڈیوڑھے دے سکتی تھی۔ اس میں اکیلی اپنے کھانے پینے کا خرچ اٹھانے کی بھی ہمت نہیں تھی۔ وہ اٹھی اور کھانا بنانے چل دی کہ جتنی بھی تھکاوٹ ہوتی ڈیوڑھی تو آخر ڈیوڑھی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ واپس آئی تو سیدیھی اپنے کمرے میں چلی گئی۔ اسے خود پہ شددید غصہ تھا۔ مینی اسے آوازیں دیتی رہیں مگر اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اسے خود پر رہ رہ کر غصہ آرہا تھا۔ ایک تو اس دن لڑکی سے نام نہیں پوچھ پائی اوپر سے اب وہ مل کے نہیں دے رہی تھی۔ پہلی دفعہ کسی کو دوست بنانا چاہا تھا اور پہلی ہی دفعہ میں دل خراب ہو کے رہ گیا تھا۔

"اب کیا کروں" منہ بسورتی ہوئی وہ لگا تار یہی سوچے جارہی تھی۔

وہ اٹھی اور اپنا ٹیپ نکال کر بیٹھ گئی۔ اس نے دیکھا ڈیڈ کی کئی مسڈکالز تھیں۔ اس نے انہیں کال بیک کی مگر مایوسی ہوئی کیونکہ ڈیڈ آئی لائن نہیں تھے۔ مزید غصہ آیا۔ ٹیپ کو بیڈ پر پھینک کر وہ مینی کو بتائے اور بلائے بنا ہا ہر نکل گئی جبکہ مینی آوازیں دیتی رہ گئیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

آج بھی وہ معمول کی طرح بیٹھا جمیل سے پرے گھاس کو گھور رہا تھا۔ اسے آج سورج کی سرفنی سے کچھ عجیب سی وحشت ہو رہی تھی۔ ہمیشہ کی طرح آج بھی وہ خاموش تھا۔ مگر آج وہ کسی کی نظریں خود پہ محسوس کر رہا تھا۔ اس نے چونک کے اُرد گرد دیکھا مگر سب اپنے آپ میں لگن تھے۔ وہ دوبارہ سے جمیل کے پانی کو دیکھنے لگا۔

لوگ اس کے پاس سے گزر جاتے کیونکہ کسی کو اس سے غرض نہیں تھی۔ بالکل ایسے ہی جیسے اسے کسی سے کوئی غرض نہ تھی۔ لیکن پھر بھی کچھ تو عجیب تھا آج۔۔

وہ کافی دیر سے اپنی جگہ پر بیٹھی اسے نوٹ کر رہی تھی۔ مگر دوسری طرف کوئی تبدیلی نہیں تھی۔ وہ جیسے پہلے دن بیٹھا دیکھا گیا تھا آج بھی ویسے ہی تھا۔ اس کے لگاتار دیکھنے پر وہ کچھ چونکا تھا اور آنکھیں چھوٹی کر کے اسے غور سے

جمال صاحب آج کل پرسکون تھے کہ بیٹے کی آواز سن کے دل کوڈھارس بندھ گئی تھی۔ اب کئی دن آرام سے گزرنے والے تھے۔ دوسری طرف عائشہ بیگم بھی اڑی اڑی پھرتی تھیں۔ ابھی بھی جب وہ آفس سے واپس آئے تو عائشہ انکے پاس آ گئیں۔

"جمال آج سعدیہ کی کال آئی تھی۔ میں نے اسے بتایا کہ عنید سے بات ہوئی تھی۔" وہ مسکراتے ہوئے بتا رہی تھیں۔ جمال صاحب مطمئن ہوئے۔

"اچھا! تو کیا کہتی وہ؟" مکرراتے ہوئے استفسار کیا۔

"کچھ نہیں پہلے تو چپ سی ہو گئی پھر اپنے معمولات بتانے لگی۔ جمال مجھے وہ کچھ پریشان سی لگتی ہے۔"

"بیٹی کی ماں ہے پریشان تو ہوگی ناں بیگم" اوہ سنجیدہ سے ہو کر بولے۔

"ہاں مگر میں نے تسلی دی تھی اسے۔ عنید کا موڈ اچھا تو تھا۔ جمال صاحب "عائشہ پر عجیب ہی کیفیت طاری تھی۔ ایک طرف بہن کا دکھ تو دوسری جانب اولاد کی بے رخی کا غم۔"

"ہم پانچ سال سے تسلیاں ہی دے رہے ہیں عائشہ!"

"میں کیا کروں جمال! اتنے عرصے بعد تو میرے بیٹے نے کال کی تھی اسے ذرا سا بھی کہتی تو اکھڑ جاتا۔ میں تو بچی میں پس رہی ہوں" وہ رو مانسی ہوئی تھیں۔

"ارے ارے آپ تو رونے لگیں۔ حوصلہ رکھیں بیگم ہم مل کر کوئی نہ کوئی حل نکال لیں گے۔" جمال صاحب نے ان کو تسلی دی۔

”انشاء اللہ! چلیں آپ فریش ہو کر آجائیں میں کھانا لگاتی ہوں۔“ عائشہ بیگم یہ کہہ کر باہر نکل گئیں جبکہ جمال صاحب پریشان بیٹھے رہ گئے۔ بھلا یہ بھی ممکن تھا کہ وہ اپنی بیگم کو حوصلہ دینے کے بعد خود نارمل رہ جاتے۔۔۔ لیکن رب سے ناں دلا سے دینے والا۔

"اور بھروسہ کر اس ذات پر۔ جسے موت نہیں آئے گی" الفرقان: (58)

وہ اپارٹمنٹ سے سیدھی اس پتے پر چل دی۔ بیل یہ ہاتھ رکھا تو اٹھانا ہی بھول گئی۔

کسی کے قدموں کی آواز قریب آتی سنائی دی مگر اس نے منہ موڑے رکھا اور بیل سے بھی ہاتھ اٹھانے کی

نہیں کہ : کیا اگر : بن : کتا : بنا : گئے : بن : اے : اے : اے : اے

"کہاں گم ہو گئیں تھیں تم۔ میں تو تمہیں ڈھونڈنے کے چکر میں ناپید ہونے والی تھی۔" "بنا اجازت لئے پر یا اندر داخل ہو گئی تھی۔ جبکہ لڑکی ابھی وہیں کھڑی تھی۔

وہ واپس مڑی۔ اسے وہیں کھڑے دیکھ کر آنکھیں سکیڑیں۔

"اندر نہیں آنا چاہیے تھا کیا مجھے؟" پر یا نے پوچھا۔

"نہیں دراصل میں ابھی تک حیران ہوں۔" وہ خفیف سا مسکرا کر آگے بڑھ گئی تو پر یا بھی اس کے پیچھے چل دی۔ وہ ایک چھوٹا سا اور رنگ و تار یک اپارٹمنٹ تھا۔ پر یا کو سمجھ نہ آیا کہ وہ وہاں سانس کیسے لیتی ہوگی۔

"ویسے۔۔۔" پر یا نے ویسے پر زور دیا تھا۔

"پہچان تو لیا ہے نا؟"

"ام۔۔۔ شاید نہیں۔" مسکراہٹ ہونٹوں کے گوشوں سے چھب دکھا رہی تھی جسے چھپانے کو لڑکی نچلا ہونٹ بھیجنے ہوئے تھی۔

"وا! مجھے اچھا لگا سن کر۔" پر یا کی آنکھوں میں شرارت تھی۔

"خیر یہ بات بھی نہیں ہے۔" لڑکی جھینپ گئی تھی۔ "دراصل آپ اس ملک کی ایک اچھی اور معیاری فیلڈ یعنی پینٹنگ میں ایک نام رکھنے والی وہ واحد شخصیت ہیں جو مجھے واقعی کھوجتی رہی ہیں۔"

"باقی چھوڑو یہ بتانا لمبا فقرہ بول کیسے گئیں تم؟" اس نے کہا تو وہ لڑکی ہلکا سا ہنس دی۔

وہ دونوں کمرے میں آچکی تھیں۔ لڑکی اس دن سے مختلف حلیے میں تھی۔ اس نے گلابی لمبی اور کھلی قمیض کے ساتھ کالے رنگ کا چوڑی دار پاجامہ پہنا ہوا تھا۔ جبکہ بال فرنج ٹیل میں بندھے تھے جو اس کی کمر تک آتے تھے۔ ایک مفلس سر پرٹکا یا ہوا تھا۔ پر یا نے ایک آدھ حسرت بھری نظر اس کی چوٹی پر بھی ڈالی تھی کیونکہ اس کے اپنے بال کندھوں سے بمشکل نیچے آتے تھے، جنہیں وہ پونی ٹیل میں جکڑے رکھتی تھی۔

پر یا سامنے ایک بنک پر بیٹھ چکی تھی۔ اور لڑکی اس کے وہاں بیٹھنے پر کنفیوز ہو رہی تھی۔

"مانتی ہوں نا پھر؟" پر یا آنکھیں مٹکاتے ہوئے گویا ہوئی تھی۔ جبکہ لڑکی اس کی بات سمجھ نہیں پائی تھی۔ سو سوالیہ انداز میں دیکھنے لگی۔

"ارے بھئی مانتی ہوں نا کہ میں نے تمہیں ملکوں ملکوں ڈھونڈا ہے؟" وہ لڑکی ہلکا سا مسکراہٹ ہی پائی تھی۔

"میں تمہاری وہ مسز جوزف سے ملی تھی۔ بہت بولتی ہیں بھئی وہ تو۔ میں بھی اتنا نہیں بولتی۔ شکی بھی بہت ہیں۔" پر یا

مسکراتے ہوئے لڑکی کے منہ پر ہاتھ رکھ کر کہتی تھی۔ "کہاں گم ہو گئیں تھیں تم؟"

پریانے ہاتھ پکڑ کے اٹھا لیا تھا۔ "سنو! میں بس ملنے آئی ہوں تم سے۔ تم نے نام نہیں بتایا اپنا۔"

"عنبرہ" وہ جلدی میں بولی تھی۔

"کیا؟" پریانے ابروا چکا کر بولی تھی۔ جبکہ لڑکی کنفیوزی دکھائی دیتی تھی۔

"عنبرہ"

"یہ تم ہمیشہ بس اتنی ہی بات کرتی ہو؟" وہ خاموشی سے بس ہلکا سا مسکرا دی تھی۔

"بہت مشکل نام ہے تمہارا یا ر۔ میں مسز جوزف کی طرح نک نیم ہی لوگ تمہارا۔"

"اتنا بھی مشکل نہیں ہے اب۔" وہ خفت سے لال ہوئی۔

"ارے بہت مشکل ہے میں نہیں لے سکتی۔ میں تمہیں 'نیو' کہہ کر بلاؤں گی۔" پریانے ہاتھ اٹھاتے ہوئے جیسے فیصلہ دیا تھا۔

"میں کچھ لے آں اب کھانے کو؟ بہت باتیں ہو گئیں اب تو" اس سے پہلے کہ پریانے یا اگلی بات شروع کرتی وہ اٹھی اور جلدی سے باہر نکل گئی۔

اور پریانے کمرے کا جائزہ لینے لگی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اسکی عادت تھی صبح سویرے جاگ کر نماز ادا کرنے کی۔ اس کے بعد جاگنگ کے لئے جانا بھی اسکی عادتوں میں شامل تھا۔ مگر جب سے وہ یہاں آیا تھا تب سے جاگنگ والی عادت بس نام کورہ گئی تھی۔ وہ جانا ضرور تھا مگر وہاں ویسا کچھ نہ تھا جیسا اس کے پاکستان میں تھا۔ وہ خاموشی سے بس اپنی روٹین پوری کرتا تھا۔ جاتا اور بس آ جاتا تھا۔

کچھ دن سے ایک لڑکی اس کو لگا تار نوٹ کر رہی تھی۔ یہ بات اسکے علم میں تھی مگر کل جیسے اکرانے اسے مخاطب کیا تھا وہ حیران تھا۔ اسے ذرا بھی اندازہ نہیں تھا کہ وہ آ کر بات کرے گی اور وہ بھی اتنی بے تکلفی سے۔ اسے شدید تا آ یا تھا۔ اسے یاد تھا کہ جب وہ جھیل کے پاس بیٹھا تھا وہ لڑکی اسکے پاس آئی تھی۔ وہ اپنی ہی سوچوں میں گم تھا جب وہ اچانک سے آئی تھی اس کا منہ غصے سے سرخ تھا۔ "ہیلو!"

وہ ابھی بھی اپنی سوچوں میں گم تھا۔ لڑکی نے اپنا ہاتھ اسکی آنکھوں کے سامنے لہرایا تو وہ چونکا اور سراپر کو اٹھایا تھا جس سے لڑکی کے چہرے پر حیرت نے جگہ بنالی تھی۔

"ہیلو" وہ بے ساختگی سے بولی تھی۔

"ہیلو" وہ بے ساختگی سے بولی تھی۔

جواب دینے سے باز رکھا تھا۔

"میں کافی دن سے تمہیں آبرور کر رہی تھی تم یہیں بیٹھتے ہو۔ کیا یہ جگہ بہت خاص ہے؟" وہ انگلیش میں اس سے باز پرس کر رہی تھی۔ اسے شدید قسم کا تا آ یا۔ کیا مصیبت تھی یہ بھی کہ کوئی اسے نوٹ کر رہا تھا۔

"نام کیا ہے تمہارا؟" جب اس نے کوئی جواب نہیں دیا تو وہ مزید گویا ہوئی تھی۔ جبکہ وہ جھٹکے سے اٹھ آیا تھا۔ بے شک یہ ایک قطعاً غیر اخلاقی حرکت تھی مگر اسکے اپنے حق میں بہت بہتر تھی۔ آج بھی وہ اس لڑکی کی وجہ سے جانا ہی نہیں چاہتا تھا مگر مرتا کیا نہ کرتا عادت سے مجبور ہو کر چلا گیا تھا۔ اور آج اس لڑکی کو وہاں نہ پا کر سکون کا سانس لیا تھا۔ سوچیں کہاں سے کہاں لیے جا رہی تھیں۔

وہ اچانک خیالوں سے چونکا تو یاد آیا کہ آج اسے پروجیکٹ کو فائنلی جمع کروانا تھا۔ وہ کام میں مگن ہو گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"سعدیہ! تم نے بتایا نہیں پھر کب تک آنے کا پروگرام بنا گی بھی؟" عائشہ اپنی بہن سعدیہ کو اپنی طرف بلارہی تھیں۔
"ابھی نور کے بابا سے بات ہی نہیں کی آپا!" سعدیہ کی کمزوری آواز سنائی دی تھی۔

"آج سعدیہ کب آ گی اب؟ جب میں نہیں رہو گی تھی کیا میرے گھر کا رخ کرو گی؟" عائشہ سرسراتے لہجے میں گویا ہوئی تھیں اور سعدیہ کی سمجھ نہ آتا تھا کہاں منہ چھپالیں کہ ایک طرف بہن تھی تو ایک طرف بیٹی۔

"میں آج بات کروں گی نور کے بابا سے اور پھر آپ کو معلوم ہے کہ نور نے کالج آنا جانا ہوتا ہے۔ اگر میں اور کبیر صاحب آتے ہیں تو نور کو کس کے سہارے چھوڑ کر آئیں گے" سعدیہ نے آنسو چھپانے کو لہجہ ہموار رکھا کہ بہن لہجے سے ہی دل کی بات جان لیا کرتی تھی۔

"تو اسے بھی لے آ سعدیہ۔ کیا اس کا دل نہیں کرتا خالہ سے ملنے کو؟"

"آپکو سبھی کچھ تو معلوم ہے آپا" سعدیہ نے ڈھکے چھپا لفاظ میں بات کی تھی اور عائشہ چپ رہ گئی تھیں۔ پھر آہستہ سے گویا ہوئیں۔

"اکیلی ہی آ جانا چلو۔ فہمیدہ کی طرف میں نے تمہارے ساتھ ہی جانا ہے۔ کوشش کرنا جلدی آ جا۔ اور پریشان نہ ہو اگر سعدیہ! میں نے تمہارے بھائی سے بات کی تھی۔ اللہ سے اچھی امید رکھو" اللہ سے ہی تو امید رکھے ہوئے ہیں آپا" وہ بس سوچ کے رہ گئیں۔ اور آہستہ سے فون رکھ دیا تھا۔

دوسری طرف عائشہ امید و بیم کے درمیان ڈلبتی ہوئی عنید کو کال ملانے لگی تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"سوری دیر ہوگئی مجھے۔" وہ اپنے بنک کی طرف بڑھ گئی تھی اور پر یا کو بھی اسی طرف آنے کا اشارہ کیا۔

"یہ بنک کس کا ہے جو تم اتنی کانفیس ہو کر بار بار وہاں سے اٹھنے کا کہتی ہو؟" پر یا نے پوچھا۔
"لڑکی کا ہی ہے بے فکر ہو۔" وہ مسکراہٹ بھیج کر بولی تھی۔

"ہاں یہی ایک فکر تھی بس۔ تھینک گاؤ تم نے کلئیر کر دیا ورنہ میں تو جانے ابھی بھاگ ہی جاتی ناں۔" پر یا طنز یہ انداز میں بولی تو عزیزہ جھینپ گئی۔

"بائے داوے مجھ سے تمہارا اتنا مشکل نام نہیں لیا جا رہا۔" پر یا کافی کاگ پکڑ کر مزید گویا ہوئی۔
"اتنا بھی مشکل نہیں ہے۔" وہ خفگی سے بولی۔

"تمہیں 'نیو' میں کیوں کہہ رہی تھی بھلا؟ معلوم ہے؟" پر یا نے سوالیہ انداز میں ابرو اچکائے تھے۔ وہ صرف نفی میں سر ہلا سکی تھی۔

"فائنڈنگ نیو ایک انیمیڈ مووی ہے۔ اس میں ایک مچھلی کا نام نیو ہوتا ہے۔ گم ہو جاتی ہے وہ اور یوں کہانی آگے چلتی ہے تو اصل مقصد میرا یہ تھا کہ تم اسی مچھلی کی طرح گم رہتی ہو۔ یہ نام تمہیں سوٹ کرے گا۔" پر یا بڑے مزے سے بیٹھی باتیں کر رہی تھی جب اچانک سے کمرے کا دروازہ کھلا تھا اور کا تھہ اندر چلی آئی تھی۔

"اب یہ کونسی نئی مصیبت ہے جسے اپنے ساتھ میرے سر پرے سوار کرو گی تم؟" وہ غصے سے سیدھی عزیزہ کے پاس جا کھڑی ہوئی تھی۔

"کا تھہ یہ میری مہمان ہیں بس۔" وہ منمننائی تھی۔

"واٹ ایور! لائچ میں بٹھا اپنی مہمان کو۔ اور بہتر یہ ہے کہ اسے چلتا کرو۔" وہ بدتمیزی سے کہتی اپنے بنک کی طرف مڑ گئی تھی۔ جبکہ شرمندہ سی عزیزہ اٹھی اور پر یا کا ہاتھ پکڑ کر باہر نکل آئی۔

"اسکی عادت ایسی ہی ہے دل پہ مت لینا۔" اسے لئے وہ ایک صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔

"تم ایک چڑیل کے ساتھ گزارو کیسے کرتی ہو؟" راز دارانہ انداز میں پوچھا گیا تھا۔ "وہ اچھی ہے۔ یہ تو بس کبھی کبھی ہو جایا کرتا ہے۔"

"یہ میں کیسے مان جاں کہ تم کبھی کسی کی بلا وجہ بھی تعریف کرتی ہو؟"
"میں نے بلا وجہ تعریف نہیں کی۔"

"میری تو کسی وجہ کی بنا پر بھی نہیں کی تھی۔" اس نے منہ بنایا۔

"تمہیں خند نہ آئے۔"

"میں کسی فلاسفر سے کم ہوں کیا؟"

"میرا خیال ہے مجھے چلنا چاہیے کہیں میں بھی تمہارے طبقے میں سے نہ ہو جاں۔ بات کرتی ہو تو حیران کرتی ہو اور نہیں کرتی تو بس منہ دیکھنے پر مجبور کرتی ہو گھنٹی کہیں کی"

"ہو ہی نہ جانا" مسکرا کر طنز کیا گیا تو پھر یا حیرانگی سے مڑی۔ "تم بھی نیو؟"

"سوری!" عزیزہ خفت اور شرمندگی کے احساس کے ساتھ بولی۔ "نہ نہ۔۔۔ اچھا لگا مجھے۔ اور میں تو کہہ رہی تھی کہ تم بھی طعنے مار لیتی ہو؟" پھر یا ہنسے لگی تھی۔

"میں نے مذاق کیا تھا بس"

"اوہ گرل ٹیک اٹ ایزی۔ نیو مائنڈ" پھر یا نے اسکا ہاتھ پکڑتے ہوئے خجالت دور کرنے کو کہا تو وہ ہلکے سے مسکرا دی۔

"اب میں جتنی ہوں نیبی ویٹ کرتی ہوگی۔ اور تم پلیز اب کی بار غائب مت ہونا رابطے میں رہنا"

عزیزہ اسے چھوڑنے دروازے تک آئی تھی۔ اب کی بار وہ اس سے نمبر لینا نہیں بھولی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"مما آپ نے بات کی بابا سے؟" پھر یا کے جانے کے بعد وہ کمرے میں آئی تھی۔ کاتھ کمرے میں نہیں تھی۔ اسنے موقع غنیمت جان کر اپنا لپ ٹاپ نکالا اور پاکستان کال ملائی تھی۔ اب وہ اپنی ماں سے بات کر رہی تھی۔

"کہاں آپی! آپ کی یہ لیڈی ڈیانا بہت مصروف ہوتی ہیں اصل بات ہی بھول جایا کرتی ہیں باقی تو سب ہی باتیں بابا تک پہنچ جاتی ہیں" جواب ماں کی بجائے بہن نے دیا تھا۔ وہ ہنس دی۔

"مما یہ کیا بات ہوئی۔ میں نے کہا تھا ناں کہ ایک ہفتے کے اندر اندر بابا سے بات کر لیے لگاتا کہ میں کوئی جواب دے پاں آگے" وہ زوٹھے پن سے بولی۔

"وہ آج کل دکان کا مال آیا ہوا تھا تمہارے بابا اسے سیٹ کرنے میں مصروف تھے۔ تھکے ہوئے آتے تھے کیا بات کرتی" وہ بہانہ بتاتے ہوئے بولیں۔

"میں خود بات کرتی ہوں ان سے پھر" وہ بولی۔

"میں نے کہا ناں بات کروں گی۔ کیوں فالٹو کی ضد کرتی ہو؟" وہ غصے سے گویا ہوئیں

"ضرور کریں اور جلدی کریں۔ ویسے بھی وہ مان جائیں گے۔ اور نہیں مانتے تو بھی آپ زور دیکھئے گا مان جائیں

گ

"وہاں اگر بابا شراکت داری کر لیں جو کہ ضرور ہی کریں گے انشا اللہ، تو دکان والے کاموں سے جو تھک جاتے ہیں تو وہ بچت ہوگی دوسرا بابا کا ایکسپیرینس ہے سامان کی شپنگ کا۔ وہ سب اچھے سے ہینڈل کر لیں گے اور سر، جن سے میں نے بات کی ہے ان کا ہاتھ بھی بٹ جائیگا" وہ تفصیل سے بتانے لگی۔

"پھر میں بابا سے بات کرتی ہوں آج۔ مماسے نہیں ہوتا یہ۔۔۔" وہ ماں کو طنز لگا کے فوراً سے ہٹ گئی مبادہ کان ہی نہ کھینچ لیں۔

انابہ رحمن (ڈیرہ غازی خان)

ہاں تم ہمیشہ مجھ سے پوچھتی ہونا کہ مجھے کیوں ایمان نام پسند ہے کیوں تمہارے قدم ایمان نام سن کر رک جاتے ہیں کیوں ایک سحر میں میں جگڑ جاتی ہوں کیوں ایمان نام کی کسی بھی بچی کو دیکھ کر پاگلوں کی طرح اتنا پیارا تنے لاڈ اٹھاتی ہو کیوں تم نے اپنی آئی ڈی کا بھی نام ایمان رکھا جب ایک سال بعد آئی بھی تو اس نیم سے تم سب نے بہت کہا میں نہیں آئی واپس یوز کرنا چھوڑ دیا سب سوشل میڈ ورک سب کچھ بھول گئی تھی اپنی زندگی کا مقصد سٹیڈیز اپنا ایگزٹک بھول گئی ایک دم زندگی سے کیوں ہار گئی اتنا پیارا کیوں ہوگی یور نیور ٹی تک چھوڑ دی سر کے کہنے پر



انسان کے لئے۔ تو سنو میں آج تمہیں وہ سچ وہ سیکرٹ بتاتی ہوں جو میں بے اس انسان سے بھی آج تک شہیر نہیں کیا جسے میں نے دنیا میں سب سے زیادہ محبت کی نہایت کبھی بھی اپنی وہ کنڈیشن بتائی جب فرسٹ ٹائم ہمارے درمیاں ایمان کو لے کر بات ہوئی تھی کہ مجھے اس وقت کیا فیمل ہوا کیسے میرے جسم سے جان نکل گئی تھی کیسے میں دن رات روتی رہی خود سے لڑتی رہی تھی کہ نہیں یہ مجھے کیا ہوا پتہ ہے اور پھر جب لڑتے لڑتے تھک گئی تو ایک صبح میں نے وہ بول دیا جس کا میرے جیسی لڑکی کرنا تو دور سوچنا بھی گناہ سمجھتی ہے اس لئے مجھے یہ نام بہت پسند ہے اور شائد میری زندگی بھی ہے کیونکہ یہ وہ نام ہے جس نے مجھے اپنی محبت میں سڑ ونگ بنا دیا تھا اتنا سڑ ونگ کہ میں جب بھی کبھی سوچتی ہوں تو مجھے جسٹ خواب لگتا ہے یہ سب کہ میں کیسے سب بول گئی تھی جو شائد میری جیسی لڑکی مرکز بھی نہ کرتی جو لڑکی کبھی اپنے حق کے لئے نہیں لڑی اپنے بڑوں کے سامنے جس نے نظر تک نہیں اٹھائی اس نے اپنی محبت کا اظہار کر دیا تھا مجھے اور کیسے کرگئے پتہ ہے کیوں وہ عام دنوں میں سے ایک عام دن تھا لیکن میرے لئے نہیں تھا اتنا خوف ناک انکشاف مجھ پر ہوا تھا جب ڈیورنگ چیٹ مجھے کہا کہ اسے ایک لڑکی سے محبت ہو گئی اور مجھے نہیں پتہ یہ سنتے ہی میرے ہاتھ کاٹنے لگے اور میرے ہاتھوں سے آئی

کوشش کرتے ہوئے کہا مجھے بھی دیکھنی ہے پلیز پک دکھائیے اور میں پک دیکھتے ہوئے بھی بہت ڈر بھی رہی تھی کہ میرے لئے یہ مرحلہ بہت پین فل تھا ہانی۔ اور جب مجھے پک سینڈ کی تو میں روتے روتے مسکرا رہی تھی اس ننھی پری سے تو شائد کسی کو بھی محبت ہو سکتی ہے وہ تھی ہی اتنی چھوٹی معصوم سی اور مجھے بھی پھر جیسی جیسے جذبات معدوم ہوتے دکھائی دیئے اپنے دل سے اور یہ انسان جو اس وقت سے پہلے میرے لئے بہت عام تھا عام سے بھی عام اور مجھے نہیں پتہ تھا وہ ایک عام سا انسان اس حد تک میری روح میں بس جائے گا شائد اسلئے کہ جس لڑکی نے کبھی اپنے محرم رشتوں کے علاوہ کبھی اپنے کزن تک سے بات نہیں کی اس لئے جب مجھے ایک مرد کی محبت محسوس ہوئی تو بہت سچی گہری بغیر کسی لالچ کے اپنی تمام تر سچے جذبولوں سے۔ مجھے کوئی ملال کوئی افسوس نہیں اس بات پر اور اپنی محبت پر مجھے بہت فخر بہت مان ہے ابھی بھی کہ میری محبت بہت پاکیزہ بہت معصوم ہے ہانیہ کیوں جب جب میں نے دعا کی اپنے رب سے مجھے ہمیشہ سکون ملا مجھے لگا میں نے غلط کیا سب لیکن نہیں میری محبت تو بہت پاکیزہ معصوم ہے پل پل میرے رب نے مجھے یہ یقین دلایا اپنی بالکل ایمان کی طرح اسکے معصوم چہرے کی طرح اس معصوم پری کی طرح ہی رہی بات محبت کا نام لانا وہ الگ بات ہے لیکن پھر نکاح

جھوٹ پر نہیں رکھنا چاہتی تھی انہوں مجھے فورس کیا اور پھر جب میں آئی تو پہلے ہی میں نے انہوں نیم کا بتا دیا تھا کہ میں اس نیم سے آئی ڈی بنا گی اور وہ مان بھی گئے ہانیہ اگر وہ نامانے تو شائد میں کبھی بھی ایسا نہ کرتی وہ بہت تعریف کرتے میری بہت۔ میری آواز سنے بغیر انہوں سکون نہیں ملتا تھا میں نے کبھی خود سے انہوں فون نہیں کیا کہ میں خود کو ان کی محبت کے قابل نہیں سمجھتی تھی وہ مجھ پر بہت پراڈ کرتے تھے ہانیہ اتنا کہ میں گر جاتی اپنی نظر میں اور رب تعالیٰ سے دعا کرتی کہ میرے دل میں بھی اس انسان کی محبت ڈال دے یا رب مجھے خیانت سے بچالے اور رب نے میری دعا سن لی کہ میں نے اپنے رشتے سے خیانت نہیں کی ہاں اس انسان کی محبت پر میرا بس نہیں تھا اسلئے ہمیشہ بہت روتی اپنے رب کے حضور اور جہاں تک محبت کی بات مجھے لگا تھا رخصتی کے بعد وہ بھی ہو جائے گی اور کسی بھی رشتے کے لئے پہلی شرط عزت ہوتی ہے لیکن میں غلط ثابت ہوئی

کہ انہوں ایک دم سے یہ کہاں سے وہم ستانے لگے کہ میں رخصتی نہیں کرنا چاہتی ہاں بوجھ کراگور کرتی ہوں لیٹ کر رہی جان بوجھ کر ذہنی شادی کو تم سوچ بھی نہیں سکتی میں کتنا ٹوٹی اس وقت جبکہ میں ہر بات نکاح سے پہلے ہی کلینر کر چکی تھی کہ مجھے جسٹ آپ سے کچھ ٹائم چاہئے آپ کی ہیلپ چاہئے اس وقت ہر بات دل

جسٹ فار میٹلی پوری کرتی ہوں ہائے ہیلو کر کے ان سے صبر نہیں ہوا کہ میں تو ایک مشرقی لڑکی ہوں اور نکاح کی پاکیزہ بولوں میں تو بہت طاقت رکھی ہے اللہ پاک نے تو پھر کیسے انہوں میں یقین دلائی میں تھک گء ٹوٹ گء ہانیہ انہوں یقین دلا دلا کر پہلے ہی میں تو ٹوٹی ہوئی تھی ایک مرد کی بے انتائیوں زیادتی سہہ سہہ کر اسلئے ہی میں نے سب سچ ان کے سامنے رکھا لیکن نہیں وہ اپنی ایگو میں اس حد بڑھ گئے کہ اتنے پیارے پاکیزہ رشتہ کا مزاق بنا کر رکھ دیا اور پھر جب ان کا ظلم دیکھتے ہوئے مجھے بابا نے سمجھایا کہ ظلم سہتا بھی گناہ ہے بیٹا بابا جسٹ ایک بات پوچھوں آپ سے میں نے کہا بابا نے کہا جی بابا کی جان پوچھو۔۔ کیا سچ بولنا گناہ ہے کیا سزا بولنے کی اتنی بڑی سزا دی جاتی ہے کہ آپ کے ککڑے ککڑے کر دیئے جائے آپ کی عزت و ناموس کا جنازہ نکال دیا جائے تو میں ہوں گناہ گار بابا میں پھوٹ پھوٹ کر روئی ہانی تم سوچ بھی نہیں سکتی بہت کھڑی آزمائش تھی مجھ پر بابا آپ یقین کیجئے میں نے ایسا کچھ نہیں سوچا نہ ہی ایسا چاہے میں بہت مخلص ہوں اور آپ تو جانتے ہیں نا آپ کی بیٹی مر کر بھی ایسا کچھ نہیں کر سکتی جس سے میرے بابا کی عزت پر عرف آئے بابا نے کہا میں اچھی طرح جانتا ہوں میری بیٹی کبھی بھی کوئی بھی ایسا کام نہیں کر سکتی تھی اپنی بیٹی اور سچ کا ساتھ دیتے ہوئے انتہائی قدم اٹھانے پر

لوگوں کو اس ظالم دنیا کو سمجھنا کا موقع دیا ہوتا تو آج میری بیٹی کے ساتھ یہ سب نہ ہوتا میں اپنی بیٹی پر کیا ہر ظلم اس باگاہ الہی پر چھوڑتا ہوں اب آپ بھی آگے جو ہو گا سب رب تعالیٰ پر چھوڑ دو اور خلع کا کیس دائر کر دیا ساتھ میں بابا نے پراس بھی لیا کہ اپنی سہمی کمپلیٹ کروں ہیلتھ کا بہت خیال رکھوں گی رونا نہیں جب بھی اکیلا پن محسوس ہو۔۔ جائے نماز پر بیٹھ کر رب سے باتیں کرنا ان کے سامنے اپنا دکھ شہیر کرنا انہی کے سامنے رونا جسٹ کسی انسان کے سامنے کبھی بھی کمزور خود کو ظاہر نہ کرنا تم تو چہرہ دیکھنا کیسے سکون ملے گا تمہیں اور آج میں بہت سکون میں ہوں ہانی تم نہیں جانتی اس وقت میں بابا سے کہنا چاہتی تھی مجھے نہیں لینی ڈائیسورس میں مر جاں گی میری روح تک زخمی تھی لیکن نہیں اب میں سکون میں ہوں جب وہ مجھے ہر روز پل پل مارتے تھے طنز کے تیر میری روح میں چھو پتے تھے۔ اللہ پاک جو بھی کرتا ہے ہانی ہمیں لگتا ہے اس وقت کہ بہت برا ہوا لیکن جو صبر کر لے اور دکھ کے فوراً ملنے پر شکوہ زبان سے نہ نکالے الحمد للہ پڑھ لے اور رب کے نہ دینے میں بھی دینا دیکھ لے تو تم یقین مانو تمہیں وہ سب مل جاتا ہے جو تمہیں ابھی تک حاصل نہیں ہوا ہوتا اور ایک بات جو تم ہمیشہ مجھ سے پوچھتی ہو کہ تم اپنے ہر پینڈے شکوہ نہیں تم نے اس گھٹیا ظلم انسان کو معاف کیوں کیا اور اس بھی بڑھ کر اس

تمہاری معصوم بے غرض محبت کو چھوڑ کر تمہیں رولا کر دھوکہ دے کر راہ فرار کر لی اور آج بھی اس کے لئے دعا کیوں کرتی ہوں میں تو سنوں کیونکہ مجھے بشر میں پوری دنیا میں جسٹ ایک انسان سے سب سے زیادہ محبت ہے اور تم یہ بھی جانتی ہو میری محبت بہت معصوم ہے یہ میرے بس میں نہیں کہ رب تعالیٰ جس کے لئے چاہے دلوں میں محبت ڈال دے یہ ہم انسانوں کے بس کی بات نہیں نا ہی ہم لوگوں میں انتظارف اور میں بہت روئی اپنے اللہ پاک کے سامنے میرے لئے یہی بہت ہے اس نے مجھے بھٹکے نہیں دیا۔۔ میرا ساتھ نہیں چھوڑا کبھی بھی ہر آزمائش میں میرے ساتھ رہا کیا یہ کم ہے اور جہاں تک اس انسان کی دوری کا سوال وہ کیوں گیا کیوں ایسا کیا تو مجھے اس انسان پر اس انسان کی محبت پر بہت مان یقین تھا کہ مجھے کبھی نہیں چھوڑ سکتے تنہا پوری دنیا چھوڑ سکتی ہے نا کبھی مجھے رونے دے گے میری آنکھوں میں آنسو دیکھ ہی نہیں سکتے میری مسکراہٹ میری خوشی کے لئے کچھ بھی کر سکتے ہیں ہانی شاید اس لئے اللہ پاک کو پسند نہیں آیا میرا ایک انسان کے لئے اتنی شدید محبت اور ایسا سوچنا ایسا غرور یقین کرنا اس لئے میرا غرور اللہ پاک نے توڑ دیا۔ اور میں تو شکر گزار ہوں انکی کہ اس انسان نے مجھے اپنے رب تعالیٰ سے ملا دیا مجھے اپنے رب تعالیٰ کے بہت قریب کر دیا مجھے اپنے رب تعالیٰ سے مانگنا

سکون اللہ پاک کے لئے اللہ پاک کے لئے اللہ پاک کے لئے

اور لگن کے بل بوتے پر جب اس قابل ہوئی کہ وہ اپنے پیروں پر کھڑی ہو سکے تو سب عزیز و اقارب نے راستے میں پتھر پھینکنے کے کام سے خوب انصاف کیا۔ وہ پھر بھی نہ مانی۔ باپ کے جدائی کے بعد اک حوصلہ ہی تو تھا جس کی انگلی اس نے کبھی نہیں چھوڑی تھی۔ (باقی ماں تو اسے جیتے جی مار کر موہ مایا کی دنیا میں کہیں گم سی ہو گئی تھی۔) اور اسی حوصلے نے اس کو وہ مقام بخشا کہ اس سے جلنے والے خود اس کا میاں بی کی سیڑھی پر اپنی منزل تلاش کرنے لگے۔ وہ ایثار و قربانی کا پتلا بنی سب نام کے اپنوں اور بیگانوں کے ہاتھوں استعمال ہوتی

رہی۔ پھر بھی مسکراتی رہی کہ وہ اپنا حوصلہ اب تک نا ہاری تھی۔ ایک روز کسی نے اسے خبر دی کہ اس کے کسی اپنے نے اپنی زندگی سے بے زاری کا اعلان کر دیا

ہے۔ وہ خود زندگی سے جنگ میں گن ہونے کے باوجود اس کو زندگی کے قریب لائی اسے اک نیا حوصلہ بخشا۔ جینے کی چاہ سے اس کی آس بندھائی پر دیکھتی دیکھتے اسی اپنے نے اس کے اندھے اعتماد کا سہارا لے کر اس کے حوصلوں کو پرزہ پرزہ کر ڈالا۔ بے یقینی کے عالم میں غوطے کھاتی وہ آج بھی یہی سوچتی ہے۔ کب تک نفسا نفسی کے اس دور میں بھی اس کے

جیسے بیوقوف ایثار کا پتلا بنے اپنا تماشہ خود کرواتے رہیں گے کبھی ان اپنوں کے ہاتھوں جو بیگانوں سے بھی بدتر ہیں۔ اور کچھ ان بیگانوں کی خاطر جو اپنائیت کا جھانسا

کیوں ناکروں انکے لئے دعائیں وہ جہاں رہے خوش رہے اللہ پاک کی امان میں رہے۔۔۔
اللھم آمین۔۔۔ اوکے بابا اب ایسے نہیں دیکھوں کلاس کا ناظم ہو گیا ہادی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اچھا اب یہ نہیں کہنا جو ہمیشہ کہتی ہو پتہ نہیں کس مٹی سے بنایا مجھے رب نے جیسا بھی بنایا شکر اللہ کا الحمد للہ رب العالمین۔۔۔

اب سکون مل گیا ہوگا تمہیں امید کرتی ہوں ورنہ سکون جیسا روڈ تمہاری لئے نہیں بنا اور ہانی پھر شروع تھی اپنی نیچر کے مطابق۔ !!!

ایثار کا صلہ

معصومہ ارشاد سولنگی

کسی نے سچ ہی کہا ہے کہ یہ خود غرضی کا زمانہ ہے اس لیے آج کل ایثار کو کوئی فائدہ نہیں۔ جو بھی ایثار نام کی چڑیا کو پالتا ہے اسے زندگی کا پیچرہ خوشیوں اور سکون سے خالی ہی ملتا ہے۔ کیا نی ایک ایسی لڑکی کی جس نے ایثار کو اپنا کر اپنا آپ گنوا دیا۔

اس نے بڑے ہی جتن کے بعد اس کالج میں داخلہ لیا تھا۔ داخلے کی فیس کے لیے اس نے دن رات اپنی آنکھوں کو رنگین دھاگوں کی الجھنوں سے گزارا تھا۔

مانگا ہے تجھے سجدوں میں

ہادیہ امجد

جب ایک بات شروع سے طے ہے کہ تمہاری شادی مجھ سے ہی ہونی ہے تو پھر مسئلہ کیا ہے۔ زوار نے کمرے میں چکر کاٹتے ہوئے صوفے پر بیٹھی زل سے کہا۔ جب میں کہہ رہی ہوں کہ مجھے آپ سے شادی نہیں کرنی تو کیوں مجبور کر رہے ہیں مجھے سب۔ زل غصے سے بولتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔ انکار کی کوئی وجہ ہوتی ہے جو تم دے نہیں رہی۔ زوار نے اسی طرح چکر کاٹتے ہوئے کہا۔ کیا یہ وجہ کافی نہیں کہ میں ہی انکار کر رہی ہوں۔ زل نے اسکی پشت کو گھورتے ہوئے جواب دیا۔ اب دیکھتا ہوں تم کیسے انکار کرتی ہو۔ زوار نے اسکی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ کیا کر لیں گے آپ؟ ہاں؟ سوچیں شادی والے دن عین نکاح کے وقت میں نے انکار کر دیا تو کیا عزت رہ جائے گی آپکی اور باقی سب کی بھی۔ زل نے پیچھے ہٹتے ہوئے کہا۔ تو زل میڈم یاد رکھنا دلہن تو تمہیں میری ہی بننا ہے۔ میری زندگی میں شامل تم اپنی مرضی سے ہی ہوگی۔ میں اب تمہیں حاصل کر کے رہوں گا۔ اب یہ میری بھی ضد



اسکی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ اسکی آنکھیں
شدت ضبط کی وجہ سے سرخ ہو رہی تھیں۔ زل کو اسکی
آنکھوں سے خوف آنے لگا۔ ویسے بھی دوا سکے اتنا
قریب تھا کہ دوا اسکی آتی جاتی سانسوں کو با آسانی محسوس
کر سکتی تھی۔ دوا ہستہ سے اسکے پہلو سے نکل کر کمرے
سے چلی گئی۔ زوار نے غصہ سے دیوار میں مکارا۔ اس
وقت وہ غصے اور بے بسی کی ملی جلی کیفیات سے دوچار تھا
زل کے انکار کی وجہ اسکی سمجھ سے بالاتر تھی۔

یار آبی کیوں انکار کر رہی ہیں زوار بھائی سے شادی
کرنے سے۔ اتنے اچھے تو ہیں وہ۔ امی بابدانوں اتنا
پسند کرتے ہیں انھیں اور بابا انھیں اپنا بڑا بیٹا کہتے ہیں
انکار کرنا ہے تو کوئی ٹھوس وجہ بھی ہو۔ نور نے سبب
کھاتے ہوئے زل سے پوچھا۔ اف ایک تو مجھے سمجھ
نہیں آتا کہ تم سب کو زوار صاحب میں نظر کیا آتا
ہے۔ جسے دیکھو وہی لگا ہوتا ہے زوار ایسا زوارویسا۔
بھء کان پک گئے ہیں میرے زوار صاحب کی شان
میں قصیدے سنتے سنتے زل نے نیل پالش لگاتے
ہوئے اکتاے ہوئے لہجے میں کہا۔

اچھا تو آپکو ڈاکٹر کو چیک کروایں بھء کانوں کے بغیر
بھی کوئی زندگی ہے۔ علاج کروایں آپ۔ صحیح مشورہ
دے رہا ہوں۔ زوار نے کمرے میں داخل ہوتے
ہوئے کہا۔ اس نے زل کا آخری جملہ سن لیا تھا۔ زوار
بھائی آپ؟ کب آئے؟ اکیلے آئے ہیں سعد نہیں آیا

شرمندگی محسوس کر رہی تھی کہ اس نے زل کی باتیں سن
لی تھیں۔ چلو جی! ہو جائے گی اب زوار صاحب کی
خاطر مدارت شروع۔ زل بڑبڑائی۔ آپ نے مجھ سے
کچھ کہا۔ زوار نور کے پہ در پہ سوالوں کو نظر انداز کر کے
زل سے مخاطب تھا۔ مجھے آپ سے کچھ کہنے کی کیا
ضرورت ہے۔ ڈاکٹر کو چیک کرانے کی مجھے نہیں آپکو
ضرورت ہے۔ بلا وجہ ہی کان بجتے رہتے ہیں آپکے
۔ وہ انتہائی بدتمیزی سے کہتے ہوئے کمرے سے چلی گئی
۔ زوار آرام سے صوفے پر بیٹھ کر سبب کھانے لگا۔ نور
حیران پریشان دروازے کو دیکھ رہی تھی جس سے کچھ
دیر قبل زل گئی تھی۔ تم کیوں کھڑی ہو؟ بیٹھو۔ زوار نے
نور سے کہا۔ وہ زوار بھائی نور بچپن جاتے ہوئے بولی
۔ بولو کیا کہنا چاہ رہی ہو۔ زوار مکمل طور پر اسکی طرف
متوجہ ہوا۔ آپی بہت بدتمیزی کر جاتی ہیں۔ پتا نہیں انکو
کیا ہو گیا ہے۔ انکی طرف سے میں سوری کرتی ہوں
۔ اس نے شرمندگی سے کہا۔ زوار مسکرا کر اٹھا اور اسکے
سر پر پیار دے کر باہر نکلے لگا۔ زوار بھائی بیٹھیں نا می
آتی ہوں گی۔ وہ اسکے پیچھے لپکی۔ میں پھر آ جاں گا اور
زل کی وجہ سے تمھ معافی مانگنے کی ضرورت نہیں۔ وہ
اداسی سے مسکرایا اور چلا گیا۔

نور اسے سگی بہن کی طرح عزیز تھی۔ اسکی اپنی کوئی بہن
نہیں تھی۔ اسے بہن کی کمی شدت سے محسوس ہوتی تو وہ
نور کے پاس چلا آتا۔ اس سے پیار کرتا۔ اسکے نخرے

تھے۔ دونوں بھائی تھوڑے دنوں بعد اٹھ کھانا ضرور کھاتے تھے۔ چاہے ایک دوسرے کے گھر ہوں یا کسی ہوٹل۔ اسی طرح انھیں اپنی اپنی مصروف زندگیوں سے مل بیٹھنے کا بہانہ مل جاتا تھا۔ کھانے کے بعد سب بڑے آپس میں باتیں کرنے لگے تو بچے اٹھ کر بھر لان میں آ گئے۔ اور شعر سنانے لگے۔ ان میں زوار موجود نہ تھا۔ زوار فون پر کسی سے بات کر رہا تھا۔ جب عادل نے اسے آواز دی۔ ادھر آجائیں بہت مزہ آ رہا ہے۔ کس سے فون پے باتیں کر رہے ہیں۔ آ رہا ہوں۔ زوار نے فون سائیڈ پر کرتے ہوئے جوابا کہا۔ فون بند کر کے زوار جب سب کے ساتھ آ کر بیٹھا تو اسکے نام کے نعرے لگنے لگے۔ مقصد صرف یہ تھا کہ اب کی بار وہ کوئی شعر یا غزل سنائے۔ زمل اپنے خیالوں میں کہیں گم تھی۔ زوار کے نام پر چونکی تو اس کا چونکنا زوار کی نظروں سے چھپا نہ رہ سکا۔ مجھے بھول جانے کا دعوہ اپنی جگہ۔۔۔

میرے نام پر ترا چونکنا اچھا لگا۔۔۔

زوار نے مسکرا کر یہ شعر پڑھا تو زمل غصے میں اٹھ کر وہاں سے چلی گئی۔ آپنی کو کیا ہوا؟ سعد حیران تھا۔ تمہاری آپنی کو دورے پڑتے ہیں کبھی کبھی۔ خیر اب کس نے سنا نا ہے شعر۔ زوار نے توجہ مبذول کرانے کی کوشش کی۔ لیکن بھائی انہیں ہوتا کیا جا رہا ہے۔ وہ ایسی تو نہیں تھیں۔ سعد ہنوز پریشان تھا۔ ان سے ہی

باتوں پر اب وہ چڑ گئی تھی۔ سعد حیران ہو کر نور کو دیکھنے لگا۔ عادل تم سنا اب کوئی شعر۔ زوار نے عادل سے کہا۔ نہیں آج آپ سے کوئی غزل سنیں گے ہم۔ چلیں شروع ہو جائیں۔ عادل نے اپنی جان چھروائے ہوئے زوار سے کہا۔ اتنے میں زوار کا فون پھر سے بجنے لگا تو وہ اٹھ کر چلا گیا۔

گلد مارنگ ڈیڈ۔ زوار نے ناشتے کی ٹیبل پر آ کر حماد گیلیانی سے کہا۔ جو پہلے ہی وہاں بیٹھے جوس پیتے ہوئے اخبار پڑھ رہے تھے۔ گلد مارنگ بیٹا، کیا حال ہے؟ انہوں نے اخبار سائیڈ پے رکھتے ہوئے خوشدلی سے پوچھا۔ ٹھیک ہوں۔ اس نے آہستہ سے کہا جو حماد گیلیانی نے خاص نوٹ نہیں کیا۔ کیا لوگے بیٹا۔ اتنے میں فرزانہ بیگم بچن سے انڈے فرائی کر کے رکھتے ہوئے بولیں۔ چائے۔ اس نے چائے کپ میں انڈے پیتے ہوئے کہا۔ پراپر ناشتہ کرتے ہیں زوار کتنی بار سمجھایا ہے۔ حماد صاحب نے تھوڑا ناراض ہوتے ہوئے کہا۔ بعد میں کر لوں گا نا ڈیڈ۔ میں سعد کو بلاتی ہوں یہ کہہ کر فرزانہ بیگم وہاں سے چلی گئیں۔ اور تیار کی کیسی چل رہی ہے۔ انہوں نے چشمہ اتار کر تمام تر اسکی طرف متوجہ ہوئے پوچھا۔ ٹھیک چل رہی ہے۔ زوار نے چائے کا گھونٹ بھرا۔ اور ٹیسٹ کب ہے؟ اس اتوار کو۔ اس نے جواب دیا۔ تھوڑے دن وہ رہ گئے

اس اتوار کو۔ اس نے جواب دیا۔ تھوڑے دن وہ رہ گئے

یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے۔ انہوں نے اسے کندھے پر تھکی دی۔ میرا بیٹا بہت ہونہار اور لائق ہے۔ ان شا اللہ کامیاب ہو گے۔ شکریہ ڈیڈ۔ اس نے کہا تو وہ باہر کی طرف بڑھ گئے۔ زوار انہیں اللہ حافظ کہنے آیا۔ ارے میں بھول ہی گیا۔ زل سے بات ہوئی؟ انہوں نے چیخے آتے زوار کی طرف مڑتے ہوئے سر پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ نہیں۔ یک حرفی جواب آیا۔ ہوں۔ کہ کر گاڑی میں بیٹھ گئے۔ اتنے میں ڈرائیور نے گاڑی آگے بڑھائی۔ زوار کچھ دیروہیں کھڑا زل کے بارے میں سوچتا رہا۔ پھر سر جھٹک کر چلا گیا۔

زوار سی ایس ایس کے امتحان کی تیاری کر رہا تھا۔ اسلیے آجکل گھر سے کم ہی باہر نکلتا تھا۔ ایس پی بننا اسکا خواب تھا اور وہ اس خواب کو پورا کرنا چاہتا تھا۔ اسلیے اس نے اپنی تمام توجہ پڑھائی پر کی ہوئی تھی۔ لیکن کبھی کبھی جب درمیان میں زل کا خیال آ جاتا تو وہ اپنی تمام کوشش کے باوجود پڑھائی پر توجہ نہ کر پاتا۔ اور اب بھی اسکے ساتھ یہی ہوا تھا۔ وہ پڑھنے لگا تو زل آ سامنے کھڑی ہوئی اور وہ خیالوں ہی خیالوں میں اس سے باتیں کرنے لگا۔ اس سے صحیح سے بات وہ تب ہی کر سکتا تھا۔ وہ چپ چاپ سنتی جاتی اور وہ سناتا جاتا۔ تم پھر آ گئی؟ تم بھی نا۔ ویسے تم اتنا روڈ لی بات کرتی ہو اور ایسے آ کر تنگ کرتی ہو۔ اس نے چیزیں سمیٹتے

اے ایس پی کی وردی سنتی اچھی لگے گی نا مجھ پر۔ ایک تو تم نا کچھ بولتی بھی نہیں۔ چلو اچھا ہے میری صرف میری سنتی ہو۔ ایسے اچھی لگ رہی ہو۔ زل سامنے بیٹھی مسکرا رہی تھی۔ وہ الوزن کا شکار ہو رہا تھا۔ ویسے ایک بات تو بتا تم اتنا نخرہ کیوں دکھاتی ہو۔ بات کرنا پسند نہیں کرتی۔ مانا کے نخرہ تم پر سوٹ کرتا ہے۔ لیکن کچھ مجھ غریب کا بھی خیال کر لیا کرو۔ زوار بھوکھا کر رہے ہو۔ اتنا بھی بندہ پڑھائی میں گم کیا ہوا کے ارد گرد سے ہی خبر ہو جائے۔ فرزانہ بیگم اسکے سر پر کھڑی بول رہی تھیں۔ اسکا الوزن ٹوٹا۔ زل چلی گئی اور وہ واپس حواسوں میں آیا۔ کیا ہوا۔ اس نے حیرانی سے پوچھا۔ کب سے کھانے کے لیے بلا رہی ہوں۔ ایک تم ہو کے۔ وہ شدید غصے میں تھیں۔ آپ چلیں۔ میں آ رہا ہوں۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھا۔ اب آ بھی جانا۔ ادھر ہی پھر سے بیٹھے نہ رہ جا۔ وہ کہتی ہوئی چلی گئیں۔ کیا ہو جاتا ہے مجھے اس نے سامنے آینے میں دیکھتے ہوئے کہا۔ اور ہاتھ روم کی طرف چل دیا۔

کہاں رہ گے تھے زوار۔ کہہ کر بھی آئی تھی۔ سارا کھانا ٹھنڈا ہو گیا ہے۔ دو منٹ اور نہ آتے تو سعد کو بھیجنے والی تھی میں۔ فرزانہ بیگم نے اسکے آگے پلیٹ رکھتے ہوئے کہا۔ بھائی جلدی آ جایا کریں۔ اتنی بھوک لگی ہوتی ہے اور ہمارے گھر تو تب تک کھانا شروع نہیں ہوتا جب تک ایک ایک نفوس ادھر نہ آ پہنچے۔ سعد نے

ارادہ کیا اور پرسکون ہو گئی۔

پریشان ہو؟ انعم نے زل سے پوچھا۔ اس وقت وہ دونوں کینے ٹیریا میں بیٹھی تھیں۔ نہیں۔ زل اسکی طرف متوجہ ہوئی۔ اچھا۔ مجھے لگا۔ انعم کہہ کر خاموش ہو گئی۔ کیا سوچ رہی ہو؟ انعم نے زل کے آگے چٹکی بجاتے

ہوئے کہا۔ یار گھر میں پھر میری اور زوار کی منگنی کی بات ہو رہی ہے۔ اس نے اپنی پریشانی بتائی۔ ہاں تو

مسئلہ کیا ہے۔ فضول کا انکار کر رہی ہو۔ انعم نے کندھے اچکائے۔ مجھے وہ پسند نہیں۔ واہ! بڑی اچھی وجہ ہے

۔ کیوں پسند نہیں۔ کیا چاہیے جو اس میں نہیں ہے۔ انعم نے اسکی کلاس لی۔ حد ہے تم سب لوگ ایک ہی بات کیوں کر رہے ہو۔ زل چڑکربولی۔ حد ہم نہیں تم کر

رہی ہو۔ جواب انعم غصے سے بولی۔ یار پلیز۔ تم میری مدد نہیں کر سکتی تو سمجھا بھی مت۔ اس نے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے کشاکش اب بس۔ کوئی بحث نہیں۔ انعم

نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا مگر چپ رہی۔ لیکن تم کیا کرو گی۔ اس سب کے کچھ دیر بعد انعم پھر سے گویا

ہوئی۔ دیکھو۔ ابھی تو امی نے بات کی ہے۔ انہوں نے اپنا پیغام پھینچا دیا ہے۔ ابو نے بات کی تو بھی منع کر

دوں گی۔ نہیں تو زوار سے بات کرنی پڑے گی۔ زل نے ایسے بتایا جیسے یہ سب کرنا کوئی مسئلہ ہی نہیں تھا۔

اور اگر زوار بھی نہ مانا۔ انعم نے اسے ڈرانے کی کوشش

کچھ نہ کچھ کھایا ہونا ہے۔ حماد صاحب نے سائن ڈالتے ہوئے کہا۔ بابا۔ سعد نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا تو فرزانہ بیگم ٹوکنے لگیں۔ چپ کر کے کھانا کھا سعد۔ زاور مسکرا کر سعد کو دیکھنے لگا۔ تو وہ اسے بس گھور کر رہ گیا۔

کیا کر رہی ہوزل۔ رخسانہ بیگم نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے پوچھا۔ کچھ نہیں بس انعم سے بات کر رہی تھی۔ اس نے نتیجہ ناپ کرتے ہوئے جواب دیا۔

یونیورسٹی کیسی چل رہی ہے؟ انہوں نے بیڈ پر اسکے پاس بیٹھتے ہوئے اگلا سوال کیا۔ ٹھیک مزے میں۔ اس

نے موبائل سائیز پر رکھ کر تمام توجہ انکی طرف کی۔ اچھا تو فری کب ہونا ہے۔ بس اگلے مہینے کے شروع میں فائنل ہیں۔ اس نے پیار سے سرا انکی گود میں رکھتے

ہوئے کہا۔ اللہ تعالیٰ کامیاب کرے۔ وہ اسکے بال سہلانے لگیں۔ ہم چاہ رہے تھے کہ زوار کے ٹیسٹ کے بعد باقاعدہ منگنی کر کے تم لوگوں کا رشتہ پکا کر دوں۔

تمہارا کیا خیال ہے؟ اماں! کتنی مرتبہ کہا ہے مجھے زوار سے شادی نہیں کرنی۔ اسنے گود سے سر اٹھاتے

ہوئے انکی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ میں کچھ نہیں کہہ سکتی جو تمہارے باپ کا فیصلہ ہوگا تمہیں ماننا ہوگا۔

انہوں نے کہا اور وہ کمرے سے اٹھ کر چلی گئیں۔ زل حیران بیٹھی تھی۔ زندگی مجھے گزارنی ہے۔ زبردستی

کریں گے تو نہ میں خوش رہ پاؤں گی نہ اسے خوش رکھ

شام کو بہت بڑی گید رنگ کا انتظام کیا گیا تھا۔ مسٹر اور

مسز حماد گیلانی کے علاوہ زوار بھی ریسپشن پر کھڑا
مہمانوں کو خوش آمدید کہہ رہا تھا۔ اور ساتھ مبارکبادیں
وصول کر رہا تھا۔ جبکہ سعد مہمانوں کے درمیان چمکتا
پھر رہا تھا۔ قد کا ٹھ نکال لیا تھا مگر حرکتیں وہی بچوں والی
تھیں۔ اس کے برعکس زوار سنجیدہ طبیعت کا حامل تھا مگر
وہ سعد کو بچگانہ حرکتوں سے منع نہیں کرتا تھا بلکہ اسکی
شرارتوں سے لطف اندوز ہوتا تھا۔ وہ اگلے گھر کی رونق

تھا۔ کچھ دیر بعد فرحان گیلانی اپنے اہل و عیال کے
ساتھ تشریف لائے تو زوار زل کو دیکھ کر کھل اٹھا تھا۔
اسکی خوشی دوبا لا ہو گئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد کھانا کھل گیا
اور سب کھانے میں مصروف ہو گئے۔ زل، نور، سعد
اور عادل ایک ہی میز پر بیٹھے کھا رہے تھے۔ مبارک ہو
تمہیں بہت۔ آخر تمہارا بھائی اب اے ایس پی بن گیا
ہے۔ زل نے کھانا کھاتے ہوئے طنز کر کے کہا

پریشان ہو؟ انعم نے زل سے پوچھا۔ اس وقت وہ
دونوں کیفے ٹیریا میں بیٹھی تھیں۔ نہیں۔ زل اسکی طرف
متوجہ ہوئی۔ اچھا۔ مجھے لگا۔ انعم کہہ کر خاموش ہو گئی۔ کیا
سوچ رہی ہو؟ انعم نے زل کے آگے چمکی بجاتے
ہوئے کہا۔ یا رگھر مین پھر میری اور زوار کی منگنی کی
بات ہو رہی ہے۔ اس نے اپنی پریشانی بتائی۔ ہاں تو
مسئلہ کیا ہے۔ فضول کا انکار کر رہی ہو۔ انعم نے کندھے
اچکائے۔ مجھے وہ پسند نہیں۔ واہ! بڑی اچھی وجہ ہے

مبارک ہو بیٹا۔ مجھے پہلے ہی پتا تھا میرا بیٹا بہت ہونہار
ہے۔ آج تم نے ہمارا سر فخر سے بلند کر دیا ہے۔ اپنا
بھی خواب پورا کر لیا۔ اب منزل زیادہ دور نہیں ہے۔
ہمارا فخر ہمارا مان ہوتم۔ حماد گیلانی نے زوار کو گلے سے
لگا کر تھکی دیتے ہوئے کہا۔ تھنک یو ڈیڈ۔ میری محنت
سے زیادہ آپکی دعاؤں کا نتیجہ ہے۔ زوار نے عاجزی
سے کہا۔ بھئی آج تو گرینڈ پارٹی ہونی چاہیے۔ اور مینیو
میں ڈیسانڈ کروں گا۔ سعد نے زوار کے ساتھ بیٹھے
ہوئے کہا۔ ضرور۔ ہم اپنے بیٹے کی خوشی ضرور سیلبر
یٹ کریں گے۔ فرزانہ بیگم نے اسے پیار کرتے ہوئے
کہا۔ زوار اپنے ماں، باپ، چچا، دادا، دادی سب کا ہی
لاڈلہ تھا۔ مگر اس سب نے اسکی عادتیں خراب نہیں
کی تھیں۔ وہ بہت ہی ڈسینٹ اور سو بر تھا۔ اس نے سی
ایس ایس کے ٹیسٹ میں فرسٹ پوزیشن لی تھی۔ اور
اس کے گھر والے بہت خوش تھے۔ میں چچا کو فون کر
کے بتاؤں زوار نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ہاں ضرور جا
حماد گیلانی نے اسے خوشی سے جانے کی اجازت دی
اور خود پارٹی کے انتظام کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے
۔ اوہ مسٹر مینیو ڈیسانڈر۔ انہوں نے باہر جاتے سعد کو
مخاطب کیا۔ اور ہاں۔ شام میں پارٹی کا انتظام کر رہا
ہوں۔ گھر کے انتظام آپ دیکھ لیں۔ اور ضروری
چیزیں نوٹ کروادیں۔ آخر کو ہمارے بیٹے کے لیے

لاڈلہ تھا۔ مگر اس سب نے اسکی عادتیں خراب نہیں کی تھیں۔ وہ بہت ہی ڈسینٹ اور سوہر تھا۔ اس نے سی ایس ایس کے ٹیسٹ میں فرسٹ پوزیشن لی تھی۔ اور اس کے گھر والے بہت خوش تھے۔ میں چچا کو فون کر کے بتا آں زوار نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ہاں ضرور جا۔ حماد گیلانی نے اسے خوشی سے جانے کی اجازت دی۔ اور خود پارٹی کے انتظام کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اوہ مسٹر مینیو ڈیسا نڈر۔ انہوں نے باہر جاتے سعد کو مخاطب کیا۔ اور ہاں۔ شام میں پارٹی کا انتظام کر رہا ہوں۔ گھر کے انتظام آپ دیکھ لیں۔ اور ضروری چیزیں نوٹ کروادیں۔ آخر کو ہمارے بیٹے کے لیے بہت بڑا دن ہے۔ انہوں نے واپس مڑتے ہوئے فرزانہ بیگم سے کہا۔ وہ جی ٹھیک کہہ کر اٹھ گئیں۔

شام کو بہت بڑی گید رنگ کا انتظام کیا گیا تھا۔ مسٹر اور مسز حماد گیلانی کے علاوہ زوار بھی ریسپشن پر کھڑا مہمانوں کو خوش آمدید کہہ رہا تھا۔ اور ساتھ مبارکبادیں وصول کر رہا تھا۔ جبکہ سعد مہمانوں کے درمیان چہکنٹا پھر رہا تھا۔ قد کاٹھ نکال لیا تھا مگر حرکتیں وہی بچوں والی تھیں۔ اس کے برعکس زوار سنجیدہ طبیعت کا حامل تھا مگر وہ سعد کو بچگانہ حرکتوں سے منع نہیں کرتا تھا بلکہ اسکی شرارتوں سے لطف اندوز ہوتا تھا۔ وہ اگلے گھر کی رونق تھا۔ کچھ دیر بعد فرحان گیلانی اپنے اہل و عیال کے ساتھ تشریف لائے تو زوار ازل کو دیکھ کر کھل اٹھا تھا۔

کیوں کر رہے ہو۔ زمل چڑ کر بولی۔ حد نہ نہیں تم کیمر رہی ہو۔ جواباً انعم غصے سے بولی۔ یار پلیز۔ تم میری مدد نہیں کر سکتی تو سمجھا بھی مت۔ اس نے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے کشاکش اب بس۔ کوئی بحث نہیں۔ انعم نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا مگر چپ رہی۔ لیکن تم کیا کرو گی۔ اس سب کے کچھ دیر بعد انعم پھر سے گویا ہوئی۔ دیکھو۔ ابھی تو امی نے بات کی ہے۔ انہوں نے اپنا پیغام پھینچ دیا ہے۔ ابو نے بات کی تو بھی منع کر دوں گی۔ نہیں تو زوار سے بات کرنی پڑے گی۔ زمل نے ایسے بتایا جیسے یہ سب کرنا کوئی مسئلہ ہی نہیں تھا۔ اور اگر زوار بھی نہ مانا۔ انعم نے اسے ڈرانے کی کوشش کی۔ تو پھر یہ لوگ زبردستی نہیں کر سکتے میرے ساتھ۔ اس نے گویا ناک سے کھچی اڑا۔

مبارک ہو بیٹا۔ مجھے پہلے ہی پتا تھا میرا بیٹا بہت ہونہار ہے۔ آج تم نے ہمارا سر فخر سے بلند کر دیا ہے۔ اپنا بھی خواب پورا کر لیا۔ اب منزل زیادہ دور نہیں ہے۔ ہمارا فخر ہمارا مان و ہتم۔ حماد گیلانی نے زوار کو گلے سے لگا کر تھکی دیتے ہوئے کہا۔ تھینک یو ڈیڈ۔ میری محنت سے زیادہ آپکی دعا کا نتیجہ ہے۔ زوار نے عاجزی سے کہا۔ ابھی آج تو گرینڈ پارٹی ہونی چاہیے۔ اور مینیو میں ڈیسا نڈ کروں گا۔ سعد نے زوار کے ساتھ بیٹھتے ہوئے کہا۔ ضرور۔ ہم اپنے بیٹے کی خوشی ضرور سلیمبر

موڑا تو اس میں غلط کیا ہے۔ زوار نے اسکی بات سمجھتے ہوئے نا سمجھی سے کہا۔ یہ رشتہ بچپن سے طے ہے اور غلط یہ ہے کہ مگنکی نہیں کرنا چاہتی۔ جواب آیا۔ ادھ! تو یہ بات ہے ہم ڈائریک شادی کر لیتے ہیں۔ مگنکی کے جھجھٹ میں پڑتے ہی نہیں اس نے مسکراہٹ دبا کر سنجیدگی سے جواب دیا۔ شادی تو بعد کی بات ہے زوار صاحب۔ یہ جو رشتہ ہمارے بڑوں نے طے کیا ہے میں اسے ہی توڑنا چاہتی ہوں۔ اس نے زوار کی طرف مڑتے ہوئے کہا۔ ک۔۔۔ کیا؟؟ تم مذاق کر رہی ہو نا؟ اس نے اپنا کوٹ اتارتے ہوئے ایسے کہا جیسے اسے غلط سمجھ آء ہو۔ میں کوئی مذاق نہیں کر رہی۔ آپ یہ رشتہ ختم کر دیں۔ اسکا انداز بے لچک تھا۔ لیکن کیوں۔ زوار اسکے انکار کی وجہ جاننے سے قاصر تھا۔ کیوں کہ میں شادی نہیں کرنا چاہتی۔ میرے ساتھ یا کسی کے ساتھ بھی نہیں۔

آپ سے۔

وجہ پوچھ سکتا ہوں۔

میں بتانے کی پابند نہیں ہوں۔

میں پھر بھی پوچھوں گا۔

میں نے کہا نا میں پابند نہیں ہوں۔ چاچا کر کہا گیا۔

جب ایک بات شروع سے طے ہے کہ تمہاری شادی

مجھ سے ہی ہونی ہے تو پھر مسئلہ کیا ہے۔ میں نے کہا

میں بتانے کی پابند نہیں۔ وہ جواباً غصے سے کہہ کر چلی گئی

اور عادل ایک ہی میز پر بیٹھے کھا رہے تھے۔ مبارک ہو تمہیں بہت۔ آخر تمہارا بھائی اب اے ایس پی بن گیا ہے۔ زمل نے کھانا کھاتے ہوئے طنز کر کے کہا۔ سعد ہاتھ روک کر حیرانی سے اسے دیکھنے لگا۔ آپی۔ نور نے اسے ٹوکا۔ چپ رہو تم۔ زمل جواباً غصے سے بولی۔ اچھا نہیں کر رہی ہیں آپ۔

تم اپنے کام سے کام رکھو۔

بعد میں پچھتا میں گی آپ جب کچھ ہاتھ نہیں آے گا۔ میں حال میں جینے والی ہوں۔ مستقبل کی فکر نہیں

کرتی۔ کندھے اچکا کر جواب دیا گیا۔ سعد اور عادل انھیں نا سمجھی کے عالم میں دیکھ رہے تھے۔ نور اسے چھوڑ

کر کران دونوں کے ساتھ باتوں میں مصروف ہو گئی۔

اور زمل کھانا کھاتے ہوئے مسلسل زوار کو ڈھونڈ رہی

تھی۔ کچھ دیر بعد اسے زوار وہاں کسی کے ساتھ باتوں

میں مصروف نظر آیا تو وہ اٹھ کر اس کے پاس گئی۔

ایکسکیو زمی۔ اس نے قریب جا کر زوار کے پیچھے سے

کہا۔ زوار چونک کر مڑا۔ زمل کیا ہوا۔ وہ اپنے پاس

اسکی اچانک آمد سے حیران تھا۔ بات سنو ذرا۔ میں

اندر ہوں۔ وہ آہستگی سے کہتے ہوئے گھر کے اندرونی

حصے میں چلی گئی۔ زوار دو منٹ کہتا ہوا اسکے پیچھے گیا۔

کیا ہوا زمل۔ خیریت ہے نا؟ وہ اسکے اس طرح بلانے پر

حیران تھا۔ زمل نے اسے ایک نظر دیکھا۔ بلیک پیٹ

کوٹ میں بلا کا حسین لگ رہا تھا۔ زمل اپنے فیصلے پر

لگ بھگ اسی لمحے سنسٹھہا کہ اسے ک

سامنے آج شام کا سارا منظر گھونگے لگا اور زوار کا چہرہ

سامنے آتے ہی اس نے آنکھیں کھول دیں۔ اسکی سوچیں۔ اسکی حالت اسکے چہرے سے عیاں تھی۔ اس کے منگنی سے انکار پر ہی وہ ہارے ہوئے جواری کی طرح محسوس ہو رہا تھا۔ مگر زل کیسے اتنی سنگدل ہو گئی تھی۔ کیسے ضدی ہو گئی تھی۔ یہ سب اسکی اپنی سمجھ سے باہر تھا۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ اس سے شادی نہیں کرنی تو نہیں کرنی۔ بے جا منطق۔

جب سے زل اس سے شادی سے انکار کر کے گئی تھی وہ سکتہ کی حالت میں تھا۔ اور اپنی ہی کامیابی کے اعزاز میں دی جانے والی پارٹی میں شریک نہ ہو سکا۔ کئی بار سعد اور فرزانہ بیگم بلانے گئے لیکن وہ سر درد کا بہانہ کر کے نہ گیا۔ وہ تب سے مسلسل سوچ سوچ کر پاگل ہو رہا تھا۔ سب کی طرح وہ بھی انکار کی وجہ سمجھنے سے قاصر تھا۔ وہ زل کا رویہ بہت پہلے سے دیکھ رہا تھا مگر نظر انداز کر رہا تھا کہ یہ سب وقتی ہے۔ آہستہ آہستہ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ مگر اب تو کچھ ٹھیک ہوتا نظر نہیں آ رہا تھا۔

اسکا لہجہ اسکی باتیں اسکی سوچ اور ارادوں کی عکاسی کر رہے تھے۔ وہ زل کو کسی قیمت پر بھی کھونا نہیں چاہتا تھا۔ سب کیسے ٹھیک ہو سکتا ہے یہ سوچ سوچ کر اسکا دماغ پھٹ رہا تھا۔ مگر اسے حل نظر نہیں آ رہا تھا۔

کیا بات ہوئی ہے آج آپکی زوار بھائی سے۔ کیا کہ کر آء ہیں۔ نور نے زل کو مخاطب کیا۔

حماد گیلانی کے گھر سے واپسی کے بعد نور سونے کی تیاری کر رہی تھی اور زل لیپ ٹاپ پر مصروف تھی۔ جب نور نے اس سے پوچھا۔ زل نے دو سیکنڈ کے لیے کام روک کر اسے دیکھا پھر دوبارہ کام کرنے لگی۔

آپ سے کچھ پوچھ رہی ہوں؟ اب کی بار نو کو غصہ آیا۔ تمہارے ساتھ مسئلہ کیا ہے؟ میں جو بھی کروں۔ میں اس سے بات نہیں کرتی تو تم کہتی ہو۔ اب کی ہے بات تو تمہیں تجسس ہے۔ خدا کا واسطہ مجھے میری زندگی اپنے طریقے سے گزارنے دو۔ میں کسی بھی قسم کی مداخلت ب

پسند نہیں کرتی۔ زل نے اسکے آگے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا اور اٹھ کر باہر چھت پر چلی گئی۔ ہر کسی کے ساتھ ناراض ہیں یہ تو۔ نو کو اس کے رویے نے تکلیف دی تھی۔ آنسو صاف کر کے وہ سونے کی کوشش کرنے لگی۔

زل کے پیچھے جانا بیکار تھا۔ زل چھت پر آ کر کچھ دیر بے مقصد چکر لگاتی رہی اور پھر تھک کر وہاں پڑی چیز پر بیٹھ گئی۔ بچپن سے لے کر اب تک کے واقعات اسکی نظروں کے سامنے فلم کے سین کی طرح چلنے لگے۔ اسے کوئی ایسی بات یا کوئی واقعہ یاد نہ آیا جس کو وجہ

ہو سکے کہ وہ اس شادی سے انکار کرتی رہے۔

وہ شادی سے انکار کر رہی ہے۔

میں منالوں گا اسے۔

وہ نہیں مانے گی۔

میری محنت میں کوئی کھوٹ نہیں۔

لیکن وہ نہیں چاہتی۔

اسے دلہن تو صرف میری بننا ہے۔ میری اور صرف

میری۔ اس نے سائینڈ پر پڑا گلاس دیوار پر دے مارا

۔ گلاس کر پچی کر پچی ہو گیا۔ لیکن اسکے اندر کی حالت

ویسی ہی رہی۔ اندر کی آگ ویسے ہی جلتی رہی اور

اسے جھلساتی رہی۔ اس آگ کو ٹھنڈا کرنے کے لیے

اسکے پاس کوئی سامان نہیں تھا۔ کچھ دیروہ ویسے ہی

اوندھا منہ بستر پر پڑا رہا۔ پھر ہمت کر کے ہاتھ روم جا

کر شاور کے نیچے کھڑا ہو گیا۔ اندرونی ہیجان کچھ کم

ہونے لگا تھا لیکن ختم پھر بھی نہ ہوا۔

گھر پر ہی ہو؟ مجھے تم سے کچھ ضروری باتیں کرنا تھیں۔

میں بس پندرہ منٹ میں پہنچ رہا ہوں۔ تم تیار رہنا۔

زوار کو ڈیوٹی شروع کیے ابھی کچھ ہی دن ہوئے تھے

۔ جب ایک دن اس نے نور کو فون کیا۔

کچھ دیر بعد وہ انکے گھر موجود تھا۔ چچی جان! میں نور کو

کچھ دیر کے لیے باہر لے جانا چاہتا ہوں۔ اگر آپ کی

اجازت ہو؟ زوار نے انتہائی آرام سے رخسانہ بیگم

سے اجازت طلب کی۔ ہاں بیٹا لے جاتا تمہاری اپنی

نے آتے ہی سلام کے ساتھ چلنے کا کہا۔ ہاں چلو۔ اس

نے اٹھتے ہوئے کہا۔ اچھا چچی جان ہم چلتے ہیں۔ خدا

حافظ۔ زل نہیں چل رہی تم لوگوں کے ساتھ۔ زوار

نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور نور نے غصے میں نہیں کا

جواب دیا۔ اور باہر چلی گئی۔ اس کے پیچھے زوار بھی باہر

نکل گیا۔

کچھ دیر وہ بے مقصد ہی سڑکوں پر گاڑی دوڑاتا رہا۔

دونوں اپنی اپنی سوچوں میں گم تھے۔ گاڑی میں بالکل

خاموشی تھی۔ جب یہ خاموشی طویل ہونے لگی تو نور نے

اسے توڑتے ہوئے پوچھا۔ کیا ضروری بات کرنی تھی

آپ کو۔ زوار ایک دم چونکا۔ ہاں کہیں بیٹھ کر بات

کرتے ہیں۔ تم بتا۔ کے۔ ایف۔ سی چلو گی یا پیزا ہٹ

۔ جہاں آپ لے جائیں۔ نور نے جواب دیا۔ اور

کھڑکی سے باہر جھانکنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد زوار نے

کے۔ ایف۔ سی کے باہر بریک لگی۔ چلو بھئی۔ کہہ کر

گاڑی سے اتر گیا۔

کیا لوگی۔ مینیو کارڈ دیکھتے ہوئے زوار نے نور سے

پوچھا۔ کچھ بھی منگوا لیں۔ جو آپ کی مرضی۔ اس نے

کھانے کا فیصلہ زوار پہ چھوڑا۔ کیوں۔ تمہاری کوئی

مرضی نہیں۔ اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ جواباً نور

ہلکا سا مسکرائی۔

آرڈر کرنے کے بعد وہ کہنے لگا۔ میرا ایک کام کرو گی؟

آپ حکم کریں زوار بھائی۔ احترام سے جواب دیا

گاہک۔

ٹھنڈی سانس کھینچی۔

آپ کو پتہ ہے زل آپی جب سے یونیورسٹی جانے لگی
ہیں وہ تب سے انکار کر رہی ہیں۔ شادی وہ پہلے بھی
آپ سے نہیں کرنا چاہتی تھیں لیکن کھلم کھلا انکار کیا
ہے۔ کچھ دن پہلے امی نے بھی بات کی تھی لیکن جوابا
انہوں نے بہت بد تمیزی کی تھی۔ لیکن شائد بات ابھی
ابونک نہیں پہنچی ورنہ اب تک کوئی جوابی کارواں ہو چکی
ہوتی۔ آپ کے خیال میں میں نے بات نہیں کی ان
سے۔ کی ہے۔ بارہا کی ہے۔ لیکن باقی سب کی طرح
مجھے بھی وہ وجہ نہیں بتا رہی ہیں۔ انکار اب آپ تک
پہنچا ہے۔ مجھے نہیں پتہ کیسے۔ لیکن وجہ میں بھی سمجھنے
سے قاصر ہوں۔ یا تو ابو کچھ کریں گے یا آپ بات کر
کے دیکھ لیں۔ نور نے وضاحت کی۔ میری تو بات وہ
سننے والی نہیں۔ زوار نے چپیں کھاتے ہوئے کہا۔

کیوں آپ بات کیے بغیر ایسے کیسے کر سکتے ہیں۔ نور
نے ابرو اچکا کر سوال کیا۔ ہا ہا ہا اس نے بے جان سا
قہقہہ لگایا۔ جس دن میرے سی۔ ایس۔ ایس کے
رزلٹ کی خوشی میں پارٹی کی گئی تھی اس دن وہ بہت
اچھے سے میرے پر یہ بات واضح کر گئی تھی کہ وہ مجھ
سے شادی نہیں کرنا چاہتی۔ لیکن میں اپنے دل کا کیا
کروں۔ جو صرف اسکے نام پر ہی دھڑکتا ہے۔ اسکے
علاوہ کسی کا ساتھ قبول نہیں کرتا۔ اسکے لہجے میں بے بسی
تھی۔ میں تو آپ کے لیے بہت دعا کرتی ہوں۔ بہت

لیے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ چلو گھر چلتے ہیں۔ نور اسکے پیچھے

اٹھ کھڑی ہوئی لیکن زوار کے آنسو اس سے چھپے نہ رہ
سکے۔ اللہ آپ کے حق میں بہتر کرے اس نے صدق دل
سے دوا دی اور زوار کے پیچھے چل پڑی۔ نور کو گھر
چھوڑنے کے بعد وہ اپنے گھر آ کر کمرے میں بند ہو کر
رہ گیا۔ فرزانہ بیگم کھانے کے لیے بلائے آئیں تو اس
نے انکار کر دیا۔ کہ وہ نور کے ساتھ کھا کر آیا ہے۔ نور
کی باتیں سن کر اس کی تشنگی مزید بڑھ گئی تھی۔ کسی پل چین
نہیں آ رہا تھا۔ زل کے علاوہ اسکے دل میں کوئی اور
لڑکی ساتی ہی نہیں تھی۔ کوئی اور نظر ہی نہیں آتی تھی۔
کتنی بھی کوشش کروں میرے دل سے زل محو نہیں
ہوتی۔ اسکی اس دن کی بات، رویے کے بعد جتنا
بھلائی کی کوشش کرتا ہوں اتنا ہی اضطراب بڑھتا جاتا
ہے۔

میں بہت بے بس ہوں۔

بہت مضطرب۔۔۔۔۔

بہت بے قرار۔۔۔۔۔

یہ کیسی سزا ہے۔۔۔

اور کس بات کی۔۔۔۔۔

کاش مجھے پتہ چلے۔۔۔ میرا قصور؟ میرا گناہ۔۔۔؟؟

میں کس آگ میں جل رہا ہوں۔۔۔

یہ کیسی دوزخ ہے؟

جو اندر ہی اندر مجھے سلگھائے رکھتی ہے۔

کچھ نہیں بڑتی

کرا سکے پاس آ گیا۔ مگر جواباً بزل جو کر کے گئی تھی اس سے اسکو بہت دکھ ہوا تھا۔ مگر کیا ہو سکتا تھا۔

زل سے بات کی آپ نے؟ فرحان گیلیانی نے اسی رات رخسانہ نیگم سے پوچھا۔ وہ انھیں دودھ دینے کے بعد انکے پاس بیٹھی۔ جی۔ انہوں نے سر جھکا کر جواب دیا۔ کیا جواب دیا پھر اس نے۔ وہ گلاس سائنڈ پر رکھتے

ہوئے تمام تر انکی طرف متوجہ ہوئے۔ اسکی طرف سے انکار ہے۔ کیا مطلب؟ وہ اسکا انکار پر حیران رہ گئے کیا کہتی ہے؟ کہ رہی ہے جب پہلے اتنی مرتبہ انکار کر چکی ہوں تو کیوں مجبور کر رہے ہیں۔ رخسانہ بیگم کے لہجے میں تفکر تھا۔ حیدر گیلانی کے رشتہ طے کرنے کے بعد فرحان گیلانی اور انکی اہلیہ رخسانہ گیلانی نے زوار کو اسکے بچپن ہی سے اپنے بیٹے اور بھتیجے کے ساتھ ساتھ داماد کے روپ میں بھی دیکھا تھا۔ زوار خاندان کا بڑا بچا تھا۔ زل کی پیدائش کے وقت ہی فرحان گیلانی نے زوار کو اپنا داماد بنانے کا سوچا تھا۔ جو محض ابھی سات سال کا تھا۔ اور کچھ دنوں بعد ہی انکے والد محترم حیدر گیلانی نے زوار اور زل کا رشتہ طے کر دیا تھا۔ گویا کہ فرحان گیلانی کا خواب پورا ہونے جا رہا تھا۔ صرف فرحان گیلانی ہی نہیں حماد گیلانی نے بھی زل کو اسکی پیدائش پر بہو بنانے کا سوچا تھا۔ انکی اپنی کوئی بیٹی نہیں تھی، زل انھیں اپنی بیٹی کی طرح ہی عزیز تھی۔ لیکن

زل۔۔۔۔۔

بات کروں گا۔ انہوں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔
چاہے تب تک آپ کی لاڈلی کوئی چاند چڑھا چکی ہو۔
رخسانہ بیگم نے جواب دیا۔ میری بیٹی ہے۔ کچھ غلط
نہیں کرے گی۔ انکے لہجے میں فخر تھا۔ رخسانہ بیگم نے
دل ہی دل میں دعا مانگی۔

حماد گیلانی کے گھر آج صبح سے ہی نور اور عادل آئے ہوئے تھے اور سعد کے ساتھ مل کر گھر سجانے میں مصروف تھے۔ آج زوار کی سالگرہ تھی اور نور کو اندازہ تھا کہ پچھلے کچھ دنوں سے اسکی ذہنی حالت ٹھیک نہیں تھی۔ وہ محسوس نہیں کروا رہا یا لگ بات ہے۔ اور اسے اتنا بھی معلوم نہیں تھا کہ خود کی کیفیت چھپانے کے لیے ڈیوٹی کے بعد بھی گھر دیر سے آتا تھا۔ اور ایسے میں اسکو اپنی سالگرہ بالکل بھول چکی ہوگی تو اسنے سوچا کہ کیوں نہ اسکو سر پر انز دیا جائے۔

نور نے زوار کو فون کیا۔ ہیلو زوار بھائی۔ آپ کی ڈیوٹی کب آف ہوگی؟ انہیں کوئی ضروری کام تو نہیں لیکن پلینز آٹھ بجے تک گھر پہنچ جائیے گا۔ جی جی۔ خیریت ہے سب۔ یاد سے آٹھ بجے۔ بات کر کے اس نے فون بند کر دیا۔ پتا تو نہیں لگانا انھیں۔ سعد نے فکر مندی سے پوچھا۔ کیوں کے اگر زوار کو ذرا سی بھی بہک لگ جاتی تو ان کا سر پرانز، سر پرانز نہ رہتا۔ بے فکر رہو۔ نور نے مسکرا کر جواب دیا۔ نور کی فون کال کے

سوچتا رہا۔ الجھتا رہا پریشان ہوتا رہا مگر کوئی سراغ اسکے ہاتھ نہ آیا کہ وہ کچھ سمجھ سکتے۔ اس وقت وہ اپنے کمرے میں اکیلا بیٹھا تھا۔ اس وقت وہ اپنے کمرے میں اکیلا بیٹھا تھا جب اس کا پی۔ اے کوئی فائل لے کر آیا۔ جس پر اسکے دستخط درکار تھے۔ دستخط کرنے کے بعد وہ جانے لگا تو اسنے اسے روکا۔ حفیظ صاحب۔ جی۔ سر۔ پی۔

اے نے بہت تا بعد اری سے کہا۔ میں کچھ دیر اکیلا رہنا چاہتا ہوں خیال رہے کے ایک ڈیڑھ گھنٹے کے لیے کوئی کمرے میں نہ آے۔ اسنے کرسی کے پیچھے ٹیک لگاتے ہوئے کہا۔ جی بہتر۔ حفیظ صاحب نے جواب دیا اور باہر چلے گئے۔ وہ پھر سوچنے لگا کے آج کیا خاص بات ہے۔ لیکن اسے کچھ سمجھ نہ آیا۔ اس نے سر جھٹک کر آنکھیں موند لیں۔ ابھی تھوڑی دیر ہی گزری تھی کے چھپا کے سے زبل آ کر اسکے سامنے کھڑی ہوئی۔ تم۔ تم۔ تم کیوں آ جاتی ہو بار بار۔ اب کیا کرنے آء ہو۔ اب کچھ باقی رہ گیا ہے؟ میری بات سننے کے لیے بھی راضی نہیں۔ دیکھو کوئی شکوہ شکایت ہے تو بولونا میں وعدہ کرتا ہوں اسے دور کروں گا لیکن میرے

ساتھ ایسا نہ کرو۔ تمہیں میری حالت پر ترس نہیں آتا۔ تم تو کسی پرندے کو چوٹ لگ جاتی تھی تو اسے اٹھا کر مرہم پٹی کرتی تھی۔ تم اتنی بے رحم تو نہیں اتنی سنگدل تو نہیں کے تمہیں میری تکلیف نظر نہیں آتی۔ تم۔ تم۔ تم۔ کیا ہوتا جا رہا ہے زبل تمہیں؟ خدا کا واسطہ مت کرو

۔ اسے خود کو ٹوٹنے سے بچانا تھا۔ میں پھر سے کوشش کروں گا کے مان جائے وہ۔ بے جا ضد چھوڑ دے وہ۔ کچھ دیر بعد وہ اپنے کمرے سے باہر نکلا اور پی۔ اے کو کچھ ہدایات دیتا ہوا باہر چلا گیا۔

ادھر حماد گیلانی کے گھر ادھم مچایا ہوا تھا ان تینوں نے۔ آ پی۔۔ زل آ پی کو بھی کہیں کے آ جائیں۔ خود تو وہ آنے والی نہیں ہے۔ عادل نے کام کے دوران کہا۔ وہ پھر بھی نہیں آیں گی اور اگر آ بھی گئیں تو خود بھی منہ بنا کر بیٹھی رہیں گی اور ہمارا بھی موڈ خراب کریں گی۔ نور نے تلخی سے جواب دیا۔ بات ابھی سب کو نہیں پتہ تھی خاص طور سعد اور عادل کو۔ اسلیے وہ حیرانی سے نا سمجھی کے عالم میں انکے چہرے تکتے رہتے تھے۔ اب بھی عادل نے سعد کی طرف نا سمجھی سے دیکھا تھا۔ اس نے کندھے اچکائے کہ وہ بھی کچھ نہیں جانتا۔ اور جب سے زوار نے خود نور سے بات کی تھی اسے ویسے ہی زل پر غصہ آنے لگ گیا تھا۔ عجیب ہی چیزیں آ پی۔ بعد میں ہیچنتاں گی۔ اس نے سوچا اور دھیان واپس کام کی طرف کر لیا۔

امی نور اور عادل صبح سے کہاں ہیں؟ نظر نہیں آ رہے۔ نور کسی کو متوجہ کرتے ہوئے لانچ سے گزری تو رخسانہ بیگم کو وہاں بیٹھے دیکھ کر اور گھر میں کچھ ناگوار سی خاموشی

سارے سین فلم کی طرح چلنے لگے۔ وہ بہت خوش تھا۔
 سالگرہ سے کچھ دن بعد کی بات ہے اسے بے چینی
 محسوس ہو رہی تھی ایک پل بھی چین نہیں آ رہا تھا۔ یوں
 محسوس ہو رہا تھا کہ کچھ برا ہونے والا ہے۔ بہت برا۔

-- وہ اپنے کام پر بھی دھیان نہیں دے رہا تھا
 اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس سے بات کرے
 وہ دفتر سے نکلا اور پیدل ہی چلنے لگا۔ چلتے چلتے داتا
 دربار پہنچ گیا۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد وہ اندر چلا گیا۔

سلام کرنے کے بعد تھوڑے فاصلے پر صلوات حاجت
 پڑھنے لگا۔ نماز ادا کرنے کے بعد وہ بچوں کی طرح رو
 پڑا۔ یا اللہ زل میری ہے۔ اسے میرا نصیب کر دے۔
 تو تو میرے دل کے حال سے واقف ہے۔ جانتا ہے
 کے مجھے اس سے کتنی محبت ہے۔ اس کے بغیر ایک پل
 بھی نہیں رہ سکتا۔ یہ تو پھر ساری زندگی کی بات ہے۔
 اس وقت وہ میرے پاس نہیں ہے لیکن میرے خیالوں
 میں میری سوچوں میں ہر وقت وہ میرے ساتھ رہتی
 ہے۔ میں اسکی دائمی جدائی برداشت کرنا میرے بس کی
 بات نہیں۔ اے میرے رب! اسکی محبت میرے لئے

حلال اور طیب کر دے۔ میری زندگی میری سانسیں
 اسکی امانت ہیں۔ اپنے علاوہ کسی اور کا ہوتا اسے میں
 نہیں دیکھ سکتا۔ میں اسکے بنا دوہرا ہوں وہ مجھے اپنے
 وجود کا حصہ معلوم ہوتی ہے۔ اسے مجھ سے الگ مت
 کرنا۔ اسے مجھ سے جدا مت کرنا۔ میرے رب! تو تو

نہیں۔ اس نے کندھے اچکاے۔ زوار کی سالگرہ ہے
 اور وہ دونوں بھائی صاحب کے گھر تیاری کے لیے گئے
 ہیں۔ تھوڑی دیر تک ہم نے بھی جانا ہے۔ تم بھی تیار ہو
 جا۔ ویسے بڑے تعجب کی بات ہے۔ تمہیں نہیں بتایا۔
 نہیں۔ اس نے نفی میں سر ہلایا۔ اچھا ہے میں نے کونسا
 جانا تھا۔ اس نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے خود کلامی کی۔
 لیکن! رخسانہ بیگم نے سن لیا تھا۔ کیوں۔ تم نے کیوں
 نہیں جانا؟

اچھا ٹھیک ہے چلوں گی۔ اس نے منہ بنایا۔ اچھا سا
 تیار ہو کر جانا منہ مت پھلا کر بیٹھی رہنا۔ پہلے کی طرح
 سب کے ساتھ گھل مل کر رہنا۔ یہ بات کہ تم انکار کر رہی
 ہو بھائی اور بھی کونہیں پتہ۔ لیکن انھیں بھک پڑ گئی
 ہے۔ انہوں نے سمجھاتے ہوئے کہا۔ اور تم جو بے جا
 کی ضد لگا کر بیٹھی ہو ختم کرو۔ ہر وہ خوبی جو ایک اچھے
 شوہر میں ہونی چاہیے زوار میں ہے۔ وہ سر جھکا کر سنتی
 رہی۔ ان کے لیے یہ بھی بہت بڑی بات تھی کہ اب کی
 بار اس نے آگے سے کوئی بحث نہیں کی تھی۔

برتھ ڈے بہت اچھی تھی۔ ان تینوں نے بہت محنت کی
 تھی۔ اور یہ انکی محنت کا ہی نتیجہ تھا کہ مایوسی کے ان
 دنوں میں جہاں اسکا کہیں دل نہیں لگتا تھا۔ اس کے
 لیے یہ دن یادگار بنا دیا تھا۔ اور اسی یادگار دن میں سب
 سے خاص بات یہ تھی کہ زل نہ صرف آئی تھی بلکہ اسکا

میں بہت پیار کرتی ہوں تم سے۔۔ اللہ کے لئے دھوکہ
مت دو مجھے۔۔ فون میں دبی دبی سیسکیاں ابھر رہی
تھی۔۔ اس نے کوفت سے رسیور کو دیکھا اور کڑوے
لہجے میں بولا تھا۔۔ تو میں کیا کروں۔۔ دل بھر گیا ہے
میرا تم سے۔۔ آئندہ مجھے فون مت کرنا۔۔ سنا تم نے
۔۔ اور فون رکھ دیا۔۔ تین دن بعد اسے اسکی موت کی
خبر ملی۔۔ جسے اس نے اک کان سے سن کر دوسرے

زل

زل کا چھوڑا ہوا خط پڑھ کر زوار کو اندازہ ہوا تھا کہ پیروں تلے سے زمین کیسے نکلتی ہے۔ اسے بابا کی آواز اپنے دماغ میں گونجتی ہوئی محسوس ہوئی۔ مل جاوے گی۔ سن لی جاوے گی۔ وہ پاگل ہونے لگا۔ اسے بابا کی ہر بات جھوٹ لگی اسکی بے چینی جو دربار پر جانے سے پہلے تھی وہ کسی طوفان کی پیش خیمہ تھی اور طوفان آ کر چلا گیا تھا۔ مگر اسکے اثرات باقی تھے۔

میں نے کہا تھا خبردار کیا تھا لکین آپ نہیں مانے۔ آپ کی چہیتی نے چاند چڑھا دیا۔ ہمارا مان ہمارا اعتماد سب توڑ کر چلی گئی وہ۔ رخسانہ بیگم روتے ہوئے فرحان گیلانی سے کہ رہی تھیں۔ زوار بیٹا کچھ کرو۔ انہوں نے اپنی بیوی کو کچھ کہنے کی بجائے زوار کو مخاطب کیا۔ فکر نہ کریں میں کرتا ہوں کچھ۔ وہ کہہ کر باہر چلا گیا۔ اتنی دیر میں حماد گیلانی بھی اپنی اہلیہ سمیت پہنچ چکے تھے۔ فرزانہ بیگم اپنی دیورانی کوچپ کر واری تھیں جبکہ فرحان گیلانی اپنے ذرائع استعمال کرنے



زوار اپنے دفتر پہنچ کر مسلسل یہ سوچ رہا تھا کہ اس مسئلہ کو کیسے حل کیا جائے۔ مگر اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ جو کھو جائے اسے ڈھونڈنا جاسکتا ہے مگر جو خود چلا جائے اسے ڈھونڈنا مشکل ہوتا ہے اور اسے یہی سمجھ نہیں آ رہا کہ وہ کہاں سے شروع کرے۔ ابھی وہ اس سب پر غور ہی کر رہا تھا کہ اسکے دروازے پر دستک ہوئی اور ایک اہلکار داخل ہوا۔ سر۔۔ اس نے آکر سیلوٹ کیا۔

بولو۔ زوار نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

سر۔ شایمہار پولیس اسٹیشن سے ایک کیس آیا ہے اور فوری آپریشن کا کہا گیا ہے اسنے فائل سامنے رکھتے ہوئے کہا۔ زوار فائل کو اسٹڈی کرنے لگا لیکن عباس شاہ کا نام دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ جلدی جلدی وہ کیس اسٹڈی کرتے ہوئے اٹھا اور کچھ ہدایات کرتا ہوا فرحان گیلانی کی طرف نکل گیا دیکھو میں آدھے گھنٹے میں واپس آ رہا ہوں تم لوگ تیار رہنا آپریشن کے لیے نکلنا ہے سب کچھ خفیہ ہونا چاہیے۔ انکو خبری نہ ہو جائے۔

چاچو مجھے زل کے کمرے کی تلاشی لینی ہے۔ زوار نے اندر داخل ہوتے ہوئے بہت جلدی میں فرحان گیلانی سے کہا۔ نور۔ انہوں نے نور کو اشارہ کیا تو نور اسے لیے کمرے کی طرف آئی۔

مجھے الماری اور ڈائری وغیرہ چیک کرنی ہے۔ میں جانتا ہوں یہ بہت غیر اخلاقی حرکت ہے لیکن اس کے لیے کرنا پڑے گا۔ اس نے وضاحت کی۔ ٹھیک ہے آپ الماری چیک کریں میں ڈائری دیکھتی ہوں پڑی ہے کہ نہیں۔ نور نے جواب دیا اور بیڈ کی طرف بڑھ گئی وہ الماری کی طرف بڑھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ ڈائری برآمد کرنے میں

کامیاب ہو گئے۔ اسے اسکی مطلوبہ چیز فوراً مل گئی بس وہ اسٹڈی کرتے ہوئے عباس شاہ کے نام پر چونکا تھا۔ ساتھ میں اسکی تصویر دیکھ کر اسے لگا کہ اسے زل کے کمرے کی تلاشی لینی چاہیے۔ اسکی چھٹی حس کہ رہی تھی ہونہ ہو یہ وہی عباس شاہ ہے جسکے ساتھ زل کا افیر تھا اور اسے مکمل یقین تھا کہ اسکے کمرے سے عباس شاہ کی تصویریں ضرور ملیں گی۔ اور اسے شک بالکل ٹھیک نکلا وہ شک میں تھا۔ افسوس اسے اپنے رد کیے جانے پر نہیں تھا بلکہ اس بات کا تھا کہ زل غلط ہاتھوں میں تھی۔ اسے اندازہ بھی نہ ہوا کہ عباس شاہ کیا چیز ہے۔

وہ وہاں سے نکل کر پولیس اسٹیشن آیا اور فوراً ایک میٹنگ بلائی۔ اور اس کے متعلق ہر چیز پر باریک بینی سے غور کیا گیا اور فیصلہ کیا گیا کہ رات کو ریڈ کی جائے گی اور ایک ایک بندے کو پکڑا جائے۔ پولیس مقابلے کے لیے خفیہ

تیاری کرنے لگی۔ سب اپنے اپنے کاموں میں لگے تھے اور زوار پریشانی سے کمرے میں ٹھنلے لگا۔ جیسے جیسے مقابلے کا وقت قریب آتا جا رہا تھا۔ اسکی پریشانی بڑھتی جا رہی تھی۔ اور وہ لوگ کوئی قدم نہ اٹھائیں یا کوئی نقصان نہ کر دیں

گرفتار کرنے کے لیے بہت کوشش کر رہی تھی مگر ہر بار ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا تھا اور اب یہ کیس اے۔ ایس۔ پی زوار کے پاس آیا تھا اور اسے ہر حال میں اسے حل کرنا تھا۔ عباس شاہ کا گروہ تھا ہی بہت خطرناک جو بھی سٹیپ لیتا تھا بہت سوچ سمجھ کر لیتا تھا۔

ہمیں ادھر آئے اتنا وقت ہو چکا ہے اور تم ہو کہ نکاح کا نام ہی نہیں لے رہے۔ زل نے نروٹھے پن میں عباس سے کہا۔ کیا ہو گیا ہے میری جان۔ مجھ پر بھروسہ نہیں ہے کیا؟ اس نے پیار ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ تم پر بھروسہ ہے تو یہ قدم اٹھایا ہے۔ تو بس پھر بھروسہ رکھو۔ یہ کام بھی کر لیں گے عباس نے اسے اپنی بانہوں میں بھر لیا تو زل نے اپنا چہرہ اسکے چوڑے سینے میں چھپا لیا۔ ہم رات کو ایک اور جگہ جائیں گے وہاں پر میرے کچھ دوست موجود ہوں گے۔ میں نے انھیں پہلے ہی سری صورت حال سے آگاہ کر دیا ہے۔ وہ نکاح کے لیے مولوی صاحب اور گواہوں کا انتظام کر لیں گے۔ اور انتظار نہیں بس کچھ گھنٹے پھر ہم ہمیشہ کے لیے ایک ہو جائیں گے۔ اس نے اسکے بال سہلاتے ہوئے کہا۔ لیکن اسکے چہرے پر کئی مکروہ مسکراہٹ زل نہیں دیکھ سکتی تھی۔ اور نکاح کے لیے ڈریس؟ زل نے سراٹھاتے ہوئے پوچھا۔ وہ میں تمہیں تمہاری پسند کا ضرور لے کر دیتا مگر جان عباس اب تک تمہاری فیملی کو پتہ چل چکا ہو گا اور وہ تمہارا اے۔ ایس۔ پی کرن اور نام نہاد منگیتر تمہیں ڈھونڈنے کے لیے کچھ بھی کرے گا۔ اس لیے تمہارا بھی باہر نکلنا ٹھیک نہیں۔ زیور اور کپڑے میرے ایک دوست کی بیوی لے آئے گی۔ سمجھنے کی کوشش کرو۔ جیسے ہی معاملہ ٹھنڈا پڑ جائے گا ہم خوب گھومیں پھریں گے۔ اس نے وضاحت کی۔ زل نے اسے شکایتی نظروں سے دیکھا مگر اس نے کندھے اچکا دیے۔

اچھانا۔ خوش رہو۔ رات کو ہمارا نکاح ہے ہماری زندگی کا اتنا بڑا موقع ہے اور تم۔ تم ناراض ہو۔ تم کیا چاہتی ہو ہم اس بندھن میں بندھنے سے پہلے ہی ایک دوسرے سے ناراض ہو جائیں۔ اس نے اسکے کندھوں پر ہاتھ رکھے۔ تو زل کے کب سے ر کے آنسو نکل پڑے۔ اسکے آنسو دیکھ کر وہ سچ میں گھبرا گیا۔ کیوں کہ زل کے اسکو کافی پیسے ملنے والے تھے۔ اور کچھ تو ایڈوائس کے طور پر وہ لے بھی چکا تھا۔ اور اگر زل ہی بگڑ جاتی تو۔۔ وہ کوئی زبردستی کر کے اسے شک میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔

رو کیوں رہی ہو؟ بتانا تمہارے رونے سے مجھے تکلیف ہوتی ہے۔ عباس نے اسکے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔ اس کے اس طرح کہنے پر اسے زوار یاد آ گیا جب وہ فرحان گیلانی سے ڈانٹ پڑنے پر اپنے کمرے میں بند رو

تم تھے تنہا ایک کمرے میں۔

ہو انہیں دیکھا جاتا۔ زل۔۔ چپ کرو یا۔ دیکھو میری آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے۔ وہ بیٹھا اسے چپ کروا رہا تھا۔ مگر زوار اور عباس دونوں کے لہجوں میں واضح فرق تھا جو زل نے نوٹ کر لیا تھا۔ اسے زوار کی شدتیں اسکی باتیں یاد آنے لگیں۔ زوار اسے پسند نہیں تھا اور نہ ہی وہ اس سے شادی کرنا چاہتی تھی۔ مگر اس وقت زوار اسے ٹوٹ کر یاد آ رہا تھا۔ اور اسکا خیال آتے ہی اسکے آنسو میں روانی آ گئی۔

تم بتا گی کیا ہوا ہے؟ اب کی بار عباس سخت لہجے میں بولا۔ کچھ نہیں امی ابویا آ رہے تھے۔ کیا گزری ہوگی ان پر۔ وہ خیالوں سے واپس آوا اور اسکے کندھے پر سر رکھ کے پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا۔ اس نے جان کر زوار کا نام نا لیا۔ عباس نے ایک ٹھنڈی سانس خارج کی۔

یار بس کرو اب۔ اب میرے پاس آ گئی ہو تو آ گے کی سوچو۔ پچھلوں کے بارے میں سوچو گی تو ہم کبھی بھی خوش نہیں رہ سکیں گے۔ اب کی بار وہ اکتائے ہوئے لہجے میں بولا۔ اسے زوار کی یاد شدت سے آنے لگی۔ اسکا دل کیا کہ وہ لوٹ جائے واپس اپنی محبتوں میں۔ مگر۔۔ وہ تو تمام کشتیاں جلا کر آئی تھی وہ واپس کیسے جاسکتی تھی۔ وہ پھر بھی ہولے ہولے روتی رہی۔

یا اللہ! میں آج بھی تیرے سامنے زل کے لیے دست سوال ہوں۔ اللہ۔ اسے اپنی حفظ وامان میں رکھنا۔ اسکی حفاظت کرنا۔ وہ بیوقوف۔۔ نا سمجھ۔۔ غلط باتھوں میں چلی گئی ہے۔ یا اللہ اسکی عزت کی حفاظت کرنا۔ میں اپنا سوال واپس لیتا ہوں۔ اس سے دست برداری کا اعلان کرتا ہوں۔ وہ بس صحیح سلامت واپس آ جائے۔ وہ جس سے کہے گی میں اسکی شادی اسی سے کرواں گا۔ اللہ۔ اے میرے رب۔۔ میرے مالک۔ اسکی حفاظت کرنا۔ اسکے ساتھ کچھ غلط نہ ہو۔ مجھ پر جو ذمہ داری ڈالی گئی ہے اسے پورا کرنے کی توفیق عطا فرما۔ وہ ایک بار پھر سجدے میں پڑا اللہ، رب دو جہاں کے سامنے زل کی سلامتی کے لیے گڑ گڑا رہا تھا۔

کچھ دیر بعد اس نے سجدے سے سر اٹھایا تو اسکا دل زل کے لیے خالی تھا۔ اس نے اپنے دل کو ٹٹو لیا تو اسے وہاں کہیں بھی زل کے لیے محبت محسوس نہ ہوئی۔ بہت دیر وہ ویسے ہی بیٹھا کسی غیر مرئی نقطہ کو گھورتا رہا۔ پھر کچھ دیر بعد اٹھ کر باہر چلا گیا اور ہلکاروں کو ہدایات دیتا ہوا گاڑی میں بیٹھ گیا۔ کچھ دیر بعد وہ اپنی ٹیم کے ساتھ اپنے ہدف کو پورا کرنے کے لیے روانہ ہو گیا۔

ہمیں ہر حال میں یہ آپریشن کامیاب کرنا ہے اور جتنی بھی لڑکیاں انکے قبضہ میں ہیں انکو بازیاب کرنا ہے۔ انکے

.....

میں پابند نہیں۔۔۔۔۔)

منہ پر پانی کے چھینٹے مارنے لگی۔

(میں نے کہنا میں پابند نہیں۔۔۔۔۔)

اس نے ٹوٹی بند کی۔

(تو یہ بات بھی یاد رکھنا دلہن تو تمہیں میری ہی بننا ہے۔ اور میری زندگی میں شامل بھی تم اپنی مرضی سے ہوگی۔

زبردستی کریں گے؟؟؟)

اسکی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔۔۔۔۔ وہ بار بار پانی کے چھینٹے مار رہی تھی مگر اب کی بار جو آگ اسکے اندر تھی وہ کسی صورت نہیں بجھ رہی تھی۔

زل کیوں اسے بار بار یاد کر رہی ہو۔ کسی تمہیں کبھی ہونا ہی نہیں تھا۔ اس نے خود سے پوچھا۔

کیوں کہ تم اپنا بہت بڑا نقصان خود کر آئی ہو۔ اسکے اندر سے آواز آئی۔

نہیں۔۔۔ میں نے جو کیا ٹھیک کیا۔ اس نے وضاحت کرنے کی ناکام کوشش کی۔

نہیں۔۔۔ غلط ہو تم۔۔۔ بالکل غلط۔۔۔۔۔

کیا ہے عباس شاہ۔ جسکے لیے تم اپنا گھر، اپنے ماں باپ، بہن بھائی چھوڑ آئی۔ آواز آئی۔ آئینہ دکھانے کی کوشش کی گئی۔

میں۔۔۔۔۔ میں۔۔۔۔۔ محبت کرتی ہوں اس سے۔

لیکن محبت تو وہ بھی کرتے ہیں۔۔۔۔۔ محبت نہیں بلکہ عشق۔۔۔۔۔ عشق کرتا تھا زوار تم سے۔۔۔۔۔

مجھے اس سے شادی نہیں کرنی تھی۔

تو ایک یہی طریقہ بچا تھا کیا۔۔۔۔۔ پوچھا گیا۔

پچھتاؤں گی آپنی آپ۔ بعد میں نور کی آواز آئی۔

نہیں۔۔۔۔۔ نہیں۔۔۔۔۔ وہ کالوں پر ہاتھ رکھ کر چلانے لگی۔ نہیں۔۔۔۔۔ میں غلط نہیں ہوں۔۔۔۔۔ لیکن آوازیں اسکا

پچھا کر رہی تھیں۔ پہلے سے زیادہ ہو رہی تھیں۔

محبت نہیں۔۔۔۔۔ عشق کرتا تھا زوار تم سے۔۔۔۔۔ عباس شاہ ہے کیا چیز۔۔۔۔۔

تم نے اسکے لیے زوار کو ٹھکرا دیا۔۔۔۔۔

اسے ٹھکرا دیا۔۔۔۔۔ اسے۔۔۔۔۔ جو عشق کرتا تھا تم سے۔۔۔۔۔

عشق کرتا تھا

وہ۔ وہ عشق کرتا تھا۔ وہ ویسے ہی نکلا کھلا چھوڑ کر چلاتی ہوئی باہر نکلی تو سامنے بیوٹیشن بیٹھی تھی۔۔۔ آپ ٹھیک ہیں نا۔۔۔ اس نے پوچھا۔۔۔ وہ حواسوں میں لوٹی۔۔۔ آں۔۔۔ ہاں۔۔۔ تم۔۔۔ کب آئی؟ عباس کہاں ہیں؟ اس نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

وہ باہر ہیں۔ مجھے آپ کا میک اپ کرنے کے لیے بلایا گیا ہے۔ آپ پلیز یہاں بیٹھ جائیں۔۔۔ اس نے چیزیں نکالتے ہوئے کہا اور اسے تیار کرنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد ایک اور لڑکی کمرے میں آئی اور بیوٹیشن سے کہنے لگی کہ تھی دیر ہے۔ مولوی صاحب آگئے ہیں۔ بس پانچ منٹ۔۔۔ اس نے جواب دیا۔

زل ویسے ہی بے حس و حرکت بیٹھی تھی۔ اس کے میک اپ کو فائل ٹچ دینے کے بعد وہ باہر چلی گئی تو عباس شاہ مولوی صاحب اور کچھ گواہوں کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا۔ مولوی صاحب نے نکاح پڑھنا شروع کیا تو فارنگ کی آواز آنے لگی۔ کیا ہو رہا ہے۔ عباس شاہ کسی اور آدمی کو آواز دینے لگا۔

زل آنکھیں بند کیے دل ہی دل میں دعائیں کرنے لگی۔

شاہ صاحب۔۔۔ شاہ صاحب۔۔۔ ایک آدمی چلاتا ہوا اندر آیا۔

اب منہ سے بھی پھوٹو کچھ۔ عباس شاہ غصے میں بولا۔

پولیس نے حملہ کر دیا ہے۔ بچ نکلتا مشکل ہے۔ آنے والے شخص نے جواب دیا۔ بکواس بند کرو۔ عباس شاہ نے غصے میں جواب دیا۔

زل آنکھیں کھول کر دیکھنے لگی۔۔۔

بچ کر رہا ہوں شاہ صاحب۔۔۔ آنے والا آدمی ممنایا۔ اتنے میں پولیس کے جوتوں اور بولنے کی آوازیں آنے لگیں۔ اب کی بار عباس شاہ بھی پریشان ہوا تھا۔ وہ باہر نکلنے لگا تو کسی نے ٹانگ مار کر دروازہ کھولا۔ عباس نے دیکھا کہ اے۔ ایس۔ پی زوار اور اسکے خاص آدمی مکرم گوگردن سے پکڑے ہوئے تھا۔ اور اسکے پیچھے اور اہلکار بھی تھے گرفتار کرو سب کو۔ زوار نے آنے لگا۔ سب اہلکار آگے بڑھے تو عباس شاہ نے بھاگنے کی کوشش کی۔ ایک پولیس اہلکار نے اسکی ٹانگ میں گولی مار کر گرفتار کیا۔ گولی کی آواز سے زل ڈر گئی۔ وہ بھاگ کر زوار کے پاس آئی۔ سب کو گرفتار کرو۔ اور باقی لڑکیوں کو پولیس اسٹیشن لے کر چلو۔ زل جو اسکے سینے کے ساتھ لگی کھڑی تھی بے ہوش ہو کر زوار کے بازو میں جھول گئی۔ اس نے اسے اٹھا کر بیڈ پر لٹایا اور ساتھی اہلکار کو ایبویٹس کا کہہ کر باہر چلا گیا۔ وہ کسی پر ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا کہ اسکا کوئی تعلق ہے اس کے ساتھ۔۔۔۔۔

تھوڑے تھوڑے گھبراہٹ میں غلغلہ مچا رہا تھا۔ لوگوں کی ہانگ مچ رہی تھی۔

وہ پیچھے ہکا بکا اسے جاتا دیکھنے لگیں۔ دودن بعد زل گھر آ گئی تھی۔ مگر زوار ایک بار بھی اسکے پاس نہیں آیا تھا۔
فرحان صاحب نے اسے معاف کر دیا تھا۔ زل اپنے کمرے میں لیٹی چھت کو گھور رہی تھی۔

کیا کر دیا میں نے۔ بے شک مجھے معاف کر دیا گیا ہے مگر زوار اسکے لیے اللہ تعالیٰ مجھے کبھی بھی معاف نہیں کریں گے۔ دل دکھایا ہے میں نے اسکا۔ کتنی محبت کرتا تھا جکا وہ بار بار اقرار کرتا رہا۔ میں ہر بار اسکی محبت کو ٹھکراتی رہی۔ وہ ہر بار اپنی انا کو پیچھے دھکیلتے ہوئے کی مرتبہ اسکے پاس آیا۔ اور اس نے کیا کیا اسکے ساتھ۔ اسکی آنکھوں سے آنسو نکل نکل کر تیکے کو بھگور رہے تھے۔

کیا کر رہے ہوز وارا؟ زوار اس وقت کتاب پڑھنے میں مصروف تھا۔ جب حماد گلیا نی اسکے کمرے میں آئے۔
بابا۔۔ آپ۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

ہاں۔ بیٹھو۔ فارغ ہو؟ انہوں نے بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

جی۔ وہ ابھی تک حیران تھا کیوں کہ جب بھی انھیں کوئی بات کرنا ہوتی یا کوئی کام ہوتا وہ اسے اپنے کمرے میں بلا لیتے۔ مگر آج وہ خود چل کر اسکے پاس آئے تھے۔ وہ حیران نہ ہوتا تو کیا کرتا۔

کچھ بات کرنی تھی۔ انہوں نے بات شروع کی

جی۔۔۔ کہیے۔ اسنے سر جھکا کر جواب دیا۔

دیکھو زل نے جو کرنا تھا کر دیا۔ بے شک اسکا واضح انکار ہم تک نہیں پہنچا تھا۔ مگر کچھ کچھ اندازہ ہو گیا تھا ہمیں۔ اور ہم ابھی اسکا حل سوچ ہی رہے تھے کہ کیا کیا جائے۔ زل بیوقوفی کر گئی۔ یہ بات وقتی تو چھپ گئی مگر ایسی باتیں ہمیشہ نہیں چھپی رہتیں۔ ابھی جوان ہے وہ۔۔۔ ابھی شادی کرنی ہے اسکی۔ مگر تب یہ سب کچھ اسکی راہ میں رکاوٹ بنے گا۔ وہ مجھے تمہاری طرح ہی عزیز ہے پھر وہ میرے اکلوتے چھوٹے لاڈ لے بھائی کی اولاد ہے۔ اور میرا بھائی اسکی وجہ سے بہت پریشان ہے۔ میں اسکی پریشانی باشتنا چاہتا ہوں۔ اسلیے آج ایک درخواست ہے تم سے۔ زل سے شادی کرلو۔ انہوں نے بغیر کسی تمہید کے شکست خوردہ لہجے میں کہا۔

بابا زل مجھے بہت پہلے انکار کر چکی ہے۔ اور اپنی ناپسندیدگی کا بھی اظہار کر چکی ہے۔ میں نے تو جب سے ہوش سنبھالا ہے خود کو اس سے محبت کرتے پایا ہے۔ بابا محبت تو محبوب کی خوشی اسکی رضا کا نام ہے۔ میں یہ کیسے بھول گیا۔ لیکن اب میں یہ بات سمجھ چکا ہوں۔ جس میں اسکی خوشی۔ وہ جس سے چاہے گی جس سے کہے گی میں خود اسکی اسکے ساتھ شادی کروا گا۔

محبت کرتے ہو۔ اور یہ بات ہم سب جانتے ہیں۔ اب کی بار حماد گیلانی حیران تھے۔

وہ اداسی سے مسکرایا۔ میں اسے چاہتا ضرور ہوں اور اسے یہ بھی کہا تھا کہ وہ اپنی مرضی سے میری زندگی میں شامل ہوگی۔ مگر بابا اسکی مرضی نہیں ہے تو میں زبردستی نہیں کر سکتا۔ اسکے لاشعور میں اس بابا کی آواز گونجی جو حالات کے پیش نظر اسکے ذہن سے فراموش ہو چکی تھی۔ اس نے اس خیال کو جھٹکا۔ مگر آپکا ابھی بھی اقرار ہے تو زل سے پوچھئے پہلے۔ کیوں کہ میں بہت پہلے اپنی درخواست اللہ کی بارگاہ میں پہنچا چکا ہوں۔ جو اسکی رضا۔ اسکے جواب پر حماد گیلانی ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے اٹھ کر چلے گئے۔

آپی۔ تایا ابو آئے ہیں آپکو بلارہے ہیں۔ زل اپنے کپڑوں والی الماری ٹھیک کر رہی تھی جب نور نے کہا۔ آ رہی ہوں۔ تم چلو۔ اس نے نور کو بھیج کر ایک نظر اپنے حلیے کو دیکھا۔ اور دوپٹہ ٹھیک کر کے کمرے سے نکل گئی۔ سلام کر کے وہ ایک طرف صوفے پر بیٹھ گئی۔

کیا ارادے ہیں نیکسٹ بیٹا؟ حماد گیلانی نے بات شروع کی۔ کیا سوچا ہے آگے؟ کچھ بھی نہیں۔ اس نے نظریں جھکا کر جواب دیا۔

ہوں۔ انہوں نے ہنکارا۔ پھر! ہم سوچ رہے تھے کہ جتنی جلدی ہو سکے آپکی اور سعد کی شادی کر دی جائے۔ انہوں نے بلا تمہید کہا۔ آپ کیا کہتی ہیں؟

جیسے آپ سب کی مرضی۔ جو کہیں گے مجھے قبول ہے۔ اسکی آواز نرمی ہوئی تھی۔ آنکھوں میں نمی واضح نظر آ رہی تھی۔ وہ جو کر چکی تھی اسکے بعد وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اسکے بڑے یہ فیصلہ کریں گے۔ وہ اور سعد۔۔۔۔۔۔ وہ ماں گیا کیا؟ وہ کیا چاہتا ہے۔ اسکی مرضی کیا ہے؟؟ وہ اسے قبول کر بھی لے گا یا نہیں۔ اسکا کیا قصور تھا

۔۔۔۔۔۔ زار۔۔۔۔۔۔ ہاں اسکا کیا۔۔۔۔۔۔ وہ کیوں شادی کرتا مجھ سے۔ یہ سب کچھ جو اسکے دماغ میں چل رہا تھا۔ وہ چاہ کر بھی نہیں پوچھ سکتی تھی۔ اس لیے وہ خاموشی سے اپنے اندر آنسو اتارنے لگی۔ میں نے ہی دھنکارا تھا تو اب افسوس کیا۔ اس نے سوچا۔ اسکی کیفیت فرزانہ بیگم نے شائد نوٹ کر لی تھی تو کہنے لگیں۔۔۔ آپ اندر جا بیٹا۔ پیچھے بڑے شادی کے بارے میں بات کرنے لگے۔ اور ایک ہفتہ چھوڑ کر رخصتی کی تاریخ رکھ دی گئی۔ سب ایسے خوش تھے جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ لیکن زل کا اندر ویران تھا۔ وہ حیران تھی کہ کیا یہ سب کچھ بھی ہو سکتا تھا اتنا کچھ ہونے کے بعد۔ لیکن سعد والی بات بھی اسے ہضم نہیں ہو رہی تھی۔ خیر ایک ہفتہ گزر گیا یہ پتہ بھی نہیں چلا۔ بالا خرکاح کا دن آ پہنچا۔

نکاح کے کاغذات پر دستخط کر کے بھی اسے کوئی تبدیلی محسوس نہ ہوئی۔ اسے زل اسکی اپنی مرضی سے مل گئی تھی۔ مگر اسکے خیالات جاننا بھی ضروری تھے۔ وہ اس بات سے بھی بے خبر تھا کہ زل کو گھر والوں نے کیا بتایا ہے۔ دوسری طرف زل بھی آنے والے وقت سے خوفزدہ تھی۔ وہ خود میں سعد کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں پا رہی تھی۔ ایک ہی گھر میں زوار کے سامنے سعد کی بیوی بن کر رہنا کتنا مشکل ہوگا۔ سب کچھ بخیر و عافیت ہو گیا اور وہ وقت بھی آ گیا جب اسے اپنے باوا کے گھر سے وداع ہو کر شوہر کے گھر جانا تھا۔ اپنے مجازی خدا کے پاس جسکے پاس اسکے سرے حقوق تھے۔ فرحان گیلانی اسے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے اپنے پر قابو نہ رکھ پائے اور انکے آنسو چھلک پڑے۔ اور پھر وہ رخصت ہو کر زوار گیلانی کے کمرے میں آ گئی۔

اسے جلد عروسی میں پہنچا دیا گیا تھا۔ وہ اکیلی تھی۔ اور آنے والے وقت سے ڈر رہی تھی کہ کیا ہونے والا ہے۔ اس نے نظریں اٹھا کر پورے کمرے کا جائزہ لیا۔ اسکی نظریں سامنے لگے آئینے پر پڑیں۔ اس نے اپنا عکس دیکھا اور دیکھتی ہی رہ گئی۔ اس کا دل اتنا ویران تھا کہ اس نے تیار ہونے کے بعد خود کو دیکھا بھی نہیں تھا اور اب دیکھا تو وہ حیران تھی۔ سونے دل اور سونی آنکھوں کے ساتھ وہ بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔ اسے کوئی اور اس رویے میں دیکھنا چاہتا تھا مگر اب وہ کسی اور کی لہن تھی۔ اسے سوچا۔ وہ خود میں کھوئی ہوئی تھی کہ باہر کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ وہ چونک کر سنبھل کر بیٹھ گئی۔ دروازہ کھلا اور پھر کوئی چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا اسکے پاس آ کر بیٹھا۔ زل نے آنکھیں بند کر رکھی تھیں۔ کتنی ہی دیر گزر گئی تھی وہ کچھ نہ بولا۔ اس نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھولیں تو دیکھا کہ وہ اسکے پاس بیٹھا سر جھکائے بہت گہری سوچ میں تھا۔ اس نے حیرانی سے پہلو بدلا تو اسکی چوڑیوں کی کھٹک سے وہ اپنی سوچوں کے گرداب سے باہر نکلا۔ اب وہ کافی حد تک سنبھل چکا تھا۔

آپ؟ وہ حیرانی سے بولی

ہاں۔ کیا ہوا؟؟ زوار نے پوچھا۔

آپ یہاں کیا کر رہے ہیں۔

کیوں مجھے نہیں ہونا چاہیے تھا یہاں۔

نہیں۔ میرا مطلب کہ میری شادی تو سعد سے ہوئی تھی جبکہ۔۔۔۔۔

زل نے اسکے حلیے پر غور کرتے ہوئے جواب دیا۔

ایسا کس نے کہا آپ سے۔

آپ کے نام کے ساتھ جڑا ہے بس اسے جدامت کیجئے گا۔ وہ زوار کے سینے میں سر چھپا کر رونے لگی۔

میں کبھی بھی ایسا کرنے کا نہ سوچنا زل مگر تمہارا رویہ ایسا تھا کہ مجھے کہنا پڑا یہ سب کچھ۔۔۔ تم کہہ رہی ہو کہ کاش تم میری محبت کی دعا مانگ لیتی مگر میں تو اب بھی عشق کرتا ہوں تم سے۔ اتنا ارزاں کیوں سمجھ لیا خود کو یا تم نے مجھے اتنا گرا ہوا سمجھ لیا کہ میں اپنی محبت کو چھوڑ دوں گا۔ میں چپ تھا کہ میں نے اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا تھا۔ اور اس نے مجھے مایوس نہیں ہونے دیا۔ یہ عشق تو روز بروز بڑھتا جا رہا ہے۔۔۔۔۔ تم سوچ بھی نہیں سکتی کہ کتنی محبت کرتا ہوں میں۔۔۔۔۔ اندازہ نہیں لگا سکتی کہ تم میرے لیے کتنی اہم ہو۔ کتنی ضروری ہو۔ جیسے انسان کو زندہ رہنے کے لیے آکسیجن ضروری ہے۔ ویسے میری زندگی کے لیے تم ضروری ہو۔ اب جب کہ ہم ایک ہو ہی چکے ہیں تو آئندہ میں تمہاری آنکھوں میں آنسو نہ دیکھوں۔ تکلیف دیتے ہیں یہ مجھے۔ اس نے زل کو اپنی بانہوں میں بھرتے ہوئے کہا۔ اسکے ساتھ وہ خود بھی رونے لگا تھا۔

آپ خود بھی تو رورہے ہیں۔ زل نے سر اٹھایا تو اسے روتے دیکھ کر کہا اور اسکے آنسو صاف کرنے لگی۔
یہ تو بس یونہی۔ وہ خفیف سا مسکرایا

مرد بھی روتے اچھے لگتے ہیں بھلا۔

کچھ زیادہ ہی جلدی یاد آ گیا آپکو جب خود رلایا وہ سب۔۔۔۔۔

اچھا نا۔۔۔ سوری۔۔۔ زل نے سر جھکایا۔ زوار اسکے قریب ہوا اور اسکے ماتھے پر اپنی مہر محبت ثبت کرتے ہوئے بولا۔ جا کیا یاد کرو گی۔ معاف کیا۔ اسکے کہنے پر زل مسکرائے لگی تو زوار نے بھی مسکراتے ہوئے اسے اپنی آغوش میں لے لیا۔ کھڑکی کے اس پار ستاروں میں گھر چاند بھی اس کے لمن پر مسکرا رہا تھا۔ اب ہر طرف خوشیاں ہی خوشیاں تھیں۔

تم ایک لڑکی

جس سے مجھے محبت تھی

جو اس سے باخبر تھی

تم بیماری سی لڑکی

جو میرے جذبات کو جھٹلاتی تھی

جو انکار کرتی تھی مجھ سے شادی پر

تم بھلا کیسے نہ ہوتی میری

کیونکہ میں نے تو

ہادی خان

کیلنڈر پر 15 جون 2018 کی تاریخ چمک رہی تھی۔ اس تاریخ کو دیکھ کر فریحہ اداس ہو گئی۔

فریحہ یہ کیا چاند رات پر تم نے پھر سے منہ بنایا ہوا ہے۔۔۔ تو کیا کروں؟ مجھے سب کی بہت یاد آتی ہے۔ فریحہ رونے لگی۔۔۔۔۔ چلو میں بھی روتا ہوں ساتھ کیونکہ مجھے بھی تم بہت یاد آتی ہو۔۔۔ اذان علی مذاق میں فریحہ کا موڈ بدلنے کی کوشش کرنے لگا۔۔۔۔۔ اچھا! نہیں نہیں رونا نہیں۔۔۔ آپ نے ابھی تک اپنی وردی بھی نہیں بدلی کیا کرتے ہیں آپ بھی نہ اپنا ذرا خیال نہیں رکھتے۔۔۔ فریحہ معصومیت سے ڈانٹتے ہوئے بولی۔۔۔ کیا میں وردی میں عید بھی نہیں مناسکتا؟۔۔۔ اذان علی کو جیسے صدمہ لگ گیا۔۔۔۔۔ جب دیکھو فوجی بن کر گھومتے رہتے ہیں۔۔۔ کبھی میرے لئے بھی وقت نکال لیا کریں۔۔۔ فریحہ نے منہ بسور کر کہا۔ چلیں پھر آج سے وردی پہننا بند میں گھر پر ہی رہوں گا۔۔۔ اذان علی نے فریحہ سے کہا۔ نہیں اذان میرا مطلب یہ نہیں تھا۔۔۔

۔۔۔ یہ وردی تو میرے لئے فخر ہے۔۔۔۔۔ یہ وردی ہی تو ہے جس کی وجہ سے مجھے اپنی قسمت پر رشک آتا ہے اور میں اللہ کا جتنا بھی شکر ادا کروں کم ہے کہ اللہ نے میری خواہش پوری کر دی۔ فریحہ جذباتی اور جوش کے ملے جلے تاثرات سے بولی۔



ہوئے کہا۔۔۔

مگر اب تو بس 5 دن باقی ہیں عید میں اور آپ کب آئیں گے؟۔۔ فریحہ جذباتی ہو کر پوچھ رہی تھی۔ میں آ جاؤں گا۔۔۔ تم فکر مت کرو۔۔۔ مجھ

پر یقین رکھو۔۔۔ اذان علی نے فریحہ کو یقین دلایا۔ کیپٹن اذان علی اگر آپ اس عید پر گھر تشریف نہ لائے تو میں کبھی بھی عید نہیں مناؤں گی۔۔۔۔۔ فریحہ نے اذان علی کو خبردار کرتے ہوئے کہا۔ اچھا نہ بابا آ جاؤں گا۔ فکر نہ کرو اور عید ہم سب ساتھ ہی منائیں گے۔۔ اذان علی نے فریحہ کو تسلی دیتے ہوئے کہا

وہ کیلنڈر دیکھ لیں آج 21 جون 2017 ہے۔۔۔ ٹھیک آج سے 5 دن بعد عید ہے اگر آپ عید پر نہیں آئے تو میں کبھی بات نہیں کروں گی اور نہ عید مناؤں گی۔۔ فریحہ نے پھر سے خبردار کیا۔۔

تم بس دیکھنا میں وقت سے پہلے آ جاؤں گا۔۔۔۔۔ اب مسکراؤں اور مجھے مسکرا کر اللہ حافظ بولو۔۔۔ اذان نے فریحہ کے ماتھے پر بوسہ دیتے ہوئے کہا اللہ حافظ۔۔۔۔۔ اپنا خیال رکھنا۔۔۔۔۔

اللہ حافظ۔۔۔۔۔ بس ایک کپ چائے۔۔ کیا میں ایک کپ چائے نہیں پی سکتا؟۔۔ اذان نے فریحہ سے شکایت کی۔ مسکان کو نہیں معلوم آپ

اچھا! تو یہ سب وردی کی وجہ سے ہے؟ تو پھر اسی وردی سے ہی شادی کر لیتی۔۔۔ میری تو ادھر کسی کو ضرورت ہی نہیں ہے۔ اذان علی نے فریحہ کو تنگ کرنے کیلئے کہا۔۔۔۔

اچانک کسی نے کمرے کی جی جلا دی۔۔۔۔۔ اپنا آپ کی چائے۔۔ مسکان کو ایسا محسوس ہوا کہ جیسے فریحہ کسی سے بات کر رہی ہو۔۔ چائے وہاں میز پر رکھ دو۔۔۔۔ اور جاتے ہوئے دروازہ اور جی بند کرتی جانا۔۔۔۔ فریحہ نے مڑ کر جواب دیا اور دوبارہ کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔۔۔۔۔۔۔

ایسا کس سے بات کر رہی ہیں؟ مسکان نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔ کسی سے بھی نہیں۔۔۔۔ فریحہ نے نم آنکھوں کو صاف کرتے ہوئے جواب دیا۔۔۔ اپنے سوال کا جواب ملتے ہی مسکان جی اور دروازہ بند کرتے ہوئے باہر چلی گئی۔*

نہیں نہیں! آپ نے بس نہیں جانا تو نہیں جانا۔۔۔ فریحہ صاف انکار کر رہی تھی۔ اب میں کیا کر سکتا ہوں؟ آرڈر آیا ہے اور حالات بھی خراب ہیں میرا جانا ضروری ہے میں انکار نہیں کر سکتا یہ میرا فرض ہے میں جان تو دے سکتا ہوں مگر اپنے فرض سے پیچھے نہیں ہٹ سکتا۔ اذان علی نے فریحہ کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ ہماری شادی کو ابھی دو

میں نے یہ سب وردی کی وجہ سے ہے؟ تو پھر اسی وردی سے ہی شادی کر لیتی۔۔۔ میری تو ادھر کسی کو ضرورت ہی نہیں ہے۔ اذان علی نے فریحہ کو تنگ کرنے کیلئے کہا۔۔۔۔

اچانک کسی نے کمرے کی جی جلا دی۔۔۔۔۔ اپنا آپ کی چائے۔۔ مسکان کو ایسا محسوس ہوا کہ جیسے فریحہ کسی سے بات کر رہی ہو۔۔ چائے وہاں میز پر رکھ دو۔۔۔۔ اور جاتے ہوئے دروازہ اور جی بند کرتی جانا۔۔۔۔ فریحہ نے مڑ کر جواب دیا اور دوبارہ کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔۔۔۔۔۔۔

کتاب "ابہام" "عکسِ جانان"

تبصرہ نگار: ریحانہ اعجاز

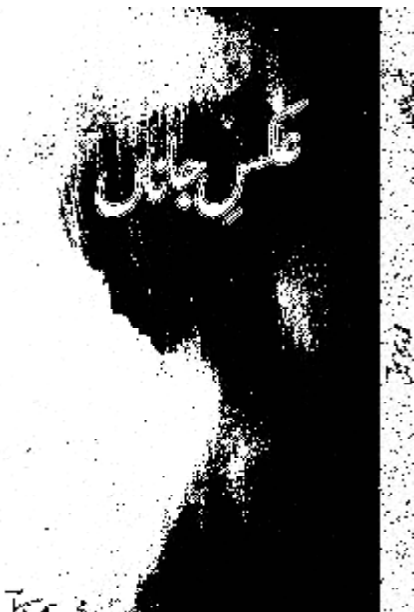
اس وقت میرے سامنے دو شاعری کی کتابیں دھری ہیں، جنہیں میں نے وقتاً فوقتاً پڑھا ہے، کبھی سونے سے پہلے تو کبھی جاگنے کے فوراً بعد، کبھی صبح میں تو کبھی شام میں، کبھی موسمِ انجوائے کرتے ہوئے تو کبھی تنہائی کا مزہ لیتے ہوئے، اور ہر بار ان میں لفظوں کا پیراہن اوڑھے خوبصورت غزلوں اور نظموں نے وقت کے بدلنے انداز و مزاج کا بھرپور ساتھ دیا،

جی یہ دونوں کتابیں "عکسِ جانان" اور "ابہام" نامور شاعر "وسیم بھائی" کی خوبصورت شاعری سے مزین ہیں،

"عکسِ جانان"

یہ ڈیرہ اسماعیل خان کے پرچوش و حساس نوجوانوں کے دلی جذبات و احساسات کا منہ بولتا ثبوت ہے، جس میں اپنے محبوب سے شکوے شکایات کے ساتھ ساتھ ہجر و وصال کا تذکرہ کیا گیا ہے، وسیم بھائی کی شاعری گا ہے گاہے نظروں سے گذرتی رہی ہے لیکن مکمل کتاب کا مطالعہ کرنے سے سیان کی شخصیت کے اسرار کھل کر سامنے آئے ہیں، وسیم بھائی کی شاعری کی خاص بات کہ ان کی شاعری میں لفظوں کی بہت مین ملمع کاری نظر نہیں آتی، صاف اور سادہ الفاظ، یں اپنا مطمع نظر اپنے قاری سے بیان کرنے میں بخوبی کامیاب رہے ہیں، صفحہ اول کا پہلا شعر ہی ساری توجہ اپنی جانب مبذول کروا بیٹھا کہ۔۔۔

میری سانسوں میں تیری اہٹ ہے



، اسی طرح ایک طویل نظم کی چند لائنز میں زندگی کا مکمل فلسفہ چھپا ہے کہ،
زندگی کیا ہے۔؟۔

حیات اک بوسیدہ قبر
کہ جس میں۔۔۔ دفن ہیں

ارمان
کچھ تیرے کچھ میرے

،،،،

نظم ہو یا غزل سب ہی میں جیسے شاعر نے اپنا دل کھول کر رکھ دیا ہے،
جیسے کہ اک غزل
نام لکھ کے میرا کاغذ یہ متانے والے
یاداں گا تجھے مجھ کو بھلانے والے

میری آنکھوں کے کناروں پہ ستارے اترے
دیکھ لو آ کے مجھے چھوڑ کے جانے والے

یا جیسے یہ غزل،
بات دل کی جو بتانی ہے بتاں کیسے
دور مجھ سے وہ گیا پاس بلاں کیسے

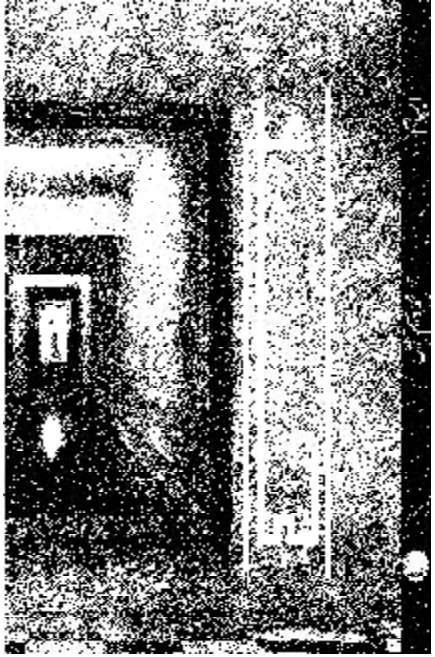
وہ مقدر میں اگر میرے نہیں یارو
اپنی تقدیر جگاؤں تو جگاؤں کیسے

عشق و محبت، ہجر و وصال کے علاوہ بہت سے مختلف موضوعات بھی وسیم بھائی کی شاعری کا حصہ ہیں جیسے، کیم مئی،

ابہام "

ابہام شاعر و سیمپل کا آزاد نظموں پر مشتمل تازہ مجموعہ کلام ہے جو رواں سال 2018 میں پبلش ہوا ہے، سب سے پہلے ایک اور شعری مجموعے کی اشاعت پر شاعر کو دلی مبارکباد، بہت خوشی ہوئی کہ یہ ساتواں شاعری مجموعہ ہے جو سیم بھائی کا مارکیٹ کی زینت بنا ہے، اللہ ترقی و کامیابی کا یہ سلسلہ جاری و ساری رکھے،

اس کتاب میں غزلیات نہیں بلکہ شاعر نے صرف نظموں کو اپنا مشق سخن بنایا ہے اور اپنے دل کی ہر خواہش نظموں میں بیان کی ہے پھر چاہے وہ نظم "چائے" پر ہے یا سانحہ اے، پی ایس پشاور پر، چاہے "ماہ صیام" پر ہو یا "رات" پر ہر نظم اپنے اندر اک جہان آباد کیئے ہے، "ماں، محبت، درد، آنکھیں، عکس، یادیں، آسمان، خوشبو، فاصلے، پھول، غرض ہر موضوع پر بہترین نظمیں لکھ کر شاعری کی دنیا میں بہت سی بہترین نظمیں تخلیق کی ہیں، جو یقیناً پڑھنے والے کے دل میں اتر جائیں گی، بلاشبہ شاعر کو ہر موضوع پر لکھنے میں کمال اور کمال کی دسترس حاصل ہے، میری دعا ہے کامیابیوں کا یہ لامتناہی



سلسلہ یونہی جاری ساری رہے، آخر میں "ابہام" سے چند نظمیں، آپ سب کی نظر،

کرچی کرچی خواب

میری بنجر آنکھوں میں

جب بھی تیرے خواب

جیسے ہی ٹکراتے ہیں

تک کہ

آنکھیں میری بھر جاتے ہیں

لیکن ---!

خود جو مر جاتے ہیں،

طواف

دل کی ویران دھرتی پر

جب بھی بیٹھ کے دھڑکن

تمہارا ورد کرتی ہے

تو ---

روح کی راگنی بھی تب

عقیدت کی ردا اوڑھے

اس ویران دھرتی کا

کرتی ہے طواف اکثر

"ماں"

پہلیوں کی ٹہنی پر

پر و کے اوس کے قطرے

میں جب بھی

"ماں" کے پاس جاتا ہوں

میری خواہش

مقدر میں

میرے موجود ہوتی ہے

نبیلہ خان

اے بی: ہمارے وقتوں میں بہوؤں کی مجال نہیں ہوتی تھی کہ پلٹ کے کچھ پوچھ ہی لیں
 اللہ بخشے میری ساس کو... انکے سامنے تھر تھر کانپتے تھے
 ایک ہماری بہو ہے مجال ہے کسی بات میں ہم سے مشورہ تو دور کی بات، بھٹک ہی نہیں پڑنے دیتی....
 بالا ہی بالا تمام معاملات طے کرنے کے بعد شوہر نامدار کو این اوسی جاری کرتی ہے کہ چلو اب اماں باوا کو بتادو جو
 کارنامہ وہ سرانجام دے چکی ہوتی ہے محترمہ....
 میری ساس محلے کی چھا پھانسی: زکیہ خالہ کے سامنے جلے د لکے پھوٹے پھوٹے میں مصروف تھیں
 ارے اماں: آپ کیوں زکیہ خالہ کو اپنی گناہوں میں شامل کر رہی ہیں پہلے ہی بیچارہ کی نیکیاں گنی جتی ہیں
 اوپر سے آپ غیبت کر کے انکی اور اپنی نیکیاں میرے کھاتے میں ڈالنے میں مصروف ہیں...
 میرے اچانک کمرے سے باہر آنے پر دونوں خواتین کے چہرے دن رات کا منظر پیش کرنے لگے..
 ارے بہو: میں تو اپنی ساس کی سخت گیری کو بتا رہی تھی کہ کیسے ہم چاروں بہوؤں کی گردنوں پر پیر رکھے رکھتی



اللہ انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے

اماں بیچاری بغلیل جھانکتے ہوئے بات کو سنبھالنے کی
کوشش کرنے لگیں جبکہ زکیہ خالہ نے جھٹ برقع سر پہ
رکھا اور اماں کو سلام جھاڑتے ہوئے باہر کی راہ لی،،
میں نے گیٹ سے جھانکا تو اسے صفیہ کے گھر میں گھستے
دیکھتا یقین ہو گیا کہ وہ ابھی کی تازہ کاروائی اسکے
گوش گزار کر کے ہی سکون پائے گی، کیونکہ اسکی خود اپنی
بہوون سے کبھی بنی نہیں تھی اس لیے ہر ساس بہو کو
آپس میں لڑوا کر اسکی بے چیں روح کو شاید کچھ تسکین
ملتی تھی

میں نے تاسف سے سر ہلاتے ہوئے سوچا کہ عورت
ہی عورت کی دشمن ہوتی ہے اور عورت ہی ظالم و مظلوم
اماں یہ دیکھیں آپ کے لیے یہ سوٹ لائی ہوں
پرٹ دیکھیں؟

مجھے آپ کے لیے یہ بہت پسند آیا تو سوچا لے لوں ...
میں نے سوٹ اماں کی گود میں رکھتے ہوئے اماں کے
چہرے کی طرف اس امید سے دیکھا کہ شاید انہیں خوشی
ہوگی

جہاں ایک لمحے کو تو واضح پسندیدگی جھلکی مگر دوسرے
لمحیاں نے دوبارہ سے بیزاراری طاری کرتے ہوئے
سرسری ساد کیکر کر ایک سائیڈ پر رکھتے ہوئے کہا
اے بہو: اس کی کیا ضرورت تھی، اچھے بھلے کپڑے تو
بین میرے پاس، بلا وجہ کا خردیتی ہو بات بات پہ

کے کما تا ہے تب گھر کی دال روٹی چلتی ہے اور تم منٹوں
میں اڑا

دیتی ہو،، میں جو اماں کا دل جیتنے کے لیے جانے کیا کیا
جتن کرتی تھی سب کچھ دھڑے کا دھرا رہ جاتا . اماں
میرے لائے گئے تحفوں کے جواب میں اپنی ساس کے
قصے لے کہ بیٹھ جاتیں،

آپ بھی نا اماں: کیا کیا سوچتی رہتی ہیں
"ثاقب" کوئی مزدور تھوڑی ہیں، ملٹی نیشنل کمپنی کے
مالک ہیں سارا سارا دن اے سی کہ ٹھنڈی ہواؤں میں
رہتے ہیں چار چار گاڑیوں کے مالک ہیں چھ ماہ ملک
سے باہر رہتے ہیں، مگر آپ تو اتنا درد بھرا نقشہ کھینچتی ہیں
کہ جیسے سارا دن اینٹ گاراڈھوتے ہیں اور میں انکی
کمائی اڑا دیتی ہوں
میں نے خاصہ بد مزہ ہوتے ہوئے بات کو مزاق میں
اڑانا چاہا ...

ہاں ہاں تم تو چاہتی ہو کہ اب میرا بچہ بیچارہ اینٹ
گاراڈھوے
اری ناشکری عورتیں ہی ہیں اچکل کی،،،

کام کی نہ کاج کی، دشمن اناج کی،،
اماں کی لن ترانی پر مین ہکا بکا انہیں دیکھتی رہ گئی اور وہ
سوٹ کو بغل میں دبائے یہ جاوہ جا،،، واقعی سچ ہے،
دنیا کی کبھی نہ راضی ہونے "مخلوق" عورت ہی کہلاتی
ہے

خالد جان

(کوئٹہ کینٹ)

جب بھی ہم اپنے ارد گرد کسی کے منہ سے بھائی کا لفظ سنتے ہیں تو ہمیں ایک مضبوط سارشتہ یاد آ جاتا ہے اور وہ رشتہ ایک بھائی کا بہن سے اور ایک بھائی کا بھائی سے ہوتا ہے۔ لیکن افسوس آج کل ہمارے معاشرے میں بہت ہی کم لوگ اس رشتہ سے جڑیں تمام فرض سر انجام دیتے ہیں اور پھر ایک اچھے بھائی کہلانے کے مستحق ہوتے ہیں۔ ہمیشہ کی طرح آج پھر اسلم کی کاپی نامکمل تھی ساجد صاحب نے attendance لینے کے بعد جب ریاضی کی کاپیاں چیک کی تو اسلم کی کاپی نامکمل تھی اس پر اسے ہمیشہ کی طرح کی ڈنڈے بطور انعام ملیں۔ ساجد صاحب نے اسلم سے غصے میں کہا "کیا مسئلہ ہے تمہارا ہمیں بھی بتا... نہ تو تم کاپی مکمل کرتے ہو اور نہ کچھ یاد کرتی ہو..... اور پھر نوابوں کی طرح کلاس میں سو کر نیند بھی پورا کرتے ہو.... مت کرو نا پوری رات آوارا کر دی تاکہ تمہیں کلاس میں نیند نہ آئے....." اسلم کو ایسی کہی باتیں سننے پڑتی ہیں اور اس کمزور جسم پر کی ڈنڈو کے درد بھی پہنچے پڑتے۔ ساجد صاحب کلاس انچارج تھے لہذا پہلا پیریڈ بھی اس ہی کا تھا۔ پہلے ہی پیریڈ سے اسلم کے مار کھانے کا سلسلہ شروع ہوتا اور چھپے پیریڈ تک جاری رہتا۔ اور کبھی کبھار کسی استاد کہ نہ آنے کی وجہ سے اسے بہت خوشی ہوتی اور کچھ دیر کے لیے سکون بھی مل جاتا۔ اسلم ایک پراویٹ اسکول میں پڑھتا تھا جہاں لڑکیاں اور لڑکیاں ایک ہی کلاس میں بیٹھتے تھیں۔ اسلم اس پراویٹ اسکول میں کبھی نہیں پڑھا تھا اگر اس اسکول کا پرنسپل اس کے والد



ان خواہشات کے ساتھ کچھ مجبوریاں بھی ہوتی ہیں اور یہی مجبوریاں انسان کو اس کی خواہشات سے الگ کر دیتے ہیں۔

بلکل ایسا ہی اسلم کے ساتھ بھی ہوا اسے پڑھنے کا بہت شوق تھا۔ اور اس کی حسرت تھی کہ وہ پڑھ لکھ کر ڈاکٹر بنے۔

لیکن غریب کی مجبوریاں اس کی خواہشات کی تکمیل کہا ہونے دیتی ہیں۔ غریب تو ایک مجسمہ ہوتا ہے جو دوسروں کی محبت بھری نگاہوں کا مہتاں ہوتا ہے مگر افسوس اسے یہ بھی نصیب نہیں ہوتے.....

آخر کار آٹھویں تک پڑھنے کے بعد اسلم نے اسکول کو خیر باد کہہ دیا۔ اب اس کے دل میں ایک ہی خواہش تھا کہ اس کی دونوں بہنیں ڈاکٹر بنیں۔

اب وہ صبح سے لیکر رات دیر تک کام کرتا رہتا اور جس کی وجہ سے اسے اب کچھ زیادہ پیسے ملنے لگے تھے۔

جس سے گھر کا گزارا اوقات با آسانی ہو جاتا تھا۔

اسلم کو اکثر حسینہ کی یادیں ستایا کرتے تھے۔ شاید وہ

حسینہ کو اپنا دل دے بیٹھا تھا۔ جب اسلم اسکول چھوڑ رہا

تھا تو حسینہ نے اس کی بہت منت سماجت کی کہ اسکول

مت چھوڑو۔ لیکن اسلم نے نہیں مانا شاید وہ تنگ آچکا

تھا اس روز روز کی بے عزتی اور مار کھانے سے۔ وہ

ملاقات ان دونوں کی آخری ملاقات تھی اسکے بعد وہ

دو کو کبھی نہیں ملیں۔ اسلم محنت کرتا رہا۔

فیس بہت ہی زیادہ تھا۔ لیکن پرنسپل صاحب اسلم اور اس کی دو بہنوں سے بہت ہی کم فیس لیا کرتا تھا۔ اسلم پانچویں جماعت میں تھا جبکہ اس کی دونوں بہنیں دوسری جماعت میں تھیں۔ اسلم کے کلاس میں

بہت سی لڑکیاں تھیں لیکن اسے صرف حسینہ ہی اچھی لگتی۔ حسینہ ہمیشہ اسلم کو نصیحت کرتی کہ وہ اپنی پڑھائی پر توجہ

دے اور یہ سن کر اسلم اکثر اسے ثابت میں سر ہلاتا۔ سچ کہتے ہیں جس کے دل میں آگ لگتی ہے جلنے کا بھی

اسے ہی پتا ہوتا ہے۔ جس پر جو گزرتا ہے اس کا علم اسے ہی ہوتا ہے باقی تو صرف مشورے ہی دیا کرتے

ہیں۔.....

اسلم اسکول سے چھٹی کے بعد سکندر استاد کے گیرج چلا جاتا اور رات دیر تک وہی پر کام کرتا رہتا تھا۔

جب وہ کام سے فارغ ہو جاتا تو اس کا استاد اسے اس کی مزدوری کے تین سو روپے دے دیا کرتے۔ اور وہ

بازار سے والد کی دوایاں یا کھانے پینے کی اشیاء خرید

کر گھر چلا جاتا تھا۔ گھر کے تمام کام وہ خود ہی کیا کرتا

تھا۔ اس کی ماں بہت عرصہ پہلے اس دنیا سے رخصت

ہو چکی تھی۔ اور والد کسی حادثے میں معذور ہو گیا تھا۔

پہلے محنت مزدوری کر پاتا تھا لیکن اب اس قابل نہیں تھا

کہ کوئی کام کر سکے۔ لہذا تمام تر ذمہ داریاں اسلم

کے سپرد تھیں۔ گیرج میں کام کرنے کی وجہ سے وہ

انتاہت کا ہوا ہوتا کہ اسکول کا کام نہیں کر پاتا

سے کہنے لگا "اسلم بیٹے کتنا خوش نصیب ہوگا وہ باپ جسے تم جیسا بیٹا ملا.... اسلم تم نے بیٹے اور بھائی ہونے کا فرض ادا کر دیا ہے بہت ہی کم ایسے بھائی ہوتے ہیں جو اپنے خواہشات کو قربان کر دیتے ہیں صرف اور صرف اپنے ماں باپ بہن بھائیوں کے لئے..." "یہ سن کر اسلم کہنے لگا۔ "نہیں استاد کو یہی بھی فرض میں نے ابھی تک ادا نہیں کیا... جتنا میرے بابا نے میرے لئے کیا ہے اس کا فرض میں زندگی بھر ادا نہیں کر پا ہوں گا.... اور پھر بھائیوں اور بہنوں کے درمیان ایک ایسا رشتہ ہے جس میں شہد جیسی مٹھاس ہوتی ہیں... استاد وہ انسان نہ تو بھائی کہلاتا ہے اور نہ ہی بیٹا جب تک وہ ان دونوں رشتوں کا فرض ادا نہ کرے...." "استاد کہنے لگا۔ "بلکل ٹھیک کہا تم نے بیٹے۔" دونوں کے چروں پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ بھکیر گئی۔ اسلم کو جس دن کا انتظار تھا آخر وہ دن آ ہی گیا اس کی دونوں بہنیں (ایمن اور مابین (ڈاکٹر بن گئیں۔ جب اس بات کا اسلم کو پتا چلا تو وہ اتنا خوش ہوا گویا کہ دنیا کی تمام خوشیاں اسے ملیں ہو۔ وہ جلدی سے مٹھائیاں لے آ کر سب کا منہ میٹھا کر دیا۔ آج اسلم کے بابا بھی بہت خوش تھے۔ اسلم جلدی سے گیرج پہنچا اور زور زور سے صدا بلند کرنے لگا "استاد... استاد..." ".... کیا ہوا اسلم بیٹے خیریت تو ہے....."

میں بدل گیا ہے....." "استاد حیرت سے پوچھنے لگا "کونسا خواب پورا ہوا ہے کچھ بتاؤ تو سہی....." "استاد! میری دونوں بہنیں ڈاکٹر بن گئیں ہیں...." یہ سن کر وہ بہت خوش ہوا۔ اور اسلم نیکبہا "استاد یہ لومہ نہ میٹھا کرو...." "استاد نے اسلم کو میٹھے کا کہا اور خود بھی اس کے پاس بیٹھ کر اس سے کہنے لگا۔ "اسلم بیٹھے مجھے بھی اسی دن کا انتظار تھا کہ کب تمہاری خواہش پوری ہو اور میں تم سے اپنے خواہش کا اظہار کرو... اور آج وہ دن آ گیا ہے "اسلم حیرت سے پوچھنے لگا "استاد! کیسی خواہش؟" "استاد در دہرے لہجے میں کہنے لگا "بیٹے تم تو جانتے ہو میری صرف ایک ہی بیٹی ہے بیٹا تو کوئی ہے ہی نہیں بیوی تو کب کی چل بسی.... ڈرنا ہو کہ میرے مرنے کے بعد میرے رقیق کا کیا ہوگا۔" اسلم بے ساختہ کہنے لگا "استاد اللہ نہ کرے کہ آپ کو کچھ ہو.... یہ آج آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔" استاد کہنے لگا "بیٹے میرے رقیق کو اپنے نکاح میں قبول کرلو "یہ سن کر اسلم حیرت سے کہنے لگا "استاد بابا سے پوچھتا ہوں "استاد اسلم کی بات کاٹتے ہوئے کہنے لگا ".... بیٹے تم صرف ہاں کر دو آگے تمہارے بابا سے بات کرنا میرا کام ہے۔" اسلم نمسکراتے ہوئے مثبت جواب میں سر ہلایا اور دونوں مسکرانے لگے۔ استاد اسلم سے کہنے لگا "لاں یا ایک اور مٹھائی کیلاں اس شوگر کی تو ایسی کی تیشی... کچھ عرصہ بعد

انہیں بہت دکھ ہوا۔ اسلم کو اس کی بہنیں کام کرنے سے منع کرتے لیکن وہ انکی بات ٹال دیتا اور ہمیشہ کی طرح گیرج میں کام کرنے جایا کرتا تھا۔ اگر اسلم معاشرے میں ایک جاہل فرد کی حیثیت رکھتا بھی ہو لیکن اس نے وہ کردیکھا یا جو بہت کم لوگ کر پاتے ہیں ۔

درد بھرے الفاظ کے ساتھ یہ کہنا چاہوگا کہ ایسے مزدوروں کے ساتھ تعاون کرے جو اپنی تمام خواہشات کی قربانی دے کر اپنی تعلیم بھی چھوڑ کر اپنے گھر والوں کے لیے ذریعہ معاش بن جاتے ہیں اور اسی عمر میں کی بچے اپنی زندگی موج مستیوں میں گزارتے ہیں۔ دل تو سب کے پاس ہوتا ہے لیکن اصل دل تو وہ ہوتا ہے جس میں کسی کے لئے احساس

ہو ,.....

نادان لڑکی

سدرہ امجد (میرپور خاص)

وہ آج بھی بنانا شستے کے گھر سے یونیورسٹی کیلئے چا چکی تھی وہ یونہی اکھڑی اکھڑی سی رہتی تھی اسے یونیورسٹی جانے کی اجازت بہت مشکل سے ملی تھی وہ دو بھائیوں کی اکلوتی بہن تھی بہت لاڈلی تھی سب کی مگر انکے خاندان میں لڑکیوں کو مشکل سے بس میٹرک کر کے گھر بٹھالیا جاتا تھا پھر وہی گھر کے کام اور پھر شادی جبکہ ایمان ان باتوں سے بہت چوتی تھی وہ پڑھنا چاہتی تھی کچھ بننا چاہتی تھی سب کی لاڈلی ہونے کی وجہ سے ایمان کو انفرکروائی گئی مگر اسکی ضد تھی یونیورسٹی جاں گی بہت ہی منت ساجت کے بعد بالا آخرا سے یونیورسٹی جانے کی اجازت مل گئی تھی

یونیورسٹی کا پہلا دن تھا اسکی کلاس کی ایک لڑکی سے دوستی ہو گئی جسکا نام فرح تھا

اسے پہلے ہی دن فرح مل گئی تو وہ یونیورسٹی میں ہر وقت اسی کے ساتھ رہنے لگی تھی فرح کو پیار سے سب فری کہتے



بہت سے لڑکوں سے دوستی ہے فری یونیورسٹی میں سارا وقت موبائل استعمال کرتے ہی گزارتی تھی ایمان اسے سمجھاتی کہ یہ سب ٹھیک نہیں ہے مگر فری ہنسی میں بات ٹال دیتی اور کہتی تم کیا جانو موبائل کا نشہ کیا ہوتا ہے تمہارے پاس کونسا موبائل ہے تم ایک کام کرو تا تم بھی موبائل لے لو اچھا وقت گزرے گا ایمان کے دل میں بھی یہی بات آنے لگی کہ اس کے پاس بھی موبائل ہونا چاہیے ایمان کو پیار سے ایسی کہتے تھے سب ایسی نے گھر آتے ہی اپنی فرمائش رکھ دی سب کے سامنے کہ مجھے موبائل فون چاہیے میری سب دوستوں کے پاس موبائل ہے میرے پاس ہی نہیں ہے مجھ سے سب پوچھتی ہیں کہ موبائل کیوں نہیں ہے میں سب کو کیا جواب دوں اسکی یہ فرمائش سن کر ایسی کے بابا بہت غصہ ہوئے اور کہا اگر پڑھنا ہے تو سیدھی طرح پڑھو یہ فضول کی فرمائشیں پوری نہیں ہو سکتیں ایسی نے بولنا ہی چاہتا تھا لیکن بابا!..... سسسس خاموش ایسی کے بابا بہت غصے میں تھے میں نے ایک بار جو کہہ دیا سو کہہ دیا تھیں سنائی نہیں دیا بابا تمہاری سمجھ میں نہیں آئی

ایسی روتے ہوئے کمرے میں چلی گئی اور زور سے دروازہ بند کر دیا اسکی امی نے بہت کوشش کی ایسی کو بلانے کے مگر ایسی نے ایک نہیں سنی وہ کھانے پہ بلانے آئیں تھیں اسکی ماں دروازے کے اس پار کھڑی سن

جائیں آپ مجھے نہیں کھانا کچھ بھی وہ رو رہی تھی رات میں کھانے کے ٹیبل پر ایسی کے بابا نے ایسی کو ناپا کر ایسی کی ماسے پوچھا ایسی کہاں ہے؟ وہ ناراض ہے آپ سے آپ کو اس سے ایسے بات نہیں کرنی چاہیے تھی ایک موبائل فون ہی تو مانگا تھا ایسی کے بابا غصے سے کھڑے ہو گئے تم جانتی ہو میں اس بات کے سخت خلاف ہوں پھر بھی تم..... وہ غصے سے وہاں سے چلے گئے اب ایسی کا موڈ ہر وقت آف ہی رہنے لگا تھا کسی سے بھی سہی سے بات نہیں کرتی تھی سوائے فری کے فری ایسی کے گھر بھی آنے لگی تھی ایسی جے بھائی کو فری ایک آنکھ نا بھاتی تھی وہ ماسے کہتا رہا مجھے یہ لڑکی ٹھیک نہیں لگتی آپ ایسی سے کہیں دور رہے اس لڑکی سے مگر ایسی کو فری کے سوا کچھ دکھتا ہی نہیں تھا ایک دن یونیورسٹی میں بیٹھے ہوئے فری نے کہا کہ یار ایسی تم چھپا کر موبائل فون رکھ لو نا ایسی نے حیران ہوتے ہوئے فری کو دیکھا یہ تم کیا کہہ رہی ہو میں ایسا کیسے کر سکتی ہوں تم جانتی ہو نا بابا کتنے غصے والے ہیں نا بابا نا میں یہ نہیں کھ سکتی اود میں موبائل فون لوگی کہاں سے؟ فری نے ایسی کی بات سن کر زوردار تہقہہ لگایا ارے پاگل تم کونسا ہر وقت گھر والوں کے ساتھ چپکی رہتی ہو اپنے کمرے میں آرام سے موبائل استعمال کر سکتی ہو ایسی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا مگر فری میں موبائل لوگی کہاں سے؟

ایسی نے لگا تم کو اپنا لینا اپنا لینا

کیا مطلب ہے فری میں کچھ سمجھی نہیں؟

اسے وہ اچھا لگنے لگا تھا وہ ہر وقت اسی سے باتیں کرتی رہتی تھی ہر وقت کمرے میں بند رہنے کی وجہ سے ایکی کی ماما کو اس پر شک ہو گیا تھا وہ راتوں کو جاگ کر اسے دیکھا کرتیں تھیں اس کے کمرے سے سرگوشیوں کی آواز آتی تھی آخر کار ایک دن ایکی سے پوچھ ہی لیا

"ایکی ایک بات پوچھوں سچ بتا گی؟"

جی ماما پوچھیں ایکی نے جواب دیا

ایکی رات کو تمھارے کمرے سے آوازیں آتی ہیں

تمھارے پاس موبائل فون ہے نا تم کسی سے چھپ

چھپ کر باتیں کرتی ہونا

ایکی کے چہرے کے رنگ ہی اڑ چکے تھے

نہیں ماما وہ میں، وہ بولنا چاہ رہی تھی کہ ایک زوردار ٹیچر

رسید ہوا جو اسکے گلابی گال کو اور لال کر گیا ٹیچر مارنے

والا اور کوئی نہیں اسکا بھائی تھا وہ روتے ہوئے کمرے

میں بھاگی اسکے پیچھے ہی بھائی اور ماما بھی چلے گئے وہ

دروازہ بند کرنا چاہ رہی تھی کہ اسکے بھائی نے روک لیا

اور کہا موبائل- فون مجھے دوا ایکی بھائی میرے پاس کوئی

فون نہیں ہے آپ لوگوں کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے میرا

یقین کریں بھائی، ماما آپ بولیں نا بھائی کو وہ ماں سے

کہہ رہی تھی مگر وہ نظریں جھکائے کھڑی تھیں اتنے میں

ایکی کے بابا آ گئے 'بھئی خیر ہے آپ سب یہاں کیوں

کھڑے ہیں اور ایکی میرا بچہ کیوں رورہی ہوا اسکے

بھائی نے کچھ بولنا چاہا مگر ماں نے اشارے سے منع

ارے بار میں تمھیں بتانا بھول گئی وہ جو فراز ہے باپنا کلاس فیلو وہ تمھیں بہت پسند کرتا ہے اس نے بہت بار مجھے کہا مگر مجھے لگا تمھیں برا لگے تھی میں نے تم سے کچھ کہا نہیں

وہ فراز، وہ جو کسی کو پسند نہیں پوری یونیورسٹی میں، شکل

دیکھی ہے اسنے اپنی، نام مت لو اسکا زہر لگتا ہے مجھے وہ

ایکی نے غصے سے کہا تو فری ہنسنے لگی ارے پگلی اس سے

موبائل لے لو توڑی بہت بات کر لیا کرنا بس تمھیں تو

نو بول جائے گا نا سمجھا کرو مجھے دیکھو نا کتنے لڑکوں سے

باتیں کرتی ہوں میری کتنی تعریفیں کرتے ہیں سب

لڑکے خیر تمھاری مرضی میں کیا کہہ سکتی ہوں یونیورسٹی

کی چھٹی ہوئی ایکی گھر آ گئی کھانا کھایا موڈ بہت اچھا تھا

ایکی کا کمرے میں آ کے دروازہ بند کر لیا اور سوچنے لگی

کہ فدی کی باتوں میں دم تو ہے میں فراز سے دوستی کر

لیتی ہوں موبائل- فون مل جائے گا اور میں بھی فری

کی طرح باتیں کیا کروں گی صبح یونیورسٹی جاتے ہی اس

نے فری سے کہا فراز سے کہو مجھے موبائل دے دے

میں اس سے دوستی کرنے کے لیے تیار ہوں یہ سنتے ہی

فری وہاں سے بھاگی اور توڑی ہی دیر میں واپس آ گئی

اور ہاتھ میں ایک موبائل تھا وہ اسنے ایک کو تمھادیا ایکی

بہت حیران ہوئی کہ ابھی تو کہا تھا اور ابھی اتنی جلدی

موبائل آ بھی گیا خیر اسے خوشی میں کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا

نے اسے گلے لگایا اور آرام کرنے کا کہہ کر وہاں سے چلے گئے بھائی پہلے ہی وہاں سے جا چکا تھا ایسی مما کے گلے لگانا چاہتی تھی مگر وہ پیچھے ہٹ گئیں اور کہنے لگی تمہارے باپ بھائیوں کی عزت اب تمہارے ہاتھ ہے کوئی غلط کام کرنے سے پہلے اپنے باپ کی پگڑی کی طرف دیکھ لینا تم ہی ہو جو انکی پگڑی اور اونچی کر سکتی ہو یا انہیں بیرونی میں روندتی ہوئی جاسکتی ہو وہ یہ کہہ کر وہاں سے جا چکی تھیں ایسی نے دروازہ بند کیا اور فوراً "موبائل نکالا اور فری کو کال کر جے سب بتایا فری نے کہا ٹینشن مت لو میں ہوں نا صبح یونیورسٹی آ پھر دیکھتے ہیں کیا کرنا ہے وہ صبح یونیورسٹی جانے کیلئے نکلی تو بھائی نے کہا یہ آج سے یونیورسٹی نہیں جائے گی وہ کچھ کہتی اتنے میں بابا آگئے ایسی نے موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے وہاں سے نکلنے کی کی یونیورسٹی پہنچ کر وہ سب سے پہلے فری اور فراس سے ملی انہیں سب بتایا انہوں نے کہا یونیورسٹی کی چھٹیاں ہونے والی ہیں جب تک یونیورسٹی نہیں کھلتی موبائل ہمیں دے دو تا کہ تمہارے گھر والے اگر ڈھونڈنا بھی چاہیں تو تمہارے پاس سے انہیں موبائل نا ملے نا چاہتے ہوئے بھی وہ اس بات پہ راضی ہو گئی آج جب وہ گھر پہنچی تو گھر میں کچھ مہمان آئے ہوئے تھے جنہیں وہ نہیں جانتی تھی مہمانوں سے سلام دعا کے بعد کمرے میں داخل ہوئی تھی کہ پیچھے ہی اسکی ماما بھی آ گئی ایسی تمہارے کپڑے نکال کر رکھیں

ہے اتنا کرو نیچے آ جاپتا چل جائے گا وہ مہمان کوئی اور نہیں ایسی کے رشتے کے لئے آئے ہوئے تھے ایسی نے کپڑے نا پہننے کمرے میں بیٹھی رہی اتنی دیر میں ماما دوبارہ آ گئی ایسی کپڑے پہننا ساتھ ہی بابا بھی کمرے میں داخل ہوئے بابا کے کہنے پر ایسی نے کپڑے پہن لئے چلو میرا بچہ آ جا وادھر میرے پاس بیٹھو بابا نے بڑے پیار سے پاس بیٹھ لیا ماشاء اللہ بہت پیاری بچی ہے مہمان خاتون نے کہا مگر ایسی کو کوئی فرق نہیں پڑا اس کے دل و دماغ میں طرح طرح کے خیالی پلاو پک رہے تھے اس نے اللہ اللہ کر کے جان چھڑائی مہمانوں سے یونیورسٹی سے تو چھٹیاں تھی مگر ایک دن چھٹیوں میں ہی فری ملنے آ گئی اس نے سب کچھ فری کو بتایا فری نے ایسی سے کہا تم فکر نا کرو شادی کے دن ہی ہوئے ہیں میں فراس کو کہتی ہوں مگر تمہیں اس کے ساتھ جانا ہو گا گھر چھوڑنا ہو گا ایسی اس بات پر مان گئی ماما کو ایسی پر شک سا ہو گیا مگر ماں ہونے کے ناطے خاموش اور بیوی ہونے کے ناطے لاچار بھی تھی خیر ایسی نے فری کی بات مان کر گھر سے جانے کا فیصلہ کر لیا اس نے ساری تیاریاں کر رکھی تھی بس فری اور فراس کا انتظار کر رہی تھی آخر کار فراس اور فری آ گئے ایسی ان کے ساتھ چل دی وہ ایک ہوٹل میں ٹھہرے ایسی تم یہاں بیٹھو میں اور فراس ابھی آتے ہیں ٹھیک ہے مگر جلدی واپس آ جانا فری اور فراس باہر کسی سے بات کر رہے تھے ایسی نے

ملکہ سے آج سنسنی سے

رہے تھے نہیں بھی اتنی محنت سے لڑکی کو گھر سے بھاگا
کر لائے ہیں اتنے پیسے تو نہیں دام کچھ زیادہ لگاوا یہی
نے جب اپنا نام سنا تو اس کے پیروں تلے سے زمین
ہی نکل گئی ایک گہری چوٹ اس کے اعتماد و دل پڑ گئی
اس نے خود کو سنبھالتے ہوئے گھر واپسی کا فیصلہ کیا اس
سے پہلے کے صبح ہوتی گھر والوں کے جاگنے سے پہلے
ایک گھر پہنچ گئی صبح ماما بابا کے گلے لگ کر خوب روئی
بھائی سے معافی مانگی اور خوشی خوشی شادی کی تیاریاں
کرنے لگی اس دوران فری ایک بار بھی ملنے نا آئی
اسے اس بات کا اندازہ ہو چکا تھا کہ ایسی اس خج
اصلیت جان چکی ہے ایسی کو اب کسی سے کوئی شکایت نا
رہی اور خوشی خوشی شادی کی اطمینان سے زندگی
گزارنے لگی۔۔۔۔۔

سائرہ رحمان

کچھ لوگوں پر مجھے بہت حیرت ہوتی ہیں..

جب وہ بہت بڑی بڑی باتیں کر رہے ہوتے ہیں . جب وہ دوسروں کو دیکھ کر ان کا مزاق اڑاتے ہیں . ان پر ہنستے ہیں . انہیں خود سے کمتر سمجھتے ہیں حقیر سمجھتے ہیں.

سوچنے کی بات ہیں کیا سمجھتے ہے وہ خود کو؟؟؟؟ اگر کوئی خوبصورت ہے تو اس میں اس کا کیا کمال ہے کیا انہوں نے خود کو خود ہی بنایا ہے؟؟ نہیں نا..... یہ تو اس سوچنے رب کا کرم ہے . اس کا شکر کرنے کے بجائے لوگ غرور کرنے لگ جاتے ہے.

اور اگر کوئی بد صورت ہے تو اس میں اس کا کیا قصور ہے..

یہ بھی اس مالک کی مرضی ہے.



ہمیں کیسے رہنے کا حکم دیا ہے وہ کیا لانا کرتا ہے۔
آپ کی دس ہزار کی لپ سٹک سے کسی غریب کا چولہا
دس دن جل سکتا ہے۔ وہ جس کے بچے روتے روتے
روز بھوکے سو جاتے ہیں۔

آپ کی پچاس ہزار کی گھڑی سے کسی غریب کی بیٹی کی
ڈولی اٹھ سکتی ہے۔ مگر یہ کس کو گوارہ ہے
ہم تو اس نبی کی امت ہیں جس نے خود بھوکا رہے کر
دوسروں کو کھلایا ہے۔
یہ زندگی تو ایک آزمائش ہے۔
جب کہ وہ لے کر بھی آزماتا ہے اور دے کر بھی آزماتا
ہے۔

آخر ایک دن لوٹ کر اسے کہ پاس جانا ہے
اور پھر وہ ہم سے ہر اس چیز کا حساب لے گا جس کا اس
نے ہم کو اختیار دیا ہے۔
خدا رکھ ایسا بھی کر لیجیے کہ وہ بھی آپ کو لانا
کرے۔
ان لائکس اور کمٹس کا کچھ نہیں کر پائے گے
آپ۔۔۔ اللہ ہم سب کو سیدھی راہ دکھائے آمین۔
صم آمین۔

اس میں اس کا کیا کمال ہے یہ بھی اسی پر دیگار کا کرم ہے
وہ جسے جتنا چاہے نواز دے یہ تو اس کے اختیار میں
ہے۔
آخر انسان کس چیز پر غور کرتا ہے۔

سب مٹی ہے اور سب نے ایک ہی جگہ جانا مٹی میں ہی تو جانا
سب نے۔
وہاں اگر کچھ آپ کے کام آئے گا تو وہ آپ کے اعمال ہوں گے۔
وہاں آپ کا یہ فیشن یہ سٹائل کسی کام کا نہیں۔۔۔ کچھ لوگ
ہمارا سٹائل ہمارا سٹائل ہمارا سٹینڈر بول بول کر سب کو
اتنا سنار ہے ہوتے ہیں۔۔۔ کہ سوائے افسوس کے کچھ
کیا نہیں جاسکتا۔۔۔

کیا ہے آپ کا سٹائل آپ کا سٹینڈر؟؟؟؟
فینسی کپڑے برینڈ ڈشوز بڑا سامو ہائل۔۔۔؟؟ بیس
پچیس قسم کے برینڈ ڈپر فیومز۔
اور ڈھیر سارا میک اپ۔۔۔؟؟
یہ ہے آپ کا سٹینڈر آپ کا سٹائل۔۔۔
جب آپ جینز پہن کر ننگے سر سرکوں پر نکلتی ہے اور
ڈھیروں سیلفیاں ویڈیوز بنا کر اپ لوڈ کرتی ہے۔۔۔ خود
کو لانا کر دوانے کے لیے۔
اور ڈھیروں کمٹس پانے کے لیے۔

جو حاصل کر کے آپ بہت خوشی اور بہت فخر محسوس کر
رہی ہوتی ہے۔
تو شاید دیکھنے والا ہر انسان آپ کو لانا کر بھی رہا ہوتا ہے۔

گناہ شتہ

راحیلہ (ٹانک)

رات ادھی گزر چکی تھی لیکن موسم کے تیور ابھی تک بگڑے ہوئے تھے۔ شام کے بعد سے تیز آندھی اور گرج چمک کے ساتھ بارش شروع ہو گئی تھی جو ابھی بھی جاری تھی۔ کھڑکی کھولے ہر قسم کے طوفانوں کا مقابلہ کرتے کرتے وہ آج موسمی طوفان کے آگے بڑا بیس سا کھڑا تھا۔ مٹھیاں بھینچے وہ بہت اضطرابی کیفیت میں تھا بیس سا انتظار کر رہا تھا کہ کب یہ طوفان تھے اور وہ گھر سے نکلے اور اسی وقت ایک جھڑی یادوں کی بھی دماغ میں شروع ہوئی !!! یہ ہمارا ملک ہے بیٹا اس کیلئے لاکھوں لوگوں نے قربانیاں دی ہیں بہت سے احسانات ہے اس ملک کے ہم پر بہت سے خون ادا کرنے ہیں ہمیں ابھی جو ہم یہاں اتنے آرام سے بیٹھے ہیں نا!!!!

بغیر کسی رکاوٹ کے ہم اپنے دینی و دنیاوی کام انجام دے رہے ہیں تو اس لئے کہ ہم آزاد ہیں اور اس آزادی کیلئے ہمیں یہ گھر دینے کیلئے بیٹھا لوگوں نے خون کے نظر انے پیش کئے ہیں اور اب پھر سے وقت ہے پھر سے خواب



بسنے والوں پر کھٹن وقت آیا ہے میرے ملک کے بچے
تک محفوظ نہیں رہے بیٹا!! اسکول چھوڑتے وقت ایک
بچے کی ماں ایک ڈرایک خوف کے ساتھ واپس آتی
ہے۔ کہتے کہتے اس کے والد کی آواز بھرا گئی وہ مزید
بول نہیں پارہا تھا تب ٹامر آگے بڑھا اس نے اپنے
مضبوط بازو اپنے کمزور باپ کے گرد پھیلانے
پاپا!! مجھے بتا ہے کہ اس ملک کے ہم پر کتنے احسانات
ہیں جب سے پیدا ہوا ہوں تب سے آپ کے منہ
سے سن رہا ہوں یونو پاپا!! اب مجھے یہ سب از رہے
پاپا!! ایڈونٹ وری میں ہونا!! میری زندگی صرف
اور صرف اس ملک کیلئے ہے پاپا ٹامر خوش ہوتے
ہوتے پھر سے سنجیدہ ہوا اور پاپا میں نے آرمی جوائن
کر لی ہے اور پرسوں مجھے ٹرینینگ پہ جانا ہے۔ اس
نے حیرت سے بیٹے کی طرف دیکھا اس میں حیرت
کے ساتھ خوشی شامل ہوئی پھر مزید پھرا اور اور پھر اس
نے اٹھنے کی کوشش کی مگر لڑکھڑایا ٹامر نے سہارا دیا پاپا
کو حیرت سے دیکھتا رہا اتنے شاک کا انداز نہ تھا
تت تم تم میرا بیٹا.... میرا ٹامر تو فوجی بن گیا؟ تو۔۔ تو
محافظ بن گیا۔۔۔۔۔ باپ کے منہ سے خوشی بیان تھا
خوشی سے بیربط جملے نکلنے لگے پھر روتے ہوئے اپنے
بیٹے کو گلہ کیا گایا رویا بہت رویا اور پھر اگلے دن وہ پھرنا
اٹھ۔۔۔ کا وہ طوفان فانی سے کوچ کر گیا ایک مشن میں
ایک ٹانگ سے معزور ہونے والے ٹامر کے پاپا کی

سجھال لیگا

ثامر !!! بیٹا کھڑے کیوں ہو؟ بیٹھ جاو، جیسے ہی
بارش رنگی چلیجانا لیکن بیٹا ایسے کب تک کھڑے
رہو گے؟ ماں نے ثامر کو مسلسل کھرکی میں کھڑا دیکھا تو
رہ نہ سکی اور نرمی سے اس کے ہاتھ کو پکڑ کر اپنے
ساتھ بیڈ پر بیٹھا دیا۔

چند لمحے کچھ سوچتے ہوئے بیٹے کے چہرے کو تکتی رہی
اور پھر آہستگی سے گویا ہوئی

ثامر بیٹا! تمیر کو بخار ہے اگر آج رک جاتے تو!!!!.....
کہتی ہوئی ثامر کی میمی نے آخر میں جملہ ادھورا
چھوڑ دیا۔ میمی! آپ کو پتہ ہے اس وقت کیا حالات
ہیں؟؟ ثامر نے نگاہیں اٹھا کر اپنی ماں کی طرف سوالیہ
نگاہوں سے دیکھا اور ماں بیٹی کی آنکھیں دیکھ کر
دھک سے رہ گئی مسلسل جاگتے رہنے انتظار کی کڑی
کٹھن منزل سے گزرتے اور رونے سے اس کی
آنکھیں ابورنگ ہو گئی تھیں۔ اس کی لبوں پر چھپ کی
مہر لگ گئی اور ثامر مزید بول اٹھا "ہمارے دشمن ہماری
اک چھوٹی سی لغزش کے انتظار میں ہیں میمی!! میری
ادھر ضرورت ہے پانی اتنا کھڑا ہے جس میں گاڑی چل
بی نہیں سکتی ورنہ میری بہت ضرورت ہے ادھر
..... میمی!! کاش میں پیدل ہی چل پاتا ثامر پر مرثدہ
لبجے میں گویا ہوا۔ چند لمحے خاموشی کے نظریوئے اور
پھر ثامر بولا ثامیر کو آپ ڈاکٹر کے پاس لچکیں میمی

کتے، لکڑی، جھکڑ، لکڑی، کتا

تک جب تک میرے ملک میں جتنے جیسے محافظ موجود ہیں تب تک کسی دشمن کے ناپاک عزائم پورے نہیں ہو سکتے" اس نے عظمت سے اپنی ماں کو دیکھا تھا اس کے ماتھے پر بوسہ دیا ماں اور سب کو الوداع کہتے گھر سے رخصت ہوا۔

ممی!! پاپا کب آئیگے کل تو بڑی عید نا؟ ثمیر نے منہ بسورتے انتظار کی گڑیاں طویل ہوتے دیکھ کر

کہا۔ آج آئیگے ان شاء اللہ تم دعا کرو ماں نے بیٹے کو پیار سے اپنے ساتھ لپٹاتے کہا۔ دادو آپ کو پتہ

ہے پاپا کب آئیگے؟؟؟ ثمیر ماں کے جواب سے مطمئن نہ ہوا اور دادو کی طرف دیکھ کر سوال کیا اس سے

پہلے کہ دادی کوئی جواب دے پاتی اس وقت گاڑیوں کا شور اور پھر کال بیل نے دونوں کو بہت کچھ باور کرا دیا

گو کہ انتظار کی طویل گھڑیوں اور موبائل کے مسلسل آف رہنے سے دونوں پہلے سے ہی خود کو تیار کر چکی

تھیں لیکن دل بھر بھی دہل اٹھے زخم خوردہ ہو کر دھڑکے درد سے پھڑکے کسی کو کھودینا آسان تو نہیں

!!! مسکراتے لبوں پہ خون کے بوندیں دیکھنا آسان کہاں ہے۔!!! لرزتے کانپتے وجود کے ساتھ

ثمیر کی ممی اٹھی آنسو سے دھندلی نظروں سے اپنی ساس کی جانب دیکھا بوڑھی وجود نے کس کمال ضبط

سے خود کو ٹوٹے کٹھن کرنے سے روکا تھا یہ وہی جانتی تھی۔ اور پھر سبز ہلالی پرچم میں لپٹا لبا چوڑا اثنا مشاہدات

کی حالت میں چھوڑنا کتنا مشکل تھا! کیا وہ بخار سے تپتے ثمیر سے بیخبر تھا؟ کیا سینے میں باپ کی محبت کا ٹھانڈا مارتے سمندر اسے بہا نہیں رہا تھا روک نہیں رہا تھا!! شاید میں نہ سمجھ پاؤں میرے قلم میں میرے ہاتھوں میں اتنی طاقت ہی نہیں کہ ایک باپ کے

جذبات کیونس پر اتار پاؤں!!۔ تو وہ کس حالت سے گزرا ہوگا!! اسے کتنا درد سہنا پڑا ہوگا؟؟؟

دوازے کے اوٹ میں کھڑی ثمیر کی ماں جو ماں ہونے کے ساتھ ساتھ وہ ایک بیوی بھی تھی اپنی

ساس اور شوہر کی گفتگو سن کر بھڑکی نہیں اس نے کوئی مداخلت نہیں کی۔ اس کے دل میں اپنے شوہر کیلئے

ہپناہ محبت کیساتھ اس کے لئے بیحد عزت و احترام تھا اور آج آج وہ عزت و احترام کم نہیں ہوا!! بلکہ مزید

بڑھ گیا تھا۔ اس نے باہر آنے کیلئے پر تو لنے والے آنسوؤں کو اندر ہی اندر پی لیا وہ کوئی عام عورت تو نہیں

تھی وہ اک محافظ کی بیوی تھی اور محافظوں کی مائیں محافظوں کی بیویاں بات بات پہ رویا نہیں کرتیں وہ

اپنے آنسو کے قدر جانتی ہیں اس لئے وہ بھی نہیں روئی اور خندہ پیشانی سے اپنے مجازی خدا کو رخصت کیا تسلی

دی کہ وہ گھر کی بیٹی کی اور اپنی ماں کی فکر نہ کرے بیشک اس وقت وہ ضبط کی انتہاوں پہ کھڑی تھی لیکن اس

نے اپنے شوہر کو محسوس نہ ہونے دیا اس نے اس کا مضبوط ارادہ متزلزل نہ ہونے دیا بلکہ اس کو بڑھادیا اور

گ

تھے لیکن !! انہیں حیرت ہوئی بجد حیرت جب ایک
ماں بیٹے کیمیت کے پاس آکھڑی ہوئی اس کے منہ
سے کپڑا ہٹایا اور مضبوط لہجے چٹانوں جیسے مضبوط لہجے
میں بولی "میرے بیٹے میرے شہید بیٹے اس دن
کیلئے تجھے جنم دیا تھا اور آج تو نے میرا سرخسر سے بلند
کر دیا ہے اور اے میرے ملک پہ میلی نظر رکھنے والوں
سنو !!! آ بھی اس ملک کے شیر زندہ ہیں اور جب

تک یہ زندہ ہیں آپ اپنے گھٹناؤں کے مقاصد میں
کامیاب نہیں ہو سکتے کبھی بھی نہیں وہ بولی اور ایسے
کے آنسو نکلنے کی راہ ڈھونڈتے رہ گئے دل تڑپ تڑپ
کر سکتا ہوا چاہ رہا تھا لیکن اس نے کسی کی سعی
کامیاب نہ ہونے دی اور اصل میں اس نے دشمنوں کی
منہ پہ تمانچہ مار دیا کہ ہم گھبرانے والے نہیں ہم مٹنے اور
مٹانے والے ہیں" اور جوانوں نے بیساختہ ہی اس
عظیم شہید کی عظیم ماں کو سیلوٹ کیا اور ہواؤں میں
اک شہید کی خوشبو رچ بس کر فضا کو سرشار اور معطر
کر گئی _

مرے لے تھوڑا بعد

سلمان

بشیر (بہاولنگر)

"میری آج صبح فجر کی نماز کے بعد ہی موت واقع ہو گئی تھی۔"

مرنے سے ذرا پہلے تک کی کیفیت بہت انوکھی تھی۔۔۔ مرتے وقت مجھے میری کچھلی ساری زندگی کسی فلم کی طرح آنکھوں کے پردے کے سامنے چلتی نظر آئی۔۔۔

میرا بچپن۔۔۔ لڑکپن۔۔۔ سکول و کالج کا زمانہ۔۔۔ جوانی اور پھر بھری جوانی میں موت۔۔۔۔۔ آہ۔۔۔ اتنی تھوڑی سی زندگی لے کر آیا تھا میں۔۔۔۔۔؟

مرتے وقت میرے گھر والوں کے چہروں پہ مردنی سی چھائی ہوئی تھی۔۔۔ انکے آنسوؤں کا سیلاب ہر چیز کو اپنے ساتھ بہائے چلا جا رہا تھا۔۔۔ بابا جانی بھی اس دن بہت رورہے تھے۔۔۔۔۔ حالانکہ میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ بابا جانی کے ماتھے پر دکھ کی ایک شکن تک بھی آئے گی۔۔۔ کیونکہ میرا ان کے ساتھ رشتہ ہمیشہ سے ہی بہت الجھن بھرا رہا تھا۔۔۔ ہم میں بہت کم بات ہوتی تھی۔۔۔ یقین سے تو نہیں کہہ سکتا ہاں مگر عید کے دن وہ ایک بار ضرور مجھ سے گلے ملتے تھے۔۔۔ پھر



روتاد کچھ کر میرے بھی آنسو نکل آئے تھے۔۔۔ مرتے وقت میری بس ایک ہی خواہش تھی کہ کاش میں ایک دن اور زندہ رہ سکوں اور باباجانی کا پیار حاصل کر سکوں۔۔۔ مگر جیسے ہی یہ خواہش کی ویسے ہی موت کے فرشتے نے میری کلائی کو اپنی ہتھیلی میں ایسے کس کے پکڑا جیسے پھانسی کے تختے پر کھڑے مجرم کے گلے میں پھانسی کا پھندا کسا جاتا ہے۔۔۔

میری آنکھیں بند ہونے لگیں۔۔۔ گھر والوں کی چیخ و پکار میں تیزی آ گئی۔۔۔ میں آنکھیں کھول کر ان کو ایک بار پھر دیکھنا چاہتا تھا مگر لاکھ کوشش کے باوجود بھی میں اپنی آنکھیں نہیں کھول پا رہا تھا۔۔۔ میں ہاتھ آگے بڑھا کر ان کو تھامنا چاہتا تھا مگر ہاتھ بھی حرکت نہیں کر رہا تھا۔۔۔ پاؤں بھی ایسے نڈھال کہ انگلی تک ہلائی نہیں جا رہی تھی۔۔۔۔

تبھی میرے کانوں میں میری ماں اور بہنوں کے بین کرنے کی آواز آنے لگی۔۔۔ کوئی میری چھاتی پہ سر رکھ کر رو رہا تھا تو کوئی مجھے بار بار روتے ہوئے پکڑ کر جھنجھوڑ رہا تھا۔۔۔ میرا نام لے لے کر بین کیے جا رہے تھے۔۔۔

میرا کلبجیہ سب سن کر پھنپنے کے قریب پہنچ چکا تھا۔۔۔ مگر یہ کیا۔۔۔ میرا تو دل بھی نہیں دھڑک رہا تھا۔۔۔ میں نے اپنے دل کو سننے کی بہت کوشش کی مگر وہاں ہنوز خاموشی کا راج تھا۔۔۔ دفعتاً میرے کانوں میں میرے

غلام محمد آرائیں کا پوتا اور بشیر احمد آرائیں کا بیٹا سلمان بشیر قضاے الہی سے وفات پا چکا ہے۔۔۔۔۔

انا للہ وانا علیہ راجعون۔۔۔۔۔
مرحوم کا نماز جنازہ عصر کے نماز کے فوراً بعد مسجد عانتہ صدیقہ حافظ آباد میں ادا کیا جائیگا۔۔۔ تمام لوگ نماز جنازہ میں شرکت فرما کر ثواب حاصل کریں۔۔۔۔۔"
میرے دل میں دھڑکن کا نام و نشان تک نہیں تھا مگر اس ایک لمحے مجھے ایسا لگا جیسے میری موت کا اعلان سن کر میرا دل زور سے دھڑکا ہو۔۔۔

قاری صاحب نے وہ اعلان تو اتار سے تین بار کیا۔۔۔ میری آنکھیں بند تھیں لیکن مجھے میرے گھر میں لوگوں کی بھیڑ لگتی محسوس ہو رہی تھی۔۔۔ میری ماں اور بہنوں کی چیخ و پکار سب سے اونچی تھی شاید ان کا غم سب سے بڑا تھا۔۔۔

مجھے یقین ہو گیا تھا کہ میں مر چکا ہوں۔۔۔۔۔ مرے ہوئے میں نے اپنی زندگی کا سب سے آخری سب پڑھا۔۔۔ پڑھنا میں دراصل سیکھا تھا۔۔۔ کہ انسان کی آواز، اس کا چیخنا چلنا یا یہ ظاہر کرتا ہے کہ اس کے درد و غم کی شدت کیا ہے۔۔۔۔۔

تبھی مجھے میری پیشانی پر میرے باباجانی کے ہونٹوں کا لمس محسوس ہوا اور پیشانی پر کچھ گیلا گیلا سا محسوس ہوا۔۔۔ یقیناً وہ ان کے انمول آنسو تھے جو انہوں نے آج کے دن کے لئے غیر ارادی طور پر سنبھال کر ایسے رکھے

مجھے میرے نام سے نہیں پکارا ہوا تھا۔۔۔ ہر کوئی میت میت کی رٹ لگائے جا رہا تھا۔۔۔۔۔

وقت بدلا۔۔۔ اور مجھے ایک تاریک جگہ پر لا کر لٹا دیا گیا۔۔۔ بہت تنگ جگہ تھی وہ۔۔۔ پھر کسی نے میرے اوپر مٹی پھینکی۔۔۔ میں آنکھوں کو کنا چاہتا تھا کہ مجھ پر مٹی نا پھینکیں کیونکہ مجھے مٹی سے الرجی ہو جاتی تھی مگر میری آواز میرے حلق میں ہی دب کر رہ گئی۔۔۔ مجھ پہ وزن بڑھتا گیا۔۔۔ اندھیرا ہی اندھیرا ہوتا گیا اور پھر ہر طرف خاموشی چھا گئی۔۔۔۔۔

کچھ دیر کے بعد میں نے آنکھیں کھولیں تو کوئی اور ہی دنیا نظر آ رہی تھی۔۔۔ ایک بار لیش بزرگ جس کے چہرے پر نور بنی نور تھی روشنی ہی روشنی تھی مجھ سے سوال وجواب پوچھنے لگا۔۔۔۔۔

مجھ سے تین سوال پوچھے گئے۔۔۔۔۔
مجھے یاد ہے کہ میں نے اپنی زندگی میں کوئی خاص عبادت نہیں کی تھی مگر نا جانے کیسے میں نے ان تینوں سوالوں کا درست جواب دے دیا۔۔۔ بزرگ مسکرا کر چلے گئے۔۔۔۔۔ ان کے جاتے ہی ہر سو روشنی ہو گئی۔۔۔۔۔ ٹھنڈی ہوائیں چلنی لگیں۔۔۔۔۔

میں ایک ایسی جگہ پہنچ گیا تھا جہاں ہر طرف ہریالی، سبزہ ہی سبزہ اور روشنی تھی۔۔۔ دودھ کی نہریں بہہ رہی تھیں۔۔۔۔۔ لمبے لمبے انسان خوبصورت سے

بادشاہی لباس پہنے بادشاہ کی طرح لگ رہے

ایک بار پھر گھروالوں کی آزار یوں کے درمیان رکھا گیا۔۔۔۔۔ پھر کچھ دیر بعد گھروالوں کے رونے میں پھر سے شدت آ گئی۔۔۔ میری چار پائی اٹھائی گئی جو کے بار بار بل رہی تھی ساتھ ہی ساتھ میری ماں اور بہنوں کی آوازیں بہت زور زور سے سنائی دے رہی تھیں۔۔۔ شاید وہ میری چار پائی پکڑ کر مجھے وہیں روک لینا چاہتی تھیں۔۔۔۔۔

میری کانوں میں میری سب سے چھوٹی بہن کی آواز پڑی۔۔۔ وہ مجھے "لالہ" کہتی تھی۔۔۔ اس وقت بھی وہ مجھے اسی نام سے پکارتے ہوئے رو رہی تھی۔۔۔۔۔ پھر مجھے کلمہ شہادت کی آواز کے زیر اثر میرے گھر سے نکال کر باہر لایا گیا۔۔۔۔۔

کاش میں اس وقت آنکھیں کھول کر ایک بار اپنے گھر کو دیکھ سکتا۔۔۔ دیکھ سکتا کہ میرے گھر سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رخصت ہو جانے پر وہ گھر بھی لہو برسا رہا تھا یا نہیں۔۔۔۔۔

دیکھ سکتا کہ گھر سے نکتے وقت کتنی دوشیزاؤں نے چھت پر چڑھ کر اس جوان میت کو دیکھا تھا۔۔۔۔۔ دیکھ سکتا کہ میرے رخصت ہونے پر میرے شہر کا موسم کیسا تھا۔۔۔۔۔

دیکھ سکتا کہ میرے کس کس دوست نے میرے جنازے کو کندھا دیا تھا۔۔۔۔۔

پھر کچھ دیر بعد میرا جنازہ پڑھا دیا گیا۔۔۔۔۔

کتنے عرصے تک یہ جگہ ایسی گنگناہٹ سے

تھیں۔۔۔

میں نے اپنی حقیر اور بیہوشی خواہش کی تکمیل پہ خدا کا
شکرا دا کیا اور آنکھیں بند کر کے اسی دنیا کا خیال دل
میں لایا۔۔۔ اگلے ہی پل میں اپنے گھر کی چھت پہ
کھڑا تھا۔۔۔۔

میں نے ارد گرد نگاہ دوڑائی۔۔۔۔ چھوٹے چھوٹے

گھر کسی کچرے کے ڈھیر کی طرح لگ رہے

تھے۔۔۔ اور ارد گرد مارے مارے پھرتے

لوگ، بونوں کی طرح لگ رہے تھے۔۔۔۔

اگلے پل میں گھر کے صحن میں کھڑا تھا۔۔۔۔

وہ میرا گھر تھا جہاں میں نے اپنی زندگی کے پچیس سال

گزارے تھے۔۔۔ مجھے اپنے گھر سے گئے ہوئے

محض چند منٹ ہی ہوئے تھے مگر ایسے لگ رہا تھا جیسے

کچھ سال کا عرصہ بیت گیا ہو۔۔۔۔

ابھی ابھی تو میرا جنازہ میرے گھر سے نکلا تھا۔۔۔ ہر

طرف کھرام مچا ہوا تھا مگر چند ہی منٹ میں سب یوں

مجھے بھول گئے تھے کہ گویا وہ مجھے جانتے ہی نا

ہوں۔۔۔ وہ صف ماتم روکب کی ہٹ چکی

تھی۔۔۔ گھر کی ظاہری حالت بھی بدل گئی

تھی۔۔۔۔ گھر سنسان پڑا تھا۔۔۔ کمروں کو تالے

لگے ہوئے تھے۔۔۔ شاید سبھی کہیں گئے ہوئے

تھے۔۔۔۔

ابھی میں وہیں کھڑا سوچ ہی رہا تھا کہ سب کہاں جا

سکتے ہیں کہ گھر کے مین گیٹ کے باہر لگے تالے کو کھولا

گئے۔۔۔ گھر کے مین گیٹ کے باہر لگے تالے کو کھولا

پھر ایک جگہ بہت تیز روشنی پیدا ہوئی۔۔۔۔ تمام لوگ

سجدے میں گر گئے۔۔۔ میں بھی سجدے میں گر

گیا۔۔۔۔

پھر سوال ہوا۔

"ماگلو اور کیا مانگتے ہو مجھ سے۔۔۔۔"

سبھی لوگوں نے تشکر اور محبت سے سر کو پھر سجدے میں

دھر دیا اور بولے جو چاہیے تھا وہ عطا ہو گیا ہمارے

مالک۔۔۔۔ پھر سوال ہوا۔

"ہے کوئی اور مجھ سے کچھ بھی مانگنے والا؟"

میں نے دل میں عرض کی۔۔۔ میرے

پروردگار۔۔۔ گو کہ جو چاہیے تھا وہ مل گیا ہے اور اس کو

پانے کے بعد کسی چیز کی خواہش نہیں رہی مگر ایک عرض

اور التجا ہے ایک حقیر سی فریاد ہے۔۔۔۔

میں ایک دن کے لئے پھر سے اسی دنیا میں جانا چاہتا

ہوں جہاں سے لایا گیا ہوں۔۔۔ صرف ایک دن

کے لیے۔۔۔ کیا میری یہ خواہش پوری ہو سکتی ہے؟

میں نے دل میں ہی عرض کی۔۔۔ نہایت عقیدت اور

فرمانبرداری سے سر کو سجدے میں جمائے رکھا۔۔۔۔

"ہاں میرے بندے۔۔۔ تیری خواہش پوری کرنے کا

وقت آ گیا ہے۔۔۔ تو جا سکتا ہے اسی فانی دنیا

میں۔۔۔ جہاں نا کوئی اب تجھے دیکھ سکے گا نا تم سے

بات کر سکے گا۔۔۔ لیکن تو جو چاہے کر سکتا ہے جو

چاہے کر سکتا ہے جو چاہے کر سکتا ہے جو

اتنے بدل جائیں گے یہ سوچا بھی نہیں تھا۔۔۔ سبھی
گھر کے ہرے بھرے لان میں بیٹھ گئے۔۔۔
"امی آج شادی پہ کتنا مزا آیا۔۔۔"

کیا شادی کی بات کرتے ہو ذیشان۔۔۔ شادی
بہت اچھی تھی۔۔۔ یہ مانتی ہوں میں۔۔۔ مگر ایک کمی
تھی وہاں۔۔۔ وہ وہاں نہیں تھا نا۔۔۔ اسکے

سارے دوست موجود تھے وہاں۔۔۔ زین اور ظفر
بھی اپنی بیویوں کو ساتھ لائے تھے۔۔۔ مجھ سے ملے
تھے۔۔۔ تمہارے بھائی سلمان کی بات چل پڑی تو

ماحول دکھی سا ہو گیا۔۔۔ کہنے لگے؛ خالہ آج اگر
سلمان ہوتا تو وہ بھی آپ کی بہو کے ساتھ آتا۔۔۔
ظفر نے کہا تو اُن کے آنسو نکل پڑے۔۔۔

تو کیا زین اور ظفر نے شادی بھی کر لی تھی۔۔۔ سالے
کمینے کہیں کے۔۔۔ پہلے کروالیتے تو کم از کم میں بھی
انکی خوشی دیکھ لیتا۔۔۔ مگر خیر کوئی بات نہیں۔۔۔ وہ
دونوں سدا خوش رہیں۔۔۔

باتوں باتوں میں مجھے پتہ چلا کہ میری بہنوں کی شادی
ہو چکی تھی اور دونوں اپنے گھروں میں بنی خوشی زندگی
گزار رہی تھیں۔۔۔ سن کے بہت اچھا لگا۔۔۔

میرا سب سے چھوٹا بھائی ریحان یونیورسٹی پڑھتا
تھا۔۔۔ کچھ منٹ پہلے تو وہ 5 سال کا بچہ تھا۔۔۔ اتنی
جلدی وہ اتنا بڑا بھی ہو گیا تھا۔۔۔ ارے یہ

کیا۔۔۔ میرے بھائی ذیشان نے اپنا درسہ بنالیا تھا

پاپا کہیں نظر نہیں آرہے تھے۔۔۔ نا جانے کہاں
تھے۔۔۔ انکو دیکھنے کو آنکھیں ترس گئی تھیں۔۔۔۔

تبھی وہ گیٹ سے اندر داخل ہوئے۔۔۔ سفید لٹھے کی
قمیض کی جگہ سادہ سا سفید لباس پہنے ہوئے۔۔۔ سر پہ
لال مہندی کی جگہ چاندی چمکائے ہوئے۔۔۔ نظر کا چشمہ

تھوڑا نیچے لٹکا کر زبان سے کلمہ کا ورد جاری کرتے ہوئے
وہ گھر کے باقی مکینوں کے درمیان آ کر بیٹھ گئے۔۔۔
وہ اب بوڑھے ہو گئے تھے۔۔۔

"پھر سلمان کے دوست کی شادی سے ہو آئے تم لوگ؟"
ہاں جی۔۔۔ ہو آئے۔۔۔

بابا جانی کے منہ سے میرا نام نہ کر آنکھیں بھر
آئیں۔۔۔ میرا نام انہوں نے جس کرب و اذیت سے
لیا تھا وہ ناقابل بیان تھی۔۔۔

اگر وہ آج زندہ ہوتا تو تم لوگوں کو ساتھ لے کر
جاتا۔۔۔ بہت خوش ہوتا۔۔۔ آخر اسکے دوست کی جو
شادی تھی۔۔۔

بابا جانی نے دکھ و حسرت کو زبان سے باہر نکالتے
ہوئے کہا۔۔۔

ہاں جی صحیح کہا آپ نے۔۔۔ وقت کا پتہ ہی نہیں
چلتا۔۔۔ ابھی کل کی ہی تو بات تھی جب وہ کہہ رہا تھا
کہ ماما میرا دل بہت گھبرا رہا ہے۔۔۔ دودن سے اس

نے کچھ کھایا بھی نہیں تھا۔۔۔ اور پھر پتہ بھی نہیں چلا
جب اس نے ہمارے ہاتھوں میں دم توڑ دیا۔۔۔

میں نے اس کے ہاتھوں میں دم توڑ دیا۔۔۔

ہیں۔۔۔ مگر آج تک وہ دن ابھی کل کا ہی دن لگتا کے لیے کافی تھی۔۔۔

ہے۔۔۔ میں نے وہیں الماری میں بڑی میری کتابوں کے نیچے

بابا جانی نے نم پلکوں سے کہا۔۔۔ دبے فولڈر میں سے ایک کاغذ نکال اور اپنی سوچ کو اس

بھروہ دوسری باتیں کرنے لگ گئے۔۔۔ مجھے پتہ چلا

کہ گھر میں پیسے کی قلت ہو گئی تھی۔۔۔ کاروبار بھی کوئی

نہیں رہا تھا۔۔۔ وہ کمرے میں بیٹھے کھانا کھا رہے

تھے۔۔۔ انکی تسبیح سرہانے پڑی ہوئی تھی۔۔۔ میں

نے وہ خط انکی تسبیح کے ساتھ رکھا اور وہیں بیٹھ

گیا۔۔۔ کھانا کھانے کے بعد پاپا نے پانی پیا اور تسبیح

اٹھانے لگے کہ انکی نظر اس کاغذ پر پڑ گئی۔۔۔

انہوں نے وہ کاغذ اٹھایا اور پڑھنے لگے۔۔۔

"السلام علیکم بابا جانی۔۔۔

میں ہوں۔۔۔ آپ کا بیٹا۔۔۔ سلمان۔۔۔

حیران مت ہوئے گا۔۔۔ یہ قدرت کی مہربانی ہے۔۔۔

جو میں آپ کے پاس کچھ دیر کے لیے آیا ہوں۔۔۔

بہنوں بھائیوں کو انکے گھر بار والا کر کے آپ نے اپنا فرض

ادا کر دیا ہے۔۔۔ بہت اچھا لگا۔۔۔ بہت خوشی

ہوئی۔۔۔

خوشی ہوئی کہ آپ لوگوں کو میں اب بھی یاد

ہوں۔۔۔۔۔ ماما کو میرا سلام کہیے گا۔۔۔ بہنوں اور

بھائیوں کو گلے لگا کر پیار دیجئے گا۔۔۔ آپ کے ساتھ

کبھی بیٹھ کر باتیں کرنے کا موقع نہیں مل

سکا۔۔۔۔۔ کبھی بتا نہیں سکا کہ میں آپ کے ساتھ بیٹھ

کے لیے کافی تھی۔۔۔

بھروہ دوسری باتیں کرنے لگ گئے۔۔۔ مجھے پتہ چلا

کہ گھر میں پیسے کی قلت ہو گئی تھی۔۔۔ کاروبار بھی کوئی

نہیں رہا تھا۔۔۔

کاروبار کا سوچتے ہی میں لمحے بھر میں اپنے کمرے میں

پہنچ گیا۔۔۔

وہ میرا کمرہ تھا۔۔۔ بالکل ویسے کا ویسے۔۔۔ جیسے

میں چھوڑ کر گیا تھا۔۔۔ میرے کپڑوں کی الماری

سامنے پڑی تھی میں ہوا کی طرح اس میں داخل ہو گیا

اور سب سے نچلے دراز کو کھول کر اسکے پیچھے بنے ایک

خفیہ دراز کو کھولا۔۔۔۔۔ دراز کے اندر دیکھ کر میں نے

سکون کا سانس لیا۔۔۔

دراز کے اندر پورے اٹھارہ لاکھ روپے اور چار لاکھ کے

پرائز بانڈ پڑے تھے۔۔۔

وہ سب میں نے اپنی محنت سے کمایا تھا۔۔۔ اٹھارہ

لاکھ روپے بھی پرائز بانڈ کے ذریعے جمع کیے

تھے۔۔۔۔۔ وہ رقم آج تک ویسے کی ویسی پڑی تھی

شاید کسی کو اس الماری کے خفیہ دراز کا پتہ ہی نہیں

تھا۔۔۔ مجھے تو لگتا ہے کہ کسی نے اس الماری کو کھول کر

بھی نہیں دیکھا تھا۔۔۔۔۔

میں کسی سے بات نہیں کر سکتا تھا نا ہی کسی کو اپنے ہونے

کے لیے کافی تھی۔۔۔

زیادہ آپ سے ہی پیار کرتا ہوں۔۔۔

گھر کے حالات دیکھ کر دل دکھ رہا ہے۔۔۔ بیٹا ہونے کے ناطے میرا کچھ فرض بنتا ہے۔۔۔ کہ میں

آپ کو زندگی کی کچھ آسائشیں دوں۔۔۔ آپ کے بیٹے نے اپنی زندگی میں جو بھی کمایا تھا وہ ابھی تک محفوظ

ہے۔۔۔ اب وہ سب کچھ آپ کا ہے۔۔۔ اور پلیز ان کو لے لیجئے گا۔۔۔ میری آخری خواہش سمجھ کر۔۔۔

میری الماری کے سب سے نیچے والے دراز کو کھولیں گے۔۔۔ اس کے پیچھے ایک خفیہ دراز ہے اس کے اندر کچھ رقم اور

پرائز بانڈ ہیں۔۔۔ اس رقم سے آپ کوئی کاروبار شروع کر لیجئے گا اور پرائز بانڈ دیکھ لیجئے گا شاید کوئی اور بھی لگ

کیا ہو۔۔۔

اچھا اب چلتا ہوں۔۔۔ اور اب خوش رہیں گے۔۔۔ آپ کو خوش دیکھ کر میں بھی خوش رہ سکوں گا۔۔۔

ایک بات اور بابا جانی۔۔۔۔۔ میں آپ کا بیٹا ہونے پر فخر محسوس کرتا ہوں۔۔۔۔۔

اللہ حافظ۔۔۔

آپ کا مرحوم بیٹا۔۔۔!!

خط پڑھ کر بابا جانی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگ گئے۔۔۔ پہلے انہوں نے سمجھا کہ کسی نے ان کے ساتھ مذاق کیا

ہے لیکن پھر وہ میری کمرے میں گئے۔۔۔ ماں باہر بیٹھی انکو حیرت سے دیکھنے لگی کیونکہ بابا جانی زندگی میں پہلی

بار میرے کمرے میں جا رہے تھے۔۔۔ الماری

کے آگے کھڑے ہو کر ان کے کمرے میں گئے۔۔۔

ساری رقم ایک چادر میں لپیٹ کر باہر بیٹھی میری ماما کی گود میں رکھ دی۔۔۔ ماما اتنی ساری رقم دیکھ کر حیران رہ گئی۔۔۔ بابا جانی نے انکی حیرانی دیکھتے ہوئے وہ خط انکی طرف بڑھا دیا۔۔۔۔۔ ماما نے خط پڑھا اور پھر

رونے لگ گئی۔۔۔ خوشی سے دونوں میاں بیوی ایک دوسری کے گلے لگے ہوئے تھے۔۔۔ پاپا نے پھر خط

کھولا مگر میں نے ان کے خط کھولنے سے پہلے ہی وہ تحریر کاغذ سے مٹا دی تاکہ انکو یہ یقین ہو جائے کہ میں وہیں

ان کے پاس ہوں۔۔۔۔

پاپا نے جب خط کھولا تو کاغذ بالکل صاف تھا۔۔۔۔

ماما اور پاپا دونوں حیران رہ گئے۔۔۔ پھر مسکرانے

لگے۔۔۔ پاپا نے ادھر ادھر دیکھ کر مجھے مخاطب کیا اور

بولے

سلمان بیٹا میں جانتا ہوں کہ تم یہیں پر ہو۔۔۔۔۔ بہت

یاد آتی ہے تمہاری۔۔۔ میں تم سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ

میں تم سے بہت پیار کرتا ہوں۔۔۔ مجھے معاف کر دینا

جو میں تمہیں کبھی باپ کا پیا نہیں دے سکا لیکن پھر بھی

تم کو میں اپنا سب سے ہونہار اور فرمانبردار بیٹا مانتا

تھا۔۔۔

دعا ہے کہ تم جہاں ہو وہاں ہمیشہ خوش

رہو۔۔۔۔۔! میں نے آگے بڑھ کر پاپا کے قریب جا

کر ہلکے سے پھونک ماری تو انکو یقین ہو گیا کہ وہ خوشبو

میری ہی تھی۔۔۔ دونوں میاں بیوی ایک دوسرے

کے گلے لگ گئے۔۔۔

اس نے بتایا کہ میرا جگر آدھے سے زیادہ ناکارہ ہو چکا ہے۔۔۔۔۔ خون ٹھیک ہی پیدا نہیں کر رہا۔۔۔۔۔

میں نے اس سے پوچھا کہ کیا میں ٹھیک تو ہو جاؤں گا؟ اس نے ہر ڈاکٹر کی طرح مجھے تسلی دی کہ ہاں اگر تم دوائیاں وقت پر استعمال کرتے رہے اور اپنا خیال

رکھتے رہے تو جلد ٹھیک ہو جاؤ گے۔۔۔۔۔ جبکہ میں اور وہ ڈاکٹر دونوں اچھے سے جانتے تھے کہ یہ صرف ایک تسلی کے سوا کچھ نہیں ہے۔۔۔۔۔

اس شام گھر واپس آتے ہوئے میں بس میں بیٹھ کر بہت رویا۔۔۔ اتنا کہ میرا گریبان آنسوؤں سے تر ہو گیا۔۔۔ مجھے میں اپنی آنکھوں کے ساتھ مرتا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔۔۔ مرنے کے بعد کی چیزیں خود بخود ذہن میں آ رہی تھیں۔۔۔۔۔

اس دن زندگی میں پہلی بار میں اپنے لیے رویا تھا۔۔۔ اس دن کے بعد میں اپنے لیے کبھی نہیں رویا۔۔۔۔۔

کچھ مہینے تک میں اپنا علاج کرواتا رہا۔۔۔ ہر بار گھر جھوٹ بول کر لاہور جاتا اور ڈاکٹر سے علاج کرواتا اور دوائیاں لے کر واپس لوٹ آتا۔۔۔۔۔

لاہور میں ہمارے کئی رشتہ دار ہسپتال میں جاب کرتے تھے۔۔۔ میں ہر بار ان سے چھپ کر ڈاکٹر کے پاس جاتا تھا تاکہ کسی کو پتہ نہ چلے۔۔۔ اپنی بیماری کے بارے میں میں نے کسی کو نہیں بتایا تھا۔۔۔ اگر گھر بتا

تھا۔۔۔ میری الماری کے اوپر ایک سیاہ بکسہ پڑا ہوا مجھے ناجانے کیا کیا یاد کروا رہا تھا۔۔۔

میں نے بکسے کو غور سے دیکھا اور اسکے اندر پڑی چیزوں کا جائزہ لیا۔۔۔۔۔

آہ۔۔۔ صد آہ۔۔۔

مرنے کے بعد یہ میرے جذبات ناجانے کہاں پھر سے آگئے تھے۔۔۔ میری آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔۔۔۔۔

اگلے ہی پل بکسے میں موجود تمام چیزیں میرے سامنے پڑی تھیں اور میں انکو بڑے غور سے تک رہا تھا۔۔۔ ایک سیاہ پلاسٹک کی شیٹ کے اندر کچھ پلاسٹک کے پیپر تھے۔۔۔۔۔

دراصل وہ میری ہاسپٹل کی تمام رپورٹس تھیں۔۔۔۔۔ مرنے سے دو سال پہلے ایک دن میری طبیعت بہت خراب ہو گئی۔۔۔ میں اس دن لاہور شہر میں تھا۔۔۔ کسی کام سے وہاں گیا ہوا تھا۔۔۔ طبیعت خراب ہوتے ہی میں ہاسپٹل چلا گیا۔۔۔ ایک سینیئر ڈاکٹر سے چیک کروا اور بتایا کہ میں کیا محسوس کر رہا ہوں۔۔۔ اس نے مجھے پہلے کچھ انجیکشن لگائے اور

بعد میں میرے ٹیسٹ لیے۔۔۔ اگلے دن انکی رپورٹس آگئیں۔۔۔ میں ڈاکٹر کے سامنے بیٹھا گوگو کی کیفیت کا شکار تھا۔۔۔ ڈاکٹر بہت سنجیدہ بیٹھا تھا۔۔۔ اس نے مجھ سے گھر کے کسی بڑے کو لا نے کا کہا۔۔۔ میں نے

کہ کہ میں نے گھر کے کسی بڑے کو لا نے کا کہا۔۔۔ میں نے

جاتا۔۔۔ گھر پہنچنا پڑتا۔۔۔ بھائیوں کی تعلیم چھوٹ جاتی
وغیرہ وغیرہ۔۔۔

میں صرف اپنی خاطر اتنے لوگوں کا جینا حرام نہیں کر سکتا
تھا۔۔۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ میرے آگے پیچھے تین
پرائز بانڈ لگ گئے۔۔۔۔۔ کچھ رقم میں نے گھر رکھ دی
اور کچھ بینک اپنے اکاؤنٹ میں۔۔۔۔۔ ڈاکٹر صاحب
ایک بھلے انسان تھے انکی مسز بھی ڈاکٹر تھیں۔۔۔ ان کو
میں نے سب سچ سچ بتا دیا تھا کہ میں اپنی اس بیماری
کے بارے میں کسی کو نہیں بتا سکتا۔۔۔

میرا صبر اور ہمت دیکھ کر انہوں نے اس دن مجھے اپنے
گلے سے لگا کر شاباشی دی تھی۔۔۔ اور بولے آج کے
بعد میں تم سے ایک پیسہ بھی نہیں لوں گا۔ تمہارا سارا علاج
میں فری میں کروں گا بس دو انیاں تم کو خود لینے پڑیں گی
جو کہ میں تم کو اصل قیمت سے کم قیمت پر دلوں دیا
کروں گا۔۔۔ اور پھر میرا علاج اپنے گھر پر ہی بنے
کلینک پر کرنے لگے۔۔۔۔۔

مجھے لکھنے کا جنون کی حد تک شوق تھا۔۔۔۔۔ قلم نے مجھے
بہت عزت اور پیسے سے نوازا تھا۔۔۔ ہر مہینے ایک
معقول رقم مجھے مل جاتی تھی جو صرف میرے قلم کی
بدولت تھی۔۔۔۔۔

یہی سوچتے سوچتے میری نظر سامنے پڑی ایک لکڑی
کے گتے والی خستہ حال ڈائری پر پڑی اور مجھے ماضی کی
ہواؤں نے پھر بوسہ دیا۔۔۔۔۔

وہ مجھ سے محبت نہیں کرتی تھی۔۔۔ میں اس کے لیے
صرف اس کا دوست ہی تھا جبکہ میں ایک لڑکی کے ساتھ
کبھی بھی دوستی کا رشتہ قائم کرنے کے حق میں نہیں
تھا۔۔۔۔۔ میں اسے کہتا رہتا تھا کہ میں تمہارا دوست
نہیں ہوں۔۔۔۔۔

وہ کسی اور سے اتنی ہی محبت کرتی تھی جتنی کہ میں اس
سے۔۔۔۔۔
اگر میرے دل کی تختی پر اس کا نام کندہ تھا تو اسکے دل پر
بھی بس اسی کے محبوب کے نام کی مہر لگی ہوئی
تھی۔۔۔۔۔

وہ مجھ سے روز بات کرتی تھی۔۔۔ شاید میری طرح وہ
بھی میری ذات کا نشہ کر رہی تھی۔۔۔۔۔ یا اس کو میری
عادت ہو گئی تھی۔۔۔۔۔ یہ بھی سچ تھا کہ وہ اپنے محبوب
سے زیادہ مجھ سے بات کرتی تھی اور ایک سچ یہ بھی تھا
کہ میں اس کا محبوب نہیں تھا۔۔۔۔۔

وہ بہت پیاری تھی۔۔۔۔۔ دنیا کی سب سے خوبصورت
لڑکی۔۔۔۔۔

آیت بتول۔۔۔۔۔
میری زندگی کے لاحاصل خانے میں اول نمبر پر کھڑی
آیت بتول۔۔۔۔۔

وہ جب بھی مجھ سے بات کرتی تھی تو بس یہی پوچھا
کرتی تھی کہ تم نے کچھ کھایا یا نہیں؟ اپنا خیال رکھتے ہو
یا نہیں؟ اور میں جھوٹ بول دیتا کہ میں اپنا بہت خیال

میں نے ڈائری کھول دی۔۔۔۔۔

پہلے صفحے پر اس کا نام بولڈ سائز میں لکھا ہوا تھا جسکے نیچے
غالب کے خوبصورت الفاظ لکھے ہوئے تھے۔۔۔

میں نے اس سے کہا کہ میں جلد شادی کرنے والا ہوں
اور تمہارے لیے بھی یہی بہتر ہے کہ تم بھی اپنے محبوب
سے شادی کر لو اور مجھ سے اس بے نام سے رشتے کو ختم
کر دو۔۔۔۔۔ وہ رو پڑی۔۔۔

ہاں سچ میں۔۔۔۔۔ وہ رو پڑی تھی۔۔۔۔۔ میرے
لیے۔۔۔۔۔ غیر یقینی بات ہے نا۔۔۔ مگر یہی سچ
تھا۔۔۔۔۔ وہ میرے لیے روئی تھی اس دن۔۔۔ کہتی تم
بہت بدل گئے ہو۔۔۔ پہلے تو مجھ سے بات کرنے کو
ترستے تھے تم مگر اب بات بات پہ غصہ کرتے

ہو۔۔۔۔۔ بات بات پہ چھوڑ جانے کا کہتے ہو۔۔۔۔۔
وہ بولی کہ ٹھیک ہے میں چلی جاتی ہوں تمہاری زندگی
سے۔۔۔ مگر یاد رکھنا تم ایک اچھے دوست کو کھو دو

گے۔۔۔۔۔ پھر بولی کل عصر کے بعد میں تم کو کال کرونگی
۔۔۔۔۔ وہ میری آخری کال ہوگی۔۔۔۔۔ اسکے بعد میں
تمہاری زندگی سے چلی جاؤ گی۔۔۔۔۔ بس دعا کرتی
ہوں کہ تم خوش رہو میرے بعد بھی۔۔۔۔۔

جاتے جاتے رک گئی اور بولی۔۔۔۔۔
تم اپنا خیال رکھنا اور کھانا وقت پر کھالیا کرنا۔۔۔ تم
سے مجھے بس یہی شکوہ ہے کہ تم اپنا خیال نہیں رکھتے
ہو۔۔۔۔۔

کبھی کبھی مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مجھ کو

"آہ کو چاہیئے اک عمارت ہونے تک
کون جیتا ہے تیری زلف کے سر ہونے تک
ہم نے مانا کہ تغافل نا کرو گے لیکن
خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک۔۔۔۔۔"

میں اپنی زیادہ تر تحریروں میں غالب کے یہ الفاظ ضرور
شامل کرتا تھا۔۔۔

ان الفاظ کو اگر گنچوڑ کر دیکھتا تو مجھے میری زندگی نظر
آتی۔۔۔۔۔
اگلے صفحے پر اس سے جڑی یادیں لکھی تھیں۔۔۔ کہیں
حالات سے تنگ ہوتے شکوے تھے تو کہیں
آنسو۔۔۔ کہیں جشن بہاراں تھا تو کہیں خزاں
رسیدہ پتوں کی چیخ و پکار درج تھیں۔۔۔۔۔

ہر دن کا کچھ نا کچھ ضرور لکھا ہوا تھا اس
میں۔۔۔۔۔ میری بیماری کا بھی ذکر تھا۔۔۔۔۔ اور ان
آنسو کی بھی داستان رقم تھی جو میں اس دن بہائے
تھے۔۔۔۔۔

ڈائری کے آخری صفحے کی گود میں اسکی چوڑی کے
ٹکڑے آرام سے لیٹے ہوئے محبت کی نیند سو رہے
تھے۔۔۔ آنسو کے کچھ قطرے میری آنکھوں سے
نکل کر ان ٹکڑوں کے ساتھ بیٹھ گئے اور میری لا حاصل

میں نے اپنے دل میں

چاہتا ہے۔۔۔ اسکی بات سن کر دل میں ٹیس سی اٹھتی

۔۔۔ وہ کہتی کہ اسکا ساتھ مجھے بہت زیادہ خوشی دیتا ہے۔۔۔ اسکی بات سن کر میں دکھی دل سے اسے اسکے ساتھ ہمیشہ خوش رہنے کی دعا دے دیتا۔۔۔ ساتھ ہی فون بند کر دیتا۔۔۔

اگلے دن صبح فجر کی نماز ادا کرتے ہی میری طبیعت بہت خراب ہو گئی اور کچھ ہی دیر بعد میں قضائے الہی سے وفات پا گیا۔۔۔

میں نے ڈائری بند کر کے وہیں رکھ دی اور باقی چیزوں پر نظر دوڑائی۔۔۔

ان چیزوں میں بس وہ ہی وہ تھی۔۔۔ ہر چیز اسکی ہی تھی۔۔۔ اسکا پتہ جو اسکو بہت پسند تھا جب مجھ سے ملنے آئی تھی تو وہیں بھول گئی تھی۔۔۔ میں نے اسے سنبھال کر رکھ لیا تھا۔۔۔

اس کے ہاتھوں کی سفید انگلیوں سے کھرچے گئے گلابی نیل پینٹ کے ذرات۔۔۔ جو اسکے جاتے ہی میں نے ایک کاغذ میں لپیٹ کر رکھ لیے تھے۔۔۔

اور اسکی کلائی میں بندھی گھڑی۔۔۔ جو منہ ہاتھ دھو تے وقت اس نے اتار کر رکھے تھے اور پھر اسکے بارہا ڈھونڈنے پر بھی نہیں ملے تھے۔۔۔ اس دن گھر میلاد تھا اور میں نے اسے دلاسہ دیا کہ گھر بچوں کا رش لگا ہوا ہے کوئی بچہ اٹھا کر لے گیا تھا۔۔۔ دراصل وہ میں نے

جو اسکو بتانا چاہتا تھا اور جس سے وہ انجان

تھی۔۔۔ میرے ہر رویے کا پس منظر۔۔۔ میری ہر بات کی وجہ۔۔۔ میں نے اسکی ساری نشانیاں اٹھائیں اپنی میڈیکل رپورٹس اور اس ڈائری کو بھی ہاتھ میں پکڑ کر اسکا خیال ذہن میں بھرا۔۔۔ اگلے ہی پل میں ایک شہر خموشاں میں موجود تھا جہاں قبروں میں لیٹے مردے مجھے دیکھ کر مدد کے لیے پکار رہے تھے۔۔۔ بھلا میں انکی کیا مدد کر سکتا تھا۔۔۔

میں نے دیکھا ایک بتیس سال کی عورت خود کو سیاہ چادر سے ڈھکے ایک قبر کے دائیں جانب بیٹھی تھی۔۔۔ میں نے اس لحد کو دیکھا جس کے اوپر تازہ گلابوں کی پتیوں کی چادر بچھی ہوئی تھی۔۔۔ قبر کے سر ہانے ایک کتبہ لگا ہوا تھا جس پر میرا نام معد ولایت درج تھی۔۔۔ ساتھ ہی تاریخ پیدائش اور تاریخ وفات بھی۔۔۔

وہ وہی تھی۔۔۔

آیت بتول۔۔۔

آیت کی طرح پاک۔۔۔ پارسا۔۔۔

پھر اس نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اسکے دل کی آواز میں بآسانی سن سکتا تھا۔۔۔ وہ میرے چلے جانے پر دکھی تھی۔۔۔ وہ دکھی تھی کہ اس نے میری محبت کا جواب محبت سے نادے کر مجھے جلد موت کے حوالے کر دیا۔۔۔ وہ شرمندہ تھی اس بات سے کہ وہ خود کو میری

وہ ملا جب اس نے مجھ سے بات کرنا تھی۔۔۔۔۔

آرام سے یہاں لیٹ گئے ہو۔۔۔۔۔

پھر کچھ دیر کے بعد وہ میری لحد سے بولی

وہ باتیں شکوے اور آنسو۔۔۔۔۔ سب سن رہی

میں ایک چیز کے لیے تم کو کبھی معاف نہیں

تھی۔۔۔۔۔ اسکے آنسو بھی بول رہے تھے جنکی زبان میں

کر دوں گی۔۔۔ وہ یہ کہ میں نے اس دن عصر کے بعد تم

اچھی طرح سمجھ سکتا تھا۔۔۔۔۔

سے بات کرنی تھی۔۔۔ تمہیں بتانا تھا کہ میں تم سے

پھر اس نے اپنے پرس سے ایک رسالہ نکالا اور وہ کہانی

پیار کرنے لگی ہوں۔۔۔ تمہیں بتانا تھا کہ میں اپنے

پڑھی وہ میں نے خصوصاً اس کے لیے لکھی

محبوب کے ساتھ خوش نہیں رہ سکتی۔۔۔ تمہیں بتانا تھا

تھی۔۔۔۔۔ پھر اپنے موبائل سے اس نے مجھے "آئی

کہ تم ہو تو سب کچھ ہے تم نہیں تو کچھ بھی نہیں۔۔۔ مگر تم

مس یو "کا میٹج کیا۔۔۔۔۔

نے اس دن اپنا نمبر رکھ ہوا تھا۔۔۔ میں ساری رات تم

میں نے فوراً اسکو "مس یو" کا ریپلائی دے دیا۔۔۔

کو کالیں اور میٹج کرتی رہی مگر تم نے اپنا نمبر آن نہیں

اس نے میٹج پڑھا اور نمبر دیکھا تو حیرت سے اس کی

کیا۔۔۔۔۔

آنکھیں پھیل گئیں۔۔۔ پھر اس نے دوا آنسو بہا کر

وہ جب مجھ سے شکوے کر رہی تھی تو میں نے ذہن اپنے

ایسے مسکرا کر سر جھٹکا جیسے اسکو اس بات کا یقین ہی نا ہو

موبائل کی طرف لگا دیا۔۔۔۔۔ وہ تو میرے گھر ہی

رہا ہو۔۔۔۔۔

تھا۔۔۔ آف تھا۔۔۔ میری الماری میں میرے

وہ اٹھنے لگی مگر اسکے اٹھنے سے پہلے میں اسکو ایک اور میٹج

کپڑوں میں پڑا ہوا تھا۔۔۔ میں نے ایک سیکنڈ سے

کر چکا تھا۔۔۔۔۔

پہلے اپنے موبائل کو اٹھا لیا۔۔۔ آنکھیں بند کر کے

"اس نے میٹج پڑھا۔۔۔ لکھا تھا کہ اپنے دائیں جانب

موبائل پہ ہاتھ رکھا تو وہ آن ہو گیا۔۔۔ پھر اگلے ہی

دیکھیں۔۔۔ اس نے وہاں دیکھا۔۔۔ وہ ڈائری اور وہ

پل میں اسکے پاس بیٹھا ہوا تھا۔۔۔۔۔

تمام چیزیں جو اس سے منسلک تھیں سب میں نے

وہ کہہ رہی تھی کہ تم اب جب نہیں ہو پھر بھی میں روز

وہاں رکھ دی تھیں تاکہ وہ اٹھا سکے۔۔۔ اس نے وہاں

تمہارے نمبر پہ میٹج کرتی ہوں۔۔۔ کچھ مہینوں بعد اس

دیکھا اور حیرت سے ہلکے سے چیخ ماری جو اسکے حلق

میں لوڈ بھی کروا دیتی ہوں تاکہ تمہارا نمبر کبھی بند نا

میں ہی دب کر رہ گئی۔۔۔۔۔

ہو۔۔۔۔۔ بس ایک آس ہے کہ تم کبھی آسمان سے اترو

وہ ان تمام چیزوں کو پہچانتی تھی۔۔۔ اس سے

گے میرے لیے اور مجھے میرے میٹج کا جواب دو

تھر تھراتے ہوئے ہاتھوں سے ان چیزوں کو

اٹھا لیا۔۔۔۔۔

گے۔۔۔۔۔

اس نے پھر مٹیج کیا۔۔۔

کھڑے ہوتے ہی اپنا آپ ظاہر کر دیا۔۔ مجھے دیکھتے

"تم کون ہو؟"

ہی اس نے زور سے مجھے پکارا۔۔۔ میں اسکو ہاتھ بلا

وہی جس سے تم ابھی شکوہ کر رہی تھیں۔۔۔

رہا تھا۔۔۔ اور وہ روتے ہوئے میرا نام پکارتے

میں نے جواب دیا۔۔۔

ہوئے رک جانے کا کہہ رہی تھی۔۔۔۔

کک کک کیا؟ ایسا نہیں ہو سکتا۔۔۔

مگر میں جتنا وقت ادھار لے کر آیا تھا وہ پورا ہو چلا

"ہونے کو سب کچھ ہو سکتا ہے۔۔۔ محبت بھی۔۔۔ وہ

تھا۔۔۔

بھی آپکو۔۔۔ اور وہ بھی مجھ سے۔۔۔۔ جب اتنا

میں آسمان کی طرف اٹھنے لگا اور اسکو دیکھ کر ہلاتا

کچھ ہو سکتا ہے تو اور کیا نہیں ہو سکتا۔۔۔؟"

رہا۔۔۔

"میں نہیں مان سکتی کہ تم سلمان ہی ہو۔۔۔۔"

اسکے ہاتھ بھی خلا میں ملتے نظر آ رہے تھے۔۔۔۔

مان جاوگی۔۔۔۔ کچھ ہی دیر بعد۔۔۔۔

یوں میں ایک دنیا سے دوسری دنیا میں پہنچ گیا۔۔۔۔۔

تبھی مجھے واپس لوٹنے کا اشارہ مل گیا اور میں نے اسکو

جہاں سب مستی میں جھوم رہے تھے اور کچھ مجھے واپس

آخری مٹیج لکھ کر بھیج دیا۔۔۔۔

لوٹ آنے پر مبارکباد دے رہے تھے۔۔۔۔!!

میں نے لکھا کہ اب میری خواہش پوری کر دو۔۔۔

"وہ چاہے تو کیا نہیں ممکن۔۔۔

وہ یہ کہ اپنے محبوب کے پاس لوٹ جاو۔ وہ آج بھی

وہ نا چاہے تو کیا کرے کوئی۔۔۔

تمہارا وہیں انتظار کر رہا ہے جہاں تم نے اسکا میرے

لیے ہاتھ چھوڑا تھا۔۔۔۔ اور یہ کچھ چیزیں

ہیں۔۔۔۔ پڑھ کر جلا دینا۔۔۔۔ تمہارے ہر سوال کا

جواب ہے اس میں۔۔۔ اچھا آئینہ اس نمبر پہ مٹیج

مت کرنا کیونکہ اب اس نمبر سے تم کو کوئی جواب نہیں مل

پائے گا۔۔۔

چلتا ہوا۔۔۔۔

تمہارا مرحوم۔۔۔۔"

تبھی اس جگہ ایک گول دائرے کی شکل میں سفید روشنی

پائی گئی۔۔۔۔۔

سیاحی

عائشہ سلیم انجم

خدا نے مجھے ایک جنم سے نوازا ہے، اگر سات جنموں سے لے وازتا تو بھی میں ہر جنم میں شہادت کی آرزو کرتا

----- کیونکہ -----

شہادت ہے مطلوب مقصود مومن

نامال غنیمت، ناکشور کشائی

کسی نے مجھ سے پوچھا کہ کیا تم کو موت سے ڈر نہیں لگتا؟ کیا تم موت کو اپنے سامنے دیکھ کر کانپ نہیں جاتے

؟---- کیا تم کو تائیدین ہے اپنی صلاحیتوں پر کہ موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اسے مات دے دو گے؟

کیا تمہیں اپنوں سے بچھڑنے کا ڈر نہیں لگتا؟ کہیں چھپ کر گھٹ گھٹ کر مرنے کا تصور ڈراتا نہیں کیا تمہیں؟



"میں سپاہی ہوں اور سپاہی ڈرائیں کرتے کیونکہ اگر سپاہی ایک دن بھی ڈر گیا تو لوگ روز ڈریں گے" میرے جواب پر وہ خاموش ہو گیا۔ اور میں اٹھ کر وہاں سے چلا آیا۔ اس کے لیے اتنا جواب ہی کافی تھا۔

"حیدر۔۔۔۔۔" امی جان کی آواز پہلے سے زیادہ بلند تھی۔ حیدر نے کسمسما کر آنکھیں کھولیں۔ لیکن بستر چھوڑنے کا ارادہ کرنے سے قاصر رہا۔

"حیدر۔۔۔۔۔ اٹھ جاو نہ جوتی لے کر آ رہی ہوں میں "امی جان کی آواز ایک دفعہ پھر سنائی دی اور اس دفعہ وہ کمبل ہٹاتا اٹھ بیٹھا۔ کچھ بعید نہیں تھا کہ امی جان ایسا کر گزرتی۔ جوان جہان بیٹے پر تشدد کرتے انھیں ذرا بھی رحم نہ آتا تھا۔ حیدر بستر سے نکل آیا اور اشرم میں گھس گیا۔

باہر نکلا تو بیڈ کی حالت درست کی جا چکی تھی، مکمل بھی تہہ کیا جا چکا تھا گویا می آ کر گئی تھیں۔ اگر انکی جگہ عارفہ آتی تو سب سے پہلے حیدر کو صلواتیں سناتی پھر کمرہ ٹھک کرتی اور پھر جاتی۔

وہ باہر نکل آیا۔ "عارفہ چائے لانا" کیچن کی طرف رخ موڑ کر آواز دی اور پھر لاونج میں آ گیا جہاں امی بیٹھی تسبیح کر رہی تھیں۔ انھیں منانا بھی تھا ابھی۔

"السلام علیکم امی" وہ ان کے پاس بیٹھ گیا۔

"وَعَلَيْكُمْ السَّلَام" لہجہ سے ناراضگی ظاہر تھی۔ وہ اس کے لمبی تان کر سونے پر اکثر خفا رہتی تھیں۔ آج بھی ایسا ہی ہوا تھا رات دیر سے سونے کے باوجود وہ صبح وقت پر اٹھنا مانا۔ اور ہمیشہ کی طرح امی کا بارہ ساتویں آسمان کو چھو گیا۔

"عارفہ۔۔۔۔۔ چائے تولادو۔۔۔" وہ وہیں سے چلایا۔

"عارف کالج لگئی ہے" امی نے جواب دیا۔ اور پھر سرخ موڑ گئیں۔ یہ نارا رنگی کا صاف اعلان تھا وہ اسے چائے بھی نہیں دس گی۔ لہذا ان سے توقع بھی ناکا جائے۔

"فضل دین۔۔۔۔۔ چائے بنادو" اس نے ملازم کو آواز دی۔ لیکن اس بار بھی جواب امی کی طرف سے آیا تھا۔

فضلو مارکیٹ گیا ہے "

"امی چائے مل سکتی ہے کیا؟" وہ براہ راست امی سے مخاطب ہوا۔

”بلکل نہیں۔ اتنی دیر سے اٹھتے ہونا نماز ادا کرتے ہونا ہی قرآن کی تلاوت کرتے ہو، ہزار دفعہ اٹھا کر گئی تھی تمہیں مگر محال ہے جو اس شیطانی نیند کے آگے ہتھیاراٹھا۔۔۔ اور اللہ تو یہ کرو۔“ وہ گھوم پھر کر اصل موضوع پر آ ہی گئیں

- "اب اٹھ کر آ رہے ہو کہ چائے پینی ہے۔۔۔ اگر اب بھی میں آواز نہ لگاتی تو خدا جانیکب تک سوتے رہتے"

کا حساب بہت کچا ہے "وہ معصومیت سے کہتا انھیں مزید تپا گیا

"بہت خوب مجھے دلیلیں دے رہے ہو یہ نہیں کے شرم سے پانی پانی ہو جا۔۔۔ ایک عارفہ ہے نماز روزے کی پابند
۔۔ میری سلجھی ہوئی بچی۔۔۔ مرغے کی بانگ پراٹھ جاتی ہے اور ایک تو ہے الو کی طرح دن چڑھے سوتا ہے نماز کا
خیال نا قرآن کا۔۔۔" وہ اپنا غصہ اتار رہی تھیں اور حیدر چپ چاپ سن رہا تھا کیونکہ وہ سہی کہہ رہی تھیں۔ عارفہ
انکی سلجھی ہوئی بچی تھی اور وہ خود انکا بگڑا ہوا الو۔۔۔۔

"بیٹا نیند میں کچھ نہیں رکھا۔ نماز پڑھا کر۔۔۔ اللہ کو یاد کیا کرتا کہ اللہ بھی تجھے روزِ شہر میں یاد رکھے اور تیری بخشش
کرے۔" انکا انداز اب سمجھانے والا تھا۔

"جی امی میں سمجھ رہا ہوں "وہ سر جھکا کر بولا گویا شرمندہ ہو تبھی امی جان نے بات بدلنا مناسب سمجھا آج کے لیے
اتنا لیکچر کافی تھا۔

"میں چائے لاتی ہوں ساتھ آشتی بھی لگا رہی ہوں۔۔۔ خالی پیٹ چائے مت پینا "وہ اس کے سر پر بیار کرتی تسبیح
رکھ کر اٹھ گئی۔

اور وہ مسکرا دیا۔ ماں ماں ہوتی ہے۔۔۔۔۔ پل میں تو لاپل میں ماشا۔۔۔۔

-----%%-----

"بات سنو "وہ کمرے میں آیا تو عارفہ پڑھنے میں مصروف تھی۔

"جی بھائی "

"مجھے اس مرغے کا ایڈریس دو ذرا "وہ سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔ عارفہ حیران ہوئی کیونکہ بات ہی بے تکی تھی۔

"کونسا مرغہ؟"

"وہی جس کی بانگ پر تم اٹھ جاتی ہو۔" وہ اب بھی سنجیدہ تھا۔ لیکن عارفہ کو وہ اپنے حواسوں میں لگا۔ "بھائی

شاید آپ کو نیند آ رہی ہے "

"ارے امی ے ہی بتایا ہے کہ تم مرغے کی بانگ پراٹھتی ہو، بس پھر میں نے بھی سوچ لیا میں وہ مرغہ ہی خرید لوں

گا "اس نے اپنا مقصد بتایا تو وہ سر پیٹ کر رہ گئی۔ کچھ نہیں ہو سکتا حیدر کا۔

-----%%-----

"بھائی اپنی چیزیں سنبھال کر رکھا کریں، لوگ کیا کہیں گے۔۔۔۔۔ اپنی چیزیں سنبھال نہیں سکتے اور چلیں

تین تین۔۔۔۔۔ معاف کرنا۔۔۔۔۔

ہوئے بولا۔۔

"آپ کو کسی نے لڑکی ہی نہیں دینی۔۔۔ تو سسرال کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" وہ بھی کہاں پیچھے رہنے والی تھی۔

"تم ہی جاگی بہنا میرا رشتہ لے کر" وہ رومال جیب میں ڈالتے ہوئے بولا۔

"وہی ناجائز ایسا" وہ مزید تپ گئی۔

"اچھا میں جا رہا ہوں امی کو بتا دینا" وہ شیشے میں ایک نظر خود پر ڈال کر کمرے سے نکل گیا اور عارفہ سر جھٹکتے اسکا پھیلاوا سمیٹنے لگی۔

-----%%-----

وہ آئی ایس ایس بی کلیئر کرنے کے بعد اکیڈمی جوائن کر چکا تھا۔ اس کے گھر سے نکلتے وقت عارفہ آبدیدہ ہو گئی تھی جبکہ امی نے اسے حوصلہ دیا تھا۔ انھوں نے اسے رخصت کرتے وقت کہا تھا "جس کام کے لیے جا رہے ہو اس کا حق ادا کرنا، اس میں خیانت نا کرنا" وہ ان کی بات سمجھ گیا تھا۔ پھر ان سے الوداع لے کر وہ چلا گیا۔ اپنی منزل کی طرف اپنے مقصد کو پانے کے لیے۔

سنو اے زرد پتوں کے موسم

میرے چمن کا رخ نا کرنا تم

تیرا ایک بھی سنگدل جھوٹکا

وہاں تک پہنچنا اپائے گا

کہ رستے میں حائل سپاہی جان دے دے گا

کہ جب وہ تجھ سے ٹکرائے گا

تو تیرا حشر کر دے گا

سنو ذرا سی عقل رکھو تو

یہی سے لوٹ جانا تم

کہ سپاہی مار ڈالے گا، سپاہی مار ڈالے گا

اسکے پہلے بھی دشمن ہیں۔۔۔ وہ دشمن اور بنائے گا

جھک کر تیرا منہ دیکھ کر

اسکے اکیڈمی جانے کے بعد گھر ایک دم سنان سا لگنے لگا تھا۔ امی جان اپنی عبادت میں مشغول رہتی تھیں اور عارفہ پورے گھر میں بولائی بولائی پھرتی تھی۔ اس گھر کے درود یو ارب حیدر اور عارفہ کی نوک جھوک سننے کو ترس گئے تھے وحید صاحب کا زیادہ وقت فیکٹری میں گزرتا تھا۔ عارفہ جب بور ہو جاتی تو حیدر کے کمرے پر دھاوا بول دیتی۔ اسکے پسندیدہ نغمے سنتی۔۔۔ کچھ وقت وہیں گزرتی اور پھر باہر آ جاتی۔ وقت نہی گزر رہا تھا۔ اور پھر ایک دن حیدر کی واپسی ہوئی۔ اس کے جاندار قہقہوں سے اس گھر کے درود یو ارب پھر سے سیراب ہو گئے۔

پورے گھر میں آتما بن کر پھرنے والی عارفہ اب بھائی کے آس پاس منڈلاتی رہتی۔ وحید صاحب اسے پکڑ کر فیکٹری لے جاتے، کافی دیروہاں بیٹھ کر گپیں لگانے کے بعد وہ گھر آ جاتا تو امی جان پکڑ لیتی۔ اس سے نمازوں کے بارے میں پوچھتی اور اپنا فرض ایمان داری سے ادا کرنے کا سبق دیتیں۔

وہ خاموشی سے انھیں سنتا رہتا۔

"بیٹا کبھی کسی محاذ پر جا اور دشمنوں سے سامنا ہو تو انھیں بتا کر آنا کہ تم "میرے" بیٹے ہو، اپنی پیٹھ پر وارمت سہنا۔۔۔۔۔ اپنے سینے پر وار سہنا۔۔۔ بتا کر آنا انھیں کے مومن جب میدان میں آتا ہے تو دشمن کو زیر کر کے ہی دم لیتا ہے۔ شہادت سے گھبرا نامت میرے بچے۔ رب نے اس کا بڑا اجر رکھا ہے" وہ اس سے کہتی اور وہ انھیں دیکھ کر رہ جاتا۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ اس کی ماں بلند حوصلے والی ہے۔ لیکن یہ وحید صاحب ہی جانتے تھے کہ حیدر کے جانے کے بعد انھیں سنبھالنا کتنا مشکل کام ہوتا تھا۔ وہ بیٹے کا حوصلہ پست نہیں کرنا چاہتیں تھیں۔ جب اس مس زل پر قدم رکھا تھا تو سیدہ تان کر چلنا تھا۔

%%-----

"عارفہ یار

بس کرو۔ اتنا کھلاگی تو گول گپہ بن جاں گا" وہ اس کا ہاتھ روکتے ہوئے بولا۔ عارفہ جو اسے مسلسل کھلائے جا رہی تھی رک گئی۔ "اچھا لیکن دوپہر تک اسے ختم کر دینا میں کیچن میں رکھ دیتی ہوں"

"اوکے اوکے" وہ فوراً بولا۔

"بھائی کبھی تو لمبی چھٹی لے کر آیا کریں" وہ اسکے کل چلے جانے پر نفخاتی۔

"لڑکی خدا کا شکر کرو کہ اتنی چھٹی بھی مل گئی۔"

"لڑکی خدا کا شکر کرو کہ اتنی چھٹی بھی مل گئی۔"

"اگلی دفعہ جب آں کا توازن الہ کردوں گا۔۔۔ تمہیں ڈھیر ساری شاپنگ کرواں گا" اس نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔ تو وہ رودی۔ بھائی سے اتنے دن کی دوری رلانے کے لیے کافی تھی۔

"ارہے پگلی اگر اس طرح رو کے رخصت کروں گی مجھے تاکہ پریشان رہوں؟" حیدر کی بات پر اس نے فوراً نفی میں سر ہلایا۔ وہ اسے پریشان کرنے کا ارادہ نہیں رکھتی تھی۔

"پھر چپ ہو جا خوشی خوشی مجھے الوداع کہو اور میرے لیے دعا کرو" وہ پچکارتے ہوئے بولا۔ عارفہ نے فوراً آنکھیں رگڑیں گویا اب نہیں روئے گی۔

"یہ ہوئی نابات" حیدر مسکرایا تھا۔۔۔۔۔

"کیا تم امی کا خیال رکھتی ہو؟ یاں انھیں بھی پریشان رکھتی ہو" وہ اسے بہلانے لگا۔ لاڈلی بہن کے آنسو اسے تکلیف پہنچا رہے تھے۔

"جی نہیں بھائی۔۔۔ میں امی ابو کا بہت سا خیال رکھتی ہوں" اس نے فوراً اس کی اصلاح کی تو حیدر کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

ایک دن کیسے بیت گیا اندازہ ہی نا ہوا۔ حیدر چلا گیا تھا۔ لیکن اب کی بار سب نے اسے خوشی خوشی الوداع کہا تھا۔ عارفہ نے اب کی بار آنسوؤں پر قابو پالیا تھا۔ وہ بھائی کو پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی۔

اس کے جانے کے بعد سب پھر سے معمول پر آ گیا جیسا اس کی غیر موجودگی میں ہوا کرتا تھا۔ رات کی تاریکی میں وہ اپنے پر اسے ذرا دور کھڑا تھا۔ اس کے ساتھ اس کا ساتھی بھی تھا۔ کسی کام کے سلسلے میں انھیں اپنے پر اسے دور جانا پڑا تھا۔

"احسن؟؟" حیدر نے اچانک اسے پکارا تو وہ چونک گیا۔

"کیا ہوا؟" اس نے وجہ جانی چاہی۔

"مجھے وہاں روشنی کی جھلک نظر آئی ہے شاید ہمارے علاوہ کوئی اور بھی وہاں موجود ہے" حیدر ایک سمت میں دیکھتا ہوا بولا تو احسن نے بھی ادھر دیکھا۔ وہاں اب اندھیرا تھا۔

"حیدر تمہاری آنکھوں کا دھوکہ ہوگا، وہاں کوئی روشنی نہیں ہے یہ آرمی ایریا ہے یہاں بھلا کون آئے گا؟" احسن نے اس کے خیال کی نفی کی۔

"نہیں۔۔۔ میری آنکھوں کا دھوکہ نہیں ہے، آرمی ایریا میں اس وقت کوئی ہو سکتا ہے تو وہ۔۔۔ ہمارا دشمن ہی ہوگا

وہ آگے بڑھنے لگے۔ وہ دبے پاں چل رہے تھے شاید زمین بھی یہ اندازہ نہیں لگا سکتی تھی کہ کوئی اس کے سینے پر قدم رکھ رہا ہے۔ لیکن وہ چل رہے تھے۔

"حیدر وہ دیکھو۔۔۔" احسن نے اسے سامنے دیکھنے کا کہا۔ درختوں کے نیچے بیٹھ لوگ موجود تھے۔ وہ کچھ بول رہے تھے۔ ان کی آواز حیدر اور احسن کے کانوں تک بخوبی پہنچ رہی تھی۔

"تم لوگ ہاتھ پدہ ہاتھ دھرے نہیں بیٹھے سکتے، جانتے ہو وہ مسلمان ہیں وہ روزہ رکھتے ہیں، نماز ادا کرتے ہیں۔۔۔۔۔ حج کرتے ہیں۔۔۔ ان کی یا تر اہماری یا تر کی طرح نہیں ہوتی انکی عبادت اور ہے۔۔۔۔۔ وہ ہمارے خلاف جنگ کی تیاری کرتے ہیں کبھی تم ان کے پاک کلام کو پڑھو تو پتہ لگے کہ وہ تب تک لڑیں گے جب تک ہر کافر کا خاتمہ نہیں کر دیتے۔ وہ دن میں پانچ بار نماز پڑھ کر خود کو مضبوط بناتے ہیں، وہ اپنے نبی کے نام کو کبھی مٹنے نہیں دیں گے اس واسطے ہمیں بھی نیند سے بیدار ہونا ہوگا تاکہ اپنا دفاع کر سکیں۔ آج ہم انکا خاتمہ کر دیں بس کچھ دیر اور۔۔۔۔۔ ہمارا سنگنل ملتے ہی ہمارے ساتھی حملہ کر دیں گے۔۔۔ کیا تم سب تیار ہو؟" انکے لیڈر کی آواز وہ سن رہے تھے۔

"جانتے ہو میری ماں کی خواہش کیا ہے؟" حیدر کی روشن آنکھوں نے احسن کو دیکھا۔ "کہ اپنے وطن کے لیے شہید ہو جاؤ، اور اپنے سینے پر وار سہوں۔۔۔ مجھے لگتا ہے آج وہ دن آ گیا ہے۔۔۔ ہمیں انھیں سگنل دینے سے پہلے زیر کرنا ہے تم چوکی پر اطلاع دو تاکہ وہاں کا معاملہ وہ لوگ سنبھال لیں" حیدر کے کہنے پر اس نے فوراً عمل کیا۔ انھیں وقت ضائع نہیں کرنا تھا۔ ہر قدم احتیاط سے اٹھاتا تھا۔

وطن کی دھرتی، میں آ گیا ہوں

تیرا سر پھر اسیا ہی، تیری آغوش میں سونے

لڑائی لڑ کر آیا ہوں

فاتح بن کے آیا ہوں

بتا آیا ہوں دشمن کو

جان سے گزرتو جاں گا

مگر تیرا ساہمٹاں گا

مٹا دیا اسے میں نے

اسے میں نے ختم کر ڈالا

تیرا سپاہی آیا ہے، بڑا ہی تھک کر آیا ہے
فاتح بن کے آیا ہے

۱. متواتر کہ کیا ہے ؟ ۲. کیا ہے ؟ ۳. کیا ہے ؟ ۴. کیا ہے ؟ ۵. کیا ہے ؟ ۶. کیا ہے ؟ ۷. کیا ہے ؟ ۸. کیا ہے ؟ ۹. کیا ہے ؟ ۱۰. کیا ہے ؟

سے پہلے کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوتا میں آگے بڑھ گیا آج اپنا فرض ادا کرنے کا موقع ملا تھا۔ وہ نجانے کیا دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا اسے احساس ہی اہواور میں اس کے پاس پہنچ گیا۔

میرے وطن کی دھرتی میں آ گیا ہوں

تیری آغوش میں سونے کو

میں برق رفتاری آگے بڑھا اور اسے اپنے ساتھ لپٹا لیا۔۔۔۔۔ پھر ایک آواز ابھری تھی شاید۔۔۔۔۔ کچھ پل کے لیے سب دھندلا گیا۔۔۔۔۔ لیکن پھر میں نے دیکھا کہ وہاں آگ کے شعلے تھے۔۔۔۔۔ میرا دشمن مارا جا چکا تھا۔ مجھے فتح نصیب ہوئی تھی۔

میں کچھ دیکھڑا اس آگ کو دیکھتا رہا پھر مجھے وہاں آہٹ محسوس ہوئی میرے ساتھی وہاں آئے تھے مگر کوئی مجھے دیکھ ناپایا۔ ان کے ساتھ احسن بھی تھا۔ وہی یقیناً انھیں یہاں لایا تھا۔ پھر میں نے انھیں کہتے سنا تھا۔ حیدر شہید ہو گیا۔ کیا واقعی میں شہید ہو گیا تھا؟ میں نے سوچا۔۔۔ شاید وہ ٹھیک کہہ رہے تھے۔ میرا جلا ہوا وجود ان کے سامنے تھا۔ وہ مجھے وہاں سے لے گئے تھے۔

میں بہت تھک کر آیا ہوں

سپاہی تھک گیا ہے اب

اسے اپنی آغوش میں لے لے

کہ اب یہ اٹھ ناپائے گا

کہ اب یہ لڑ ناپائے گا

کبھی پھر جی ناپائے گا

میری سوئی دھرتی اب۔۔۔۔۔ اپنی آغوش میں لے لے

تیرا سپاہی آیا ہے، بڑا ہی تھک کر آیا ہے

فاتح بن کے آیا ہے

-----%%-----

میرے تابوت کو میری ماں کے سامنے رکھا گیا۔۔۔ عارفہ۔۔۔ وہ رورہی تھی۔۔۔ میرے ابو کی آنکھ پر بھی نمی تھی مگر میری ماں کا حوصلہ قابل دید تھا۔ مجھے لگا وہ خوش ہیں، شاید مسکرا رہی ہیں۔ آج انکا حیدر شہید ہوا تھا آج انکا چہرہ

تھا۔ جہاں سب شہدا ملتے ہیں۔ مجھے بھی وہیں جانا تھا۔

اور پھر میں چلا گیا، اپنا فرض ادا کر کے میں چلا گیا۔ اپنے وطن کی حفاظت مرتے دم تک کر کے یہ سپاہی چلا گیا۔

-----%%-----

"اگر آج ہم ان اوراق کو الٹ کر دیکھیں تو دل خون کے آنسو روتا ہے۔ کوئی راہ چلے مارا گیا، کسی کو گھر میں گھس کر مار دیا گیا۔۔۔۔۔ کوئی دوران سفر جان سے ہاتھ دھو بیٹھا تو کوئی سسک سسک کر مرا" وہ سٹیج پر کھڑی بول رہی تھی اور سب اسے خاموشی سے سن رہے تھے۔

"آج کا پاکستان وہ پاکستان نہیں ہے جس کا خواب ہمارے بانی نے دیکھا تھا۔ آج ہر کوئی مفکر بنا بیٹھا ہے آج ہر کوئی اسے سنورانے کے نام پر برباد کرنے بیٹھا ہے۔۔۔۔۔ آج ہر کوئی ٹھیکہ دار بنا بیٹھا ہے۔۔۔۔۔ میں پوچھتی ہوں پاکستان کے ان نام نہاد ٹھیکہ داروں سے کہ کیا ایسے پاکستان کے لیے ہمارے قائد نے اپنے شب و روز کا چین برباد کیا تھا؟ کیا ایسے پاکستان کا خواب علامہ محمد اقبال نے دیکھا تھا؟ کیا ایسے پاکستان کے لیے ماؤں نے اپنے بیٹے اور بہنوں نے اپنے بھائی قربان کیے تھے؟۔۔۔۔۔ اگر یہ۔۔۔۔۔ پاکستان کے نام نہاد ٹھیکہ دار مجھے ان سوالوں کے جواب ا دے پائیں تو سن لیں۔۔۔ قائد اعظم جیسے لیڈر روز و روز نہیں آیا کرتے، اقبال جیسے مفکر مائیں روز و روز پیدا نہیں کرتیں، روز و روز یہیں اپنے بھائیوں کو شہادت کے لیے تیار نہیں کرتیں۔۔۔ اسی لیے اس ملک کی حفاظت کرو" "آج اس کا چہرہ مطمئن تھا، آج وہ حیدر کی بہن لگ رہی تھی اس ی ماں کا عکس لگ رہی تھی۔۔ آج وہ عارفہ لگ رہی تھی۔

"جو ہمارے ملک کی طرف میلی آنکھ سے دیکھتا ہے وہ سن لے کہ ہماری سرحدیں غیر محفوظ نہیں ہیں۔۔۔ ہمارے جوان وہاں ہمہ وقت موجود ہیں تمہاری اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کے لیے۔ سن رکھو اگر ان کے بس میں ہوتا تو شہادت کے بعد ان کی روحیں بھی سرحد پر ڈیڑھ ڈالے بیٹھی رہتیں۔۔۔" اس کی آواز اس کے حوصلے کی طرح بلند تھی۔

"ہم عاشق ہیں۔۔۔ ہمیں عشق ہے اپنے وطن سے۔۔۔۔۔ اور جانتے ہو عشق کی کوئی حد نہیں، اگر جانا چاہو کہ عشق کیا ہے تو میرے وطن کے سپاہیوں سے پوچھو۔۔۔

جو پوچھو گے تم کہ عشق کسے کہتے ہیں

سر کاٹ کر اپنا رکھ دیں گے تیری آغوش میں

اسی لیے ہم سے بچ کر رہنا نہیں تو ہم تمہارا وہ حال کریں گے کہ تمہاری داستان تک اس اہو کی دنیا کی داستانوں میں "ہال تالیوں سے گونج اٹھا تھا۔

"کچھ فنکارانہ انداز میں اس نے اپنے ہاتھوں سے ایک نیا ہیرو بنا دیا۔۔۔۔۔ آج وہ جھمپٹا تھا۔۔۔۔۔

گمانِ تھا کہ تم میرے ہو

صاحبہ فردوس

زندگی اسے ایسے دوہرا ہے پر لے آئی تھی جہاں سیاب واپسی ناممکن تھی آگے بڑھنے کی صورت میں زمر شاہ کو ہمیشہ کے لیے فراموش کرنا پڑتا جو کہ اس کیلئے ناممکن تھا اور پیچھے مڑنے پر اس کی موت اس کا انتظار کر رہی تھی وہ کسی بھی صورت میں آگے نہیں بڑھ سکتی تھی اس لیے اس نے اپنی موت کو ہی گلے لگا لیا تھا اس کی ایک طرفہ محبت اسے دن رات موت کے منہ میں ڈھکیل رہی تھی ہر نئی صبح اسے یہ باور کرنے لگتی تھی کہ اس کی زندگی کہ دن اب کم سے کم تر ہوتے جا رہے مگر اب اسے اپنی زندگی کی پرواہ نہیں تھی جب وہ بی لا پرواہ ہو گیا تھا تو وہ پرواہ کر کے کیا کرتی اسے اب ایسی زندگی چاہیے بھی نہیں تھی جس میں وہ نہیں تھا وہ تھا بھی تو اس کی دستریس سے بہت دور تھا اتنا دور کہ وہ کبھی اس تک نہیں پہنچ سکتی تھی، اس نے کسی سے سن رکھا تھا کہ سچی محبت کے نصیب میں منزلیں نہیں ہوتی ہے اس لیے محبت کو پانے کے ساتھ ساتھ اسے کھونے کا بھی ظرف ہونا چاہیے مگر اس میں اپنی محبت کو کھونے کا ظرف بالکل



بھولا یا جاسکتا تھا، اس کی ایک طرف محبت نے ہی تو اسے برین ٹیومر جیسے مرض میں مبتلا کر دیا تھا اسکا ٹیومر آخری اسٹیج پر تھا وہ ہاسپٹل کے بیڈ پر کئی طرح کے مشینوں میں جکڑی ہوئی سو رہی تھی مرتے مرتے بھی اس کا دل اس کی زبان اس بے سفاک شخص کا نام لیر ہی تھی اس کے لیے خدا سے دعا گو تھی کہ وہ جہاں بھی رہے سلامت رہے اور ایک آخری بار اسے

ملنے اسے دیکھنے آ جائے اس کی آنکھیں جو صدیوں سے اس شخص کے دیدار کے لیے ترس رہی تھی کہ وہ ایک آخری بار اسے دیکھ لے پھر وہ اپنی موت کو بھی خوشی خوشی گلے لگا لگی اپنے رب سیکوئی شکواہ کیے بغیر۔

☆☆☆

آنیہ شاہ وقار شاہ اور تلعت شاہ کی ایک لوتی اولاد تھی جس کے قدموں میں دنیا کی ہر قیمتی شے موجود تھی وہ جس چیز پر ہاتھ رکھتی وہ اس کی ہو جاتی مگر جب اس نے زمر شاہ کو چاہا تو موت کے گھاٹ اتار گی، زمر شاہ اس کے تایا اکبر شاہ کا ایک لوتا سپوت جس کیساتھ میں پوری شاہ انڈسٹری تھی جو اپنی شاندار پرسنالیٹی کے وجہ سے ساری لڑکیوں میں مشہور تھا ساری لڑکیاں اس کے پیچھے پاگل تھی مگر وہ اپنی پچھوڑا داسما حسین پردل و جان سے قربان تھا اکبر شاہ وقار شاہ شہناز شاہ یہ تینوں بہن بھائی میں بچپن سے اتنی محبت تھی کہ انھوں نے طے کر لیا تھا کہ وہ ہمیشہ ایک ساتھ رہ گے اس لیے ان تینوں نے ایک ہی جگہ اپنا گھر تعمیر کروایا تھا اکبر شاہ کی بیوی ثریا شاہ وقار شاہ کی بیوی تلعت شاہ کو اپنی نند کے ساتھ رہنے میں کوئی اعتراض نہیں تھا شہناز شاہ کے شوہر باقر حسین اسما حسین کی پیدائش کے وقت ہی ایکسڈنٹ سے فوت ہو چکے تھے ان تینوں بہن بھائی کی ایک ایک ہی اولاد تھی جن کی آپس میں بہت ہنسی تھی آنیہ شاہ بچپن سے ہی بہت نازک مزاج لڑکی تھی وہ ہر وقت زمر شاہ کو اپنی آنکھوں کے سامنے

دیکھنا چاہتی تھی جب بھی زمر شاہ سے اس کی جھڑپ ہو جاتی اور وہ اس سے بات نہیں کرتا تو وہ کئی دنوں تک بخار میں مبتلا رہتی تھی پورا گھر اس کی حالت دیکھ کر پریشان ہو جاتا تھا کیونکہ وہ گھر میں سب سے چھوٹی اور سب سے لاڈلی تھی اس کی بات کو اس کی کسی بھی خواہش کو رد کرنے کی کسی میں ہمت نہیں تھی وقت تیزی سے بیت رہا تھا وہ تینوں شعور کی منزل پر آپہنچے تھے وقت کے ساتھ ساتھ آنیہ شاہ کی محبت اور پختہ ہوتے گی تھی جب زمر شاہ آگے کی تعلیم حاصل

کرنے کے لیے لندن جا رہا تھا تب وہ ہی سب سے زیادہ روئی تھی وہ تو اس سے ایک دن کی بھی دوری برداشت نہیں کر سکتی تھی پھر یہ تو تین سال کی بات تھی زمر شاہ سے تین سال کی دوری پر بھی اس کی محبت میں رتی برابر بھی فرق نہیں آیا تھا بلکہ اسے حاصل کرنے کی پیاس اور زیادہ بڑھتے چلے گی تھی اس نے بھی زمر شاہ کی طرح بزنس کے

فائنڈنگ کے لیے لندن جا رہا تھا تب وہ ہی سب سے زیادہ روئی تھی وہ تو اس سے ایک دن کی بھی دوری برداشت

اساد ہاں آدھمکی اور اسے بولی۔

"آنیہاٹھوں نامجھے تمہیں کچھ بتانا ہے"۔ اسام کی آواز سن کر وہ ہنوز آنکھیں بند کیے بولی۔
"تم بولوں میں سن رہی ہو"۔

"تمہیں پتا ہے کون آرہا ہے"۔ اسما چپکتے ہوئے بولی۔

"کون آرہا ہے"۔ وہ ہزارگی سے گویا ہوئی۔

"کل زمر شاہ آرہا ہے لندن سے وہ بھی پورے تین سال بعد"۔ اس کی بات سن کر آنیہ اپنی جگہ سے اچھل پڑی وہ اسما کے پاس آگئی اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے بولی۔

"کیا تم بچ کہہ رہی ہو"۔ اس کی بات سن کر اسما نے اثبات میں سر ہلا دی اب اس کی خوشی کا کوئی ٹھیکا نہ نہیں تھا کچھ دیر پہلے کی تھکن ایک پل میں اڑن چھوٹ ہو گئی تھی وہ خود کو ہواں میں اڑتا محسوس کر رہی تھی اس کا بس چلتا تو وہ ساری دنیا کو اپنی خوشی میں شامل کر دیتی خوش تو اسما بھی بہت تھی کیونکہ وہ جس کو چاہتی تھی وہ بھی تو اسے اتنے ہی شدت سے چاہتا تھا اسے ہی اپنا سب کچھ مانتا تھا وہ دونوں اپنے اپنے جگہ مسرور تھے اور اپنے خیالوں کی دنیا میں گم تھے۔

☆☆☆

گھر میں زور و شوروں سے زمر شاہ کے استقبال کی تیاریاں شروع تھی گھر کے سبھی افراد آئیر پورٹ جانے کی تیاری میں مصروف تھیں سوائے اس کے وہ چاہتے ہوئے بھی سب کے ساتھ نہیں جا سکتی تھی کیونکہ آج اس کا بہت ضروری ٹیسٹ تھا اس لیے وہ بے دلی سے تیار ہو کر یونیورسٹی چلی آئی وہ بار بار گھڑی میں وقت دیکھ رہی تھی وہ جلد از جلد گھر پہنچنا چاہتی تھی اس نے اجلّت میں کار اسٹارٹ کی اور تیزی سے ڈرائیونگ کرنے لگی جلدی گھر پہنچنے کے چکر میں وہ ہاسپٹل جا پہنچی تھی اس کا ایکسڈنٹ ہو گیا تھا زیادہ چوٹ نہیں آئی تھی مگر ڈاکٹر کے کہنے کہ

مطابق اسے اندرونی ہرٹ ہوا تھا مگر اس نے ڈاکٹر کی بات ہنس کر ٹال دیا اور ڈاکٹر سے کہہ دیا کہ اس کے پیرنٹس کو نا بتائے کیونکہ اس کے والدین اس کے لیے بہت زیادہ فکر مند رہتے تھیں اس کا ناخون بھی دکھتا تو وہ دونوں بہت پریشان ہو جاتے تھیں جب گھر کے تمام افراد کو اس کے ایکسڈنٹ کی خبر ہوئی تو وہ سب دوڑے چلیں آئیں ان میں وہ بھی شامل تھا اسے اتنے سالوں بعد دیکھ کر وہ کھل اٹھی تھی جو بھی درد تھا وہ چونکیوں میں غائب ہو چکا تھا زمر اس کے پاس آیا اور ڈانٹنے کے انداز میں بولا۔

"یہ کیا حرکت تھی آنیہ تم اتنی تیز رفتار سے کار کیوں چلا رہی تھی تمہیں کچھ ہو جاتا تو ہمارا کیا ہوتا؟"۔ اب وہ اسے کیا

"تو کیا حرکت تھی آنیہ تم اتنی تیز رفتار سے کار کیوں چلا رہی تھی تمہیں کچھ ہو جاتا تو ہمارا کیا ہوتا؟"۔ اب وہ اسے کیا

"ڈیڈام کو سمجھائے نا میں بالکل ٹھیک ہو مجھے کچھ بھی نہیں ہوا ہے۔"

"بیٹا آپ کی مام ٹھیک کہہ رہی ہے آپ نے تو ہماری جان ہی نکال دی تھی۔" وہ انھیں کیا کہتی کے وہ زمر شاہ کے عشق میں بری طرح گرفتار ہے اس کی ایک جھلک دیکھنے کے لپیوہ کچھ بھی کر سکتی ہے یہ تو بس ایک چھوٹا سا ایکسڈنٹ تھا گرا سے اپنی جان کی بازی بھی لگانی پڑتی تو وہ خوشی خوشی یہ بھی کر

گزرتی تھی پھر وہ ایک دن ہسپتال میں رہنے کے بعد گھر آ گئی تھی وہ اپنے روم میں آرام کرنے کے بعد زمر شاہ کے روم میں آ گئی اور بولی۔

"زمر تم میرے لیے گفٹ نہیں لائے؟" وہ ہمیشہ سے اسے زمر ہی کہہ کر پکارتی تھی اسے اپنے سامنے دیکھ کر وہ مسکرا اٹھا تھا۔
"اوہ سوری میں تو بھول ہی گیا تھا تمہیں خیر کوئی بات نہیں تم ابھی میرے ساتھ چلوں میں تمہیں تمہاری پسند کا تحفہ خرید دو گا۔" زمر کی بات سن کر اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے وہ اپنے آنسو کو پیچھے ڈھکیلتے ہوئی بولی۔
"زمر تم بہت برے ہو میں تمہیں اس بات کے لیے کبھی معاف نہیں کرو گی تم مجھے یعنی کے آئیہ شاہ کو بھول گے تھے اور تحفہ تو دل سے دیا جاتا ہے دیکھا وے کے لیے نہیں دیا جاتا اگر میں تمہیں یاد نہیں رہی تو کوئی بات نہیں تم دیکھنا زندگی میں کبھی نا کبھی ایسا موڑ آئے گا کے جب تم ہر وقت مجھے یاد کرو گے مگر میں تمہارے پاس نہیں رہو گی۔" اس کی جذباتی باتیں سن کر زمر شاہ ہنسنے لگا تھا۔

"ارے پارلیز معاف کر دو آئندہ کبھی تمہیں نہیں بھولوں گا۔" وہ اپنے کان پکڑتے ہوئے اس سے معافی مانگنے لگا تھا۔
"نہیں میں تمہیں معاف نہیں کرو گی۔" وہ غصے کے مارے اپنی جگہ سے اٹھ کر جانے لگی تھی کہ
تبھی زمر شاہ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اس کے ہاتھ پکڑنے پر آئیہ شاہ کو 440 والٹ کا جھجکا لگا تھا وہ اسے دیکھنے لگی تھی اس کا بس چلتا تو وہ اس لمحے کو ہمیشہ کے لیے قید کر لیتی تھی جس میں صرف وہ تھی اور زمر شاہ تھا۔

"تم سچ میں بہت بے وقوف و جذباتی لڑکی ہو میں تو مذاق کر رہا تھا تم میرے جھوٹ کو سچ سمجھ بیٹھی میں اپنی چھوٹی سی دوست کو کیسے بھول سکتا ہو میں تمہارے لیے بھی گفٹ لایا ہوں۔" اس نے آئیہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے صوفے پر بیٹھا دیا اور خود اپنی وارڈ روب سے گفٹ نکالنے لگا اور وہ کھوٹی کھوٹی سی اسے دیکھنے لگی زمر شاہ نے ایک خوبصورت سا باکس اس کے طرف بڑھا دیا اس نے وہ باکس کھام لیا اس خوبصورت سے باکس میں ایک خوبصورت سا A بنا ہوا لاکٹ تھا اور گولڈ چین تھی یہ دیکھ کر وہ خوشی سے جھوم اٹھی تھی۔

"یہ تم میرے لیے لائے ہو۔" وہ خوش ہوتے ہوئے بولی۔

"ایسٹرن سٹریٹ کے ایک گھر میں ایک شخص نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے 'The Love of a Mother'۔"

اس کا ہب لگانے کی کوشش کرنے لگی مگر وہ ہب لگ ہی نہیں رہا تھا زمر شاہ دو کرکھڑا اسے دیکھ رہا تھا پھر اس سے رہا نہیں گیا تو وہ بولا۔

"بے وقوف لڑکی تمہیں تو ہب تک لگانا نہیں آتا ہے لگادیتا ہوں۔" پھر زمر اس کا ہب لگانے لگا وہ اسے اپنے قریب دیکھ کر سرشار ہوگی اسے پانے کی تمنا اور زور آور ہوگئی اس کی دعاوں میں اور شدت آگئی وہ چاہتی تھی اس کی ایک طرف محبت کے سفر کو منزل مل جائے زمر شاہ بھی اس کا ہاتھ تھام کر کہہ کے "جتنی محبت تم کرتی ہو انیشاہ اس سے بھی زیادہ محبت میں تم سے کرتا ہوں۔" وہ ان خوبصورت لمحوں میں ایسا الجھتی کے اسے خبر ہی نہیں ہوئی کہ زمر شاہ اسے کچھ کہہ رہا ہے زمر شاہ کے اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہراتے ہوئے بولنے پر وہ خواب کی دنیا سے حقیقت کی دنیا میں لوٹ آئی۔

"آنیہ کہا کھوگئی ہو۔"

"کبھی نہیں تھکنس اتنا خوبصورت تحفہ دینے کے لیے۔" اتنا کہہ کر وہ وہاں سے اپنے روم میں چلی آئی تبھی اسما دروازے پر دستک دے کر ایجازت ملتے ہی اس کے روم میں آگئی اور اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے بولی۔

"اب کیسی طبیعت ہے تمہاری؟"

"پہلے سے بہتر ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی پھر کچھ یاد آنے پر وہ اسما سے پوچھنے لگی۔

"زمر تمہارے لیے گفٹ میں کیا لایا؟" اس کے پوچھنے پر اسما نے مسکراتے ہوئے اسے اپنا چین لاکٹ بنا میلگی تھی اسما کا لاکٹ بھی اس کے لاکٹ کے طرح تھا بس اس کے سائیڈ سے زیڈ کا اضافہ کیا گیا تھا زیڈ دیکھ کر وہ اپنی جگہ حیران ہوگی اس کے ذہن میں بہت سارے خیالات

جنم لینے لگے تھے اس نے اپنے خیالات کو جھٹک دیا اور اسے اپنا تحفہ بتانے لگی۔

"دیکھو مجھے بھی زمر نے ایسا ہی گفٹ دیا ہے۔" اس کا تحفہ دیکھ کر اسما مسکراتے لگی۔

☆☆☆

آج سنڈے کا دن تھا گھر کی سبھی افراد لانچ میں بیٹھے تھے وہ تینوں بھی وہی فارغ بیٹھے تھے تبھی آنیہ کو آسکریم کھانے کی سوچی تھی وہ زمر کے ہاتھ سے آخبار چھنتے ہوئے بولی۔

"زمر چلوں نا ہم آسکریم پارلر چلتے ہے۔" اس کی بات سن کر زمر شاہ نے حیرت کا مظاہرہ کیا۔

"تم سچ میں پاگل ہو بھلا اتنی سردی میں کون آسکریم کھاتا ہے۔"

"اسا تم ہی کہوں نا زمر سے وہ میری بات نہیں مان رہا ہے۔" اسما کو اس پر ترس آ گیا تھا اس لیے وہ زمر سے بولی۔

"زمر چلو نا ہم چلتے پیہت مزا آئے گا۔" اسما کے ایک باری کہنے پر زمر شاہ ہامی بھرتے ہوئے بولا۔

"ٹھیک ہے چلو چلتے ہے۔" زمر کو یوں ایک منٹ میں مانتا ہوا دیکھ کر اسے حیرانی ہوئی اس لیے وہ تھوڑا لمبے سے بولی

"زمر میں تمہیں کتنی دیر سے کہہ رہی تھی مگر تم منع کرتے رہے اور اسما کے ایک کہنے پر ہی مان گے یہ تو غلط بات ہے نا۔"

"اگر تم دونوں پانچ منٹ میں نہیں آئی تو میرا اردہ بدل بھی سکتا ہے۔" وہ آنی کی بات نظر انداز کرتے ہوئے بولا اس

کی دھمکی کا رگڑا ثابت ہوئی تھی وہ دونوں پانچ منٹ میں اپنا حلیہ درست کر کے آ گئے تھے۔

☆☆☆

گھر میں آج معمول سے زیادہ چہل پہل تھی وہ پچھلے کچھ دنوں سے گھر والوں کی کچھ الگ ہی سرگرمیاں دیکھ رہی تھی مام

تائی جان پچھو جان اور اسما روز کئی ناکئی شاپنگ کے لیے نکل جاتے تھے اسے بھی ساتھ چلنے کو کہتے مگر وہ منع کر دیتی کیونکہ

ان چاروں کی غیر حاضری میں وہ روز زمر شاہ کے روم میں جاتی تھی کئی دیر تک اس کے روم میں اپنا وقت بتاتی اس کے روم

کو اپنے ہاتھوں سے سنوارتی تھی، وہ تلعت بیگم کے روم میں آئی انھیں تیار ہوتا دیکھ کر حیرت سے بولی۔

"مام آج کیا گھر میں کوئی پارٹی ہے؟" اسے بہت دنوں بعد اپنے سامنے دیکھ کر وہ مسکراتے ہوئے بولیں۔

"آج بہت خوشی کا دن ہے تمہارے بڑے پاپا نے زمر کے واپس آنے کی خوشی میں پارٹی رکھے ہے اور ساتھ ہی ساتھ اسما

اور زمر کی ریگ سیر منی بھی ہے۔" ان کی آخری بات سن کر آنیہ کے اوپر جیسے بم گرا تھا اسے تلعت شاہ کی بات پر یقین

نہیں آ رہا تھا یہ بات اسے اپنا وہم لگی تھی بھی وہ تصدیق کرنے کیلئے ان کے سامنے جا کھڑی ہوئی اور بولی۔

"ما۔۔ مام آپ نے لاسٹ میں کیا کہا۔"

"یہی کہ ریگ سیر منی بھی ہے۔" تلعت شاہ اپنی ہی دھن میں تھیں اس لیے اس کے چہرے کے مدوجزد دیکھ نہیں

پائیں۔

"ما۔۔ مام یہ۔۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے زمر تو مجھ سے۔۔۔" مارے صدمے کے اس کے منہ سے الفاظ بھی ڈھنگ سے

ادا نہیں ہو پارہے تھے اس کی غیر ہوتی حالت دیکھ کر تلعت شاہ اپنی تیاری ادھوری چھوڑ کر پورے طرح اس کے

طرف متوجہ ہوتے ہوئے بولیں۔

"بیٹا آپ کو کیا ہوا ہے آپ کی ایسی حالت کیوں ہو رہی ہے؟"

"مام زمر تو مجھ سے محبت کرتا ہے وہ۔۔ وہ کیسے اسما سے منگنی کر سکتا ہے۔"

"کون کون سا منگنی کر سکتا ہے؟"

"بیٹا اگر آپ کے دل میں زمر شاہ کے لیے کوئی جذبات ہے تو اسے دل میں ہی رہنے دو کسی پر عیاں مت کرنا کیونکہ زمر اور اسما کی بچپن سے ہی نسبت طے ہے وہ دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔" ان کی باتیں اسے بہت بری لگ رہی تھیں آج اسے اپنی ماں کی سخت ضرورت تھی مگر اسے اپنی ماں پر ان کی لگ رہی تھی، باقر صاحب کے انتقال کے بعد اکبر صاحب نے اپنی بیواہ بہن کا خیال کر کے زمر اور اسما کی نسبت بچپن ہی سے طے کر دیے تھے "مام اگر ان دونوں کی بچپن سے ہی بات طے تھی تو مجھے آج تک لاعلم کیوں رکھا گیا۔۔۔ کیا یہ بات وہ دونوں بھی جانتے ہیں؟"

"ہاں بیٹا سب کو اس بات کا علم ہے ہمیں لگا آپ کو بھی پتا ہوگا۔" ان کی بات سن کر اسے اپنی سماعتوں پر یقین نہیں آیا اس لیے وہ ان کے روم سے دوڑتے ہوئے نکلی تھی وہ اب زمر شاہ کے سامنے سوالی بنی کھڑی تھی وہ جو بڑے خوشی سے اپنی تیاری کرنے میں مگن تھا اس کا مرجھایا ہوا چہرہ دیکھ کر تشویش میں مبتلا ہو گیا اور اس کے پاس آیا۔

"آئیے کیا ہوا تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے تاہم ابھی تک تیار کیوں نہیں ہوئی ہو؟" وہ اس کے کندھے پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے بولا تھا۔

"پہلے تم مجھے یہ بتاؤ کیا تمہاری اور اسما کی بات بچپن سے طے تھی اور کیا تمہیں اس بات کا علم تھا؟" وہ اس کے ہاتھ جھٹکتے ہوئے بولی۔

"ہاں مجھے اس بات کا علم تھا تاہم یہ سب کیوں پوچھ رہی ہو؟" وہ نا سمجھی سے بولا۔

"ت۔۔۔ تم یہ متفنی کینسل کردو۔" وہ اس وقت خود غرضی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولی اس کی بے تو کی بات سن کر زمر شاہ غصے سے بولا۔

"کیوں کینسل کردو میں یہ متفنی؟"

"کیونکہ میں تم سے محبت کرتی ہوں مجھے بھی علم ہے کہ تم بھی مجھ سے اتنی ہی محبت کرتے ہو جیسا میں تم سے کرتی ہوں۔" اس کی بات سن کر وہ آپے سے باہر ہو گیا اس نے ایک زوردار تھپنہ آنیہ کو رسید دیا اس کے تھپنہ سے وہ زمین پر جا گری۔

"آنہ شاہ تم نے سوچ بھی کیسے لیا کہ میں تمہارے خاطر اپنی محبت سے دستبردار ہو جاؤں تو صرف تمہیں اپنی اچھی دوست مانتا تھا اور میری ایک بات کان کھول کر سن لو زمر شاہ صرف اسما حسین سے محبت کرتا ہے اب سے نہیں جب سے ہوش سنبھالا ہے تب سیاور رہی بات تمہاری محبت کی وہ میں نہیں جانتا کیونکہ تمہاری عمر میں محبت نہیں ہوتی ہے

وہ پورے ایک ہفتہ بیمار رہی تھی آج کچھ طبیعت بہتر لگی تو وہ یونیورسٹی چلی گی وہاں بھی زمر شاہ کے الفاظ اس کا پیچھا نہیں چھوڑ رہے تھے بار بار اس کے کان گونجتے رہے۔

"خیرات میں دی ہوئی چیزوں کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی میں تمہیں اپنی محبت خیرات میں بھی نہیں دے سکتا نکل جاو یہاں سے مجھے تمہاری صورت سے بھی نفرت محسوس ہو رہی ہے۔"

اس نے اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ دیا وہ یونیورسٹی سے گھر واپس لوٹی تو اسما اور زمر کبھی جا رہے تھے انہیں ایک ساتھ دیکھ کر اس کے آنکھوں میں آنسو آگے تھے وہ انہیں نظر انداز کرتے ہوئے جا رہی تھی مگر زمر کے الفاظ نے اس کے آگے بڑھتے ہوئے قدم روک دیے۔

"اسامہ ہماری محبت کی سلامتی کے لیے دعا کیا کرو کیا خبر کب کسی کی بری نظر لگ جائے۔"

اسکے یہ الفاظ آنیہ کا دل آزر دہ کر دے ہوئے وہاں سے اپنے روم میں آگئی دل کا غبار آنسو کی صورت میں نکلتا رہا روتے روتے کب نیند لگ گئی تھی اسے پتا ہی نہیں چلا تھا تلعت شاہ اسے جگانے آئے تھے اسے اپنا حلیہ درست کر کے نیچے آنے کا حکم دے کر چلے گئے

وہ اپنے سرخ چہرے پر پانی سے چھپکے مار کر اور اپنے بکھرے بالوں کو سنوار کر لانچ میں چلی آئی احتشام اور اس کے والدین آئے ہوئے تھیں وہ انہیں سلام کر کے اپنی ماں کے پاس جا بیٹھی بھی احتشام کی والدہ اسے پیار سے نہارتے ہوئے بولیں۔

"ماشا اللہ آپ کی بیٹی کتنی خوبصورت ہے۔" ان کی بات سن کر وہ ناچاہتے ہوئے بھی مسکرائی تھی زمر اور اسما بھی آگے تھے احتشام اور زمر ایک دوسرے سے بڑے ہی تپاک سے گلے ملے تھے پھر وہ دونوں ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگے بھی جنید کاظمی صاحب نے وقار شاہ کو اپنے طرف متوجہ کیے۔

"وقار مجھے تو تم جانتے ہو ہمارے تعلقات ابھی کے نہیں ہے برسوں پرانے ہے اور تم میرے بیٹے کو بھی اچھے طرح سے جانتے ہو اس لیے میں تمہاری بیٹی آنیہ شاہ کا رشتہ اپنے بیٹے احتشام کے لیے مانگنا چاہتا ہو پلیز انکار مت کرنا۔" ان کی بات سن کر وقار صاحب خوش ہوتے ہوئے بولیں۔

"انکار کا تو کوئی جواز ہی نہیں بنتا احتشام جیسے ہیرے کو کون ناپسند کر سکتا ہے میرے طرف سے تو تم ہاں ہی سمجھوں۔" وقار صاحب نے فوراً ہامی بھر لیے وہاں موجود سبھی لوگ اس فیصلے سے خوش تھے احتشام کے والدین ہتھلی پر

سرسوں جمانہ چاہتے تھے جیسے انہیں پہلے سے ہی امید تھی کہ وہ لوگ احتشام کے رشتے کے لیے نااہل نہیں کرے گے

پانی تھی احتشام کے گھر والے بہت دیر تک وہاں موجود رہے ان کے جاتے ہی وہ اپنے روم میں قید ہو گئی تھی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی وہ شام اس کے لیے بہت ساری اداسی اپنی اونٹ میں چھپالائی تھی ایسا نے چار سو اداسی پھیلی ہوئی محسوس ہو رہی تھی وہ بس خدا سے اپنی زندگی ختم ہونے کی دعا مانگ رہی تھی وہ اندر آیا اور بولا۔

"مبارک ہو اب تم ہمیشہ کے لیے میرا پیچھا چھوڑ دو گی"۔ اسے کئی دنوں بعد اپنے روم میں خود سے مخاطب دیکھ کر وہ سرشار ہو گئی تھی مگر اس کے الفاظ تیر کی طرح اس کے سینے میں پیوست ہوئے محسوس ہوئے تھے۔

"تم حکم تو کرو میں ابھی اور اس ہی وقت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے تمہارا پیچھا چھوڑ دو گی"۔

"میں کون ہوتا ہوں تمہیں حکم دینے والا بس تم اتنا جان لو کہ میں تمہارا نہیں ہوں اور نہ ہی کبھی ہو سکتا ہوں"۔

"میں جان گئی ہوں تم میرے کبھی نہیں ہو سکتے مگر میری ایک بات یاد رکھنا تم ایک دن میرے لیے اتنا ہی تڑپوں گے جتنا آج میں تڑپ رہی ہوں مجھ سے میری محبت کی بھیک مانگوں گے مگر تب تک آئیہ شاہ تمہاری دسترلیس سے بہت دور جا چکی ہو گی اتنا دور کہ تمہیں مجھ تک پہنچنے کے لیے موت کا انتظار کرنا ہو گا اور میں تمہارے اور اسما کیلئے اپنی آخری سانس تک دعا گو

رہوں گی کہ تم دونوں ایک ساتھ ہمیشہ خوش رہو"۔ اس کی عجیب عجیب باتیں سن کر وہ خاموشی سے واپس مڑ گیا اسے اپنے روم میں آ کر بھی ایک پل کا چین نہیں مل رہا تھا آج اس کی باتوں میں ایسا کیا تھا جو اسے پوری طرح مضطرب کر گئی تھی آئیہ شاہ کی سرخ آنکھیں اسے کچھ الگ ہی داستان بیاں کر رہی تھی ایک امر محبت کی داستان جو کبھی نہیں مر سکتی ہے تا عمر اس کے ساتھ رہیو الی ہے وہ دور ہو کر بھی پاس ہونے کا احساس دل رہی تھی وہ کئی دنوں تک اس کے بارے میں سوچتے ہوئے بے چین رہا تھا اس لیے اپنی بے چینی کم کرنے کے لیے اس نے اس سے اس گھر سے اس شہر سے دور رہنے کا فیصلہ کیا تھا اس نے سبھی سے یہ کہہ دیا تھا کہ وہ دوسرے شہر والے آفس کی برانچ کو سنبھال رہا ہے اس کے گھر سے دور جانے کی وجہ صرف آئیہ شاہ ہی جانتی تھی کہ وہ کیوں جا رہا ہے اس لیے وہ تڑپ کر اس کے پاس آئی اور بولی۔

"زمر تم پلیز مت جا اگر تم کہوں گے تو میں تمہیں کبھی اپنی شکل نہیں دیکھا گی مگر پلیز تم مت جا"۔

"تم ہوتی کون ہو مجھے روکنے والی"۔ زمر شاہ نے بڑے بڑے دردی سے کہا تھا۔

"میں۔۔۔ میں جانتی ہوں میں تمہیں روکنے والی کوئی نہیں ہوتی ہو مگر تمہیں اسما کا واسطہ اس کی قسم کا مان رکھ لو رکھ جا"۔

"جب اسما کو میرے جانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے تو تمہیں بھی نہیں پڑھنا چاہئے میں اپنے فیصلے پر قائم ہوں"۔

"ٹھیک ہے تمہیں روکنے والی کوئی نہیں ہے مگر تمہیں اسما کا واسطہ اس کی قسم کا مان رکھ لو رکھ جا"۔

"مستقبل کا تو پتا نہیں مگر حال کی لحال میں تم یہاں سے جا سکتی ہو"۔ اب تو آنیہ شاہ اس کے سر دلچے کی عادی ہو چکی تھی اس لیے وہاں سے چلی گی آنیہ شاہ کا عشق جنون اسے آنیہ شاہ کے طرف کھینچنے میں کامیاب ہو رہا تھا اس لیے وہ شہر چھوڑ کر چلا گیا تھا جہاں وہ اسے نظر نہ آ سکے۔

☆☆☆

زمر شاہ کو اس کا شہر چھوڑ چھ مہینے کا عرصہ ہو چکا تھا ان چھ مہینوں میں وہ ایک بھی بار اپنے گھر نہیں آیا تھا سب اسے بلاتے رہتے مگر وہ کوئی نا کوئی بہانہ کرتا دیتا تھا، احتشام ہر روز آنیہ کو کال کرتا تھا مگر وہ نہیں اٹھاتی تھی اس لیے وہ آج آنیہ شاہ سے یہ پوچھنے آیا تھا کہ وہ اس کی محبت کا جواب اتنی بے رخی سے کیوں دے رہی ہے اس لیے وہ زبردستی اسے اپنے ساتھ پارک میں لے آیا اس کا نرم و نازک ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھا مگر یہ کیا اس کا ہاتھ تو بہت گرم جل رہا تھا تبھی احتشام نیاس کے ماتھے کو چھوا وہ بھی گرم انگارے کے طرح جل رہا تھا وہ اپنے جگہ پریشان ہوا اٹھا تھا۔

"آنیہ تمہیں تو بہت سخت بخار ہے"۔

"ہاں بس معمولی سا بخار ہے"۔ وہ احتشام کی بات کو نالٹے ہوئے بولی۔

"تم ابھی اور اس ہی وقت میرے ساتھ ہاسپٹل چلو"۔

"نہیں احتشام مجھے کبھی نہیں جانا ہے"۔ وہ احتشام کو اپنے لیے فکر مند دیکھ کر چڑتے ہوئے بولی تھی۔

"آنیہ کیا بات ہے تم مجھ سے کھول کر بات کیوں نہیں کرتی ہو"۔ وہ اسے خود سے بے زار دیکھ کر بولا۔

"احتشام میں نہیں چاہتی ہو کہ تم مجھ سے محبت کرو تم میری کسیر کرو محبت دکھا دو اور پچھتاوے کے علاوہ اور کچھ نہیں دیتی ہے میری محبت تمہیں زندگی بھر تڑپا تیسلا گاتے رہے گی میں نہیں چاہتی تم تڑپتے سلگتے ہوئے زندگی گزار دو پلیز تم یہ رشتہ توڑ دو اور مجھے معاف کر دینا کیونکہ میں تمہارے دکھ کی وجہ بنی میں اپنی وجہ سے کسی کو درد میں نہیں دیکھ سکتی ہو"۔

وہ رو رہی تھی اس کے آنسوں احتشام کو اپنے دل پر گرتے ہوئے محسوس ہوئے وہ اس کی باتیں سن کر تڑپتے ہوئے بولا۔

"تمہیں پتا ہے جب میں نے تمہاری اداس آنکھوں میں نمی دیکھا تھا تب سے مجھے تم سے عشق ہو گیا تھا اور جس کو عشق کا روگ لگ جاتا ہے وہ اپنے نفع و نقصان کی پرواہ نہیں کرتا اور میں نے تم سے محبت نہیں عشق کیا ہے مجھے تم پیچھے ہٹنے کا نا کہوں میں جانتا ہوں تم زمر شاہ سے محبت کرتی ہوں"۔ وہ بس احتشام کو حیرانی بھری نظروں سے گھورنے لگی وہ جھوٹ بولنے کی عادی نہیں تھی اس لیے سچ بولنے لگی۔

"آئیہ محبت یک طرفہ ہو یا دونوں طرف سے یہ ہمیں دکھ ہی دیتی ہے میں محبت کی لذت کو چکھنا چاہتا ہوں اور تم مجھے خود سے محبت کرنے سینیں روک سکتی ہو میں تم سے وعدہ کرتا ہوں میں ہمیشہ تمہارا ساتھ نبھاؤ گا کیا تم میرے اس یک طرفہ سفر کو مکمل کرو گی کیا تم میرا ساتھ نبھا گی"۔ وہ بہت آس لگا اس سے پوچھ رہا تھا۔

"ایک تم ہو جو زندگی بھر ساتھ نبھانے کا کہہ رہے ہو اور ایک وہ ہے جو میرے طرف دیکھنا تک گوارہ نہیں کرتا میں عمر بھر تمہارا ساتھ نبھانے کا وعدہ تو نہیں کر سکتی ہاں مگر جب تک حیات ہو تب تک تمہارے ہم قدم رہو گی"۔ وہ اپنے مرجھائے ہوئے چہرے پر زبردستی

مسکراہٹ سجاتے ہوئے بولی تھی۔

"احتشام کیا میں اتنی بری ہو جو وہ مجھ سے محبت نہیں کرتا ہے"۔

"اس کی شاید نظریں خراب ہے جو تمہیں پرکھنے میں وہ غلطی کر گیا اگر وہ تمہیں میری نظر سے دیکھتا تو اسے تم سے عشق ہو جاتا خیر تم یہ سب باتیں چھوڑو تم چلو میں تمہیں ہاسپٹل لے چلتا ہوں"۔ وہ اپنے جگہ سے اٹھتے ہوئے بولا۔

"نہیں۔ نہیں میں گھر جانا چاہتی ہوں تم مجھے گھر ڈراپ کر دو"۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی ابھی دو قدم ہی چلی تھی کہ اسے شدید چکر آ گیا اور وہ اس کی باہوں میں جھول گئی احتشام اس کی حالت دیکھ کر گھبرا گیا پھر وہ فوراً اسے شہر کے سب سے بڑے ہاسپٹل میں لے آیا مگر جو خبر ڈاکٹر نے اسے سنایا وہ اس کی روح فنا کرنے کے لیے کافی تھی وہ اپنی جگہ بیٹھتا چلا گیا اور پھوٹ پھوٹ کر روتا رہا آنے جانے والے سبھی لوگ اسے حیرانی سے دیکھ رہے تھے کئی دیر بعد وہ خود کو سنبھال کر اس کے پاس لایا اس کی سرخ آنکھیں دیکھ کر وہ مسکراتے ہوئے بولی

"آخر کار تمہیں پتا چل چکا ہے"۔

"ہاں مجھے سب کچھ پتا چل گیا تم نے اتنی بڑی بات کسی کو کیوں نہیں بتایا"۔

"میں اپنی وجہ سے کسی کو پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی"۔

"تم نے سب سے اتنی بڑی بات چھپا کر بہت غلط کیا اب سب کو حقیقت کا علم ہو گا تو وہ کتنے دکھی ہو گے تمہیں اس بات کا اندازہ ہے"۔ وہ اپنے آنسوؤں کو بے دردی سے رگڑتے ہوئے بولا۔

"تم۔ تم وعدہ کرو میرے اس مرض کے بارے میں تم کسی کو کچھ نہیں بتا گے نہیں بتاؤ گے نا؟" وہ بہت امید بھری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے وعدہ لے رہی تھی۔

"میں تم سے صرف اس شرط پر وعدہ کرو گا کہ تم مجھ سے وعدہ کرو کہ تم اپنے ٹیومر کا علاج کرا گی"۔

"تم مجھ سے ایک اور وعدہ کرو گے مجھے پتا ہے کہ میں اس وقت خود غرضی کا مظاہرہ کر رہی ہوں مگر پھر بھی تم مجھ سے وعدہ کرو کے اگر مجھے کچھ ہو گیا تو تم اپنی زندگی میں آگے بڑ جا گے اور زمر کا ساتھ کبھی نہیں چھوڑو گے۔" اس کی بات سن کر وہ اپنی جگہ ٹپ کر بولا۔

تمہیں کچھ نہیں ہو گا تم میری زندگی کا ایک بہت اہم حصہ ہو اگر تم نے آئندہ ایسی کوئی بات کیا تو میں تم سے روٹھ جا گا تم میری زندگی میں آنے والی پہلی اور آخری لڑکی ہو جس کو میں نے اتنا ٹوٹ کر چاہا ہے اور میں وعدہ کرتا ہوں میں کبھی بھی زمر کا ساتھ نہیں چھوڑوں گا۔"

وہ اس کا نازک مرمریں سا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھامے روئے جا رہا تھا اس کے محبت کی شدت کو دیکھ کر آنیہ شاہ کو اپنی محبت یاد آگئی وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

"احتشام گھر چلوں گھر پر سب ہمارا انتظار کر رہے ہوں گے۔" احتشام نے ہنوز اس کا ہاتھ تھامے رکھا اور اسے کار میں بیٹھایا مغرب کا وقت ہو چکا تھا مگر کالے بادل گھیر کر چھائے ہوئے تھے اس لیے رات کا سما محسوس ہو رہا تھا وہ شام کسی طوفان کا سندسہ دے رہی تھی وہ آسمان کو دیکھ کر سوچنے لگی ایسا ہی طوفان چھ مہینے پہلے اس کے زندگی میں آیا تھا جب اسے اپنی جان لیوا بیماری کا پتا چلا تھا اس وقت وہ رونے کے بجائے خوش ہوئی تھی کہ اسے ہمیشہ کے لیے زمر شاہ کی زندگی سے جانے کا موقع مل رہا تھا اس لیے اس نے اپنے ٹیومر کا کسی کو بھی نہیں بتایا تھا نا ہی علاج کروایا تھا وہ اپنی سوچ میں اتنا گم ہو چکی تھی کہ اسے پتا ہی نہیں چلا کہ وہ کب گھر پہنچی احتشام نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے کار سے اتار کر زمر شاہ سامنے ہی کھڑا تھا یہ منظر دیکھ کر محبت نا ہونے کے باوجود اس کے اندر شعلے بڑک اٹھے ان دونوں کو ایک ساتھ مسرور سا دیکھ کر اس کا دل چاہ رہا تھا وہ آنیہ شاہ کو احتشام کاظمی سے الگ کر دے، جب آنیہ شاہ کی نظر اس پر پڑی تو اسے یقین نہیں آیا کہ زمر شاہ بس اس کے تھوڑے سے فاصلے پر ہے وہ دوڑتے ہوئے اس کے پاس جانا چاہتی تھی مگر بھی احتشام نے اپنے ہاتھ کی گرفت اس

کے ہاتھ پر مزید بڑھادیا اور دھیرے سے اس کے طرف جھکتے ہوئے اس کے کان میں کہا۔

"نہیں آنیہ تمہیں اپنے جذبات پر قابو رکھنا ہو گا اور اس کے سامنے خود کو کتنا ذلیل و سورا کر اگی۔" وہ احتشام کی بات سے پورے طرح متفق ہوئی اس نے احتشام کے ہاتھ کو مضبوطی سے پکڑ لیا اور زمر شاہ کو نظر انداز کرتے ہوئے وہاں سے چلی گئی اس کا یوں اس طرح سے نظر انداز کرنا پتا نہیں کیوں زمر شاہ کو ایک آنکھ نہیں بھایا اس لیے وہ اس ہی وقت وہاں سے چلا گیا تھا۔

ہوئی حالت دیکھ کر پریشان تھے وقار شاہ اور تلعت شاہ کو جب اس کے بیماری کیا پتا چلا تو تب تک بہت دیر ہو چکی تھی اس کا ٹیومر لاسٹ اسٹیج پر تھا وہ تل اپنی بیٹی کو مرتا دیکھ رہے مگر کچھ بھی کرنے سے قاصر تھے گھر میں موجود تباہ جان تائی جان پھپھو جان اسماء سب ایک دوسرے سے نظریں چرا رہے تھے اپنے آنسوؤں چپا کر وقار شاہ اور تلعت شاہ کو تسلی دیتے تھے مگر ان کی تسلیاں کچھ کام کی نہیں تھی ان کی تسلیوں سے ان کی ایک لوتی بیٹی کی جان تو واپس نہیں آ سکتی تھی زمر ایک بار کے علاوہ پھر کبھی اپنے گھر نہیں آیا تھا وہ ہر وقت اس کا انتظار کرتی تھی کہ وہ آئے گا مگر اس کا انتظار لا حاصل تھا اسے نہیں

آنا تھا اس لیے وہ نہیں آیا وہ ہاسپٹل کے بیڈ پر تھی گھر کے سبھی افراد ہاسپٹل کے کوریڈور میں موجود تھے صرف احتشام ہی اسکے روم میں بیٹھا تھا اور اسے کہہ رہا تھا۔

"آئیتم نے خود کیا تھا اور میرے ساتھ بہت بڑی نا انصافی کیا ہے کاش کے میں سب کو پہلے ہی تمہاری بیماری کے بارے میں بتا دیتا تم آج اس حالت میں صرف میرے وجہ سے ہو"

"میری اس حالت کی ذمہ دار میں خود ہوں تم خود پر الزام مت دو تمہیں شاید اندازہ نہیں ہے جب انسان سچی محبت کرتا ہے تو ہر حد سے گزر سکتا ہے میری حدیں یہی تک تھی اس لیے آج میرا یہ انجام ہوا ہے اور احتشام تم مجھے معاف کر دینا میں تمہاری گنہگار ہوں میں تمہارے ساتھ مخلوص نہیں رہے پائی۔"

"نہیں آئیتم گنہگار نہیں ہو گنہگار تو میں ہوں مجھے معاف کر دینا میں نے سب سے تمہاری بیماری کا سچ چپا کر سب سے بڑا گناہ کیا ہے۔"

"نہیں غلطی میری تھی تم خود کو ہر الزام سے بری کر دو۔" اتنا کہہ کر وہ ہوش سپیگانہ ہو گیا احتشام گھبرا گیا اس نے فوراً ڈاکٹر کو اس کے بے ہوشی کی اطلاع دیا ڈاکٹر زکی پوری ٹیم اس کی زندگی بچانے کی کوشش کر رہی تھی مگر ہر کوشش رائیگاں جا رہی تھی وہ اپنے زندگی کے آخری مرحلے سے گزر رہی تھی اس کی حالت دیکھ کر سبھی گھر کے افراد صدمے میں چلے گئے تھے کسی کو بھی زمر شاہ کو اس کی حالت کے بارے میں بتانے کا یاد ہی نہیں رہا تھا اس کی ایک

آخری خواہش تھی کہ وہ ایک آخری بار زمر شاہ کو دیکھ لے اس نے جب اپنی خواہش احتشام کو بتایا تو احتشام نے بنا دیری کیے زمر شاہ کو فون ملا دو تین ہیل جانے کے بعد فون اٹھا لیا گیا تھا احتشام بھگے ہوئے لہجے میں گویا ہوا۔

"تم نے اسے اپنی زندگی سے نکل جانے کے لیے کہا تھا نا تو خوش ہو جاؤ ہمیشہ کے لیے ہمیں چھوڑ کر جا رہی ہے اس کی ایک آخری خواہش ہے کہ تم اس سے ملنے آ۔" احتشام کی بات سن کر اس کے ہاتھ پیر ڈھیلے پڑ گئے وہ ناتجہی

"زمر شاہ آئیہ شاہ کو برین ٹیومر ہے وہ اپنی زندگی کی آخری سانس لے رہی ہے وہ اپنے آخری وقت میں تم سے ملنا چاہتی ہے"۔ اتنا کہہ کر احتشام نے فون رکھ دیا زمر شاہ کے ہاتھ سے موبائل چھوٹ گیا اسے احتشام کی بات پر یقین نہیں آ رہا تھا وہ جہاں کھڑا تھا وہی بیٹھتا گیا

اس کے آنکھوں میں آنسوؤں کا تھم سے گے تھے پھر وہ کب اس دیوانی لڑکی کے شہر پہنچا تھا اسے خبر ہی نہیں ہوئی تھی جو شہر ہمیشہ آباد لگتا تھا آج وہ یہی شہر اجڑا ہوا سا لگ رہا تھا اسے اپنے کیسے سارے ستم یاد آ رہے تھے کیا کچھ نہیں کہا تھا اس معصوم لڑکی کو اس نے وہ اپنی سوچوں میں گم تھ بھی ڈرا بیوارنے اسے ہاسپٹل آنے کی اطلاع دیا وہ کار سے اتر کر ریسیشن پر آیا وہی اسے احتشام کھڑا مل گیا احتشام اسے اپنے سامنے دیکھ کر اس کے گلے لگ گیا اور

چھوٹ چھوٹ کر رونے لگا وہ بھی خود پر قابو نہیں رکھ پایا وہ بھی زار و قطار رونے لگا بہت دیر تک وہ دونوں روتے رہے پھر احتشام اسے آنیہ شاہ سے ملانے ICU کے روم میں چھوڑ آیا، اسے دیکھ کر مرمز شاہ کے قدم لڑکھڑائے وہ کئی ساری مشینوں میں جکڑی ہوئی تھی اس کی خوبصورت آنکھوں کے نیچے سیاہ حلقوں نے جگہ بنالیا تھا اس کے گلابی ہونٹ سیاہ ہونٹ میں تبدیل ہو چکے تھے خوبصورت سی آنیہ شاہ جیسے سب گڑیا کہا کرتے تھے آج کوئی بھی اسے دیکھتا تو پہچاننے سے انکار کر دیتا وہ بھی تو اسے اس پل پہچان نہیں پایا تھا وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتے ہوئے اس کے پاس آیا اور اس کا نازک سا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام لیا جانا پہچانا سلسلے پا کر آنیہ شاہ نے آنکھیں کھول دیا اور ہلکی سی مسکان اپنے چہرے پر سجاتے ہوئے بولی۔

"مجھے گمان تھا کہ تم میرے ہو لیکن خبر یہ سب باتیں چھوڑو اب تو تمہیں مجھ سے کوئی شکایت نہیں رہی ہوگی نا دیکھوں میں نے اپنا وعدہ نبھالیا ہے۔"

ایک سال پہلے اس کی کہی بات نے اسے کئی سارے پچھتاؤں میں گیر لیا وہ ندامت سیبولا۔
 "آئیہ ایسا مت کہوں مجھے معاف کر دو میں نے تمہارے ساتھ بہت زیادتی کیا ہے پلیز مجھے معاف کر دو مجھے چھوڑ کر
 مت جائیں۔۔۔ میں تمہارے بغیر نہیں رہ پا گا میں اپنے کہہ سارے الفاظ واپس لیتا ہو۔" وہ بچوں کی طرح اس
 کے سامنے رو رہا تھا گڑ گڑا رہا تھا اسے اپنے لیے یوں رو تا دیکھ کر پتا نہیں کیوں دلی سکون ملا تھا وہ کئی ناکئی چاہتی تھی
 کہ وہ بھی اس کے لیے روئے تڑپے اور آج وہ دن تھا جب وہ آئیہ شاہ کے لیے رو رہا تھا اس کے لیے تڑپ رہا تھا
 یہی اس کی سب سے بڑی جیت تھی اس کی محبت نے آخر کار اس پتھر کو بھی موم کی طرح پگھلا دیا تھا۔

"زمر شاہ میں نے تمہیں معاف کیا۔ تم اپنا اسما کا احتشام کا خیال رکھنا۔۔ اور مام ڈیڈ کو کبھی اکیلا مت چھوڑنا

جاتے جاتے اس نے اپنی محبت اس پتھر دل انسان کے سینے میں ڈال کی تھی اس کے جانے سے سبھی لوگ صدمے میں چلکے تھے پورے گھر میں سکوت چھا گیا تھا زمر شاہ نے آنیہ شاہ کی روم کو اپنا ٹھکانہ بنالیا تھا وہ اس کی روم کی کسی بھی چیز کو چھوتا تو اسے محسوس ہوتا کے آنیہ شاہ اس کے بہت قریب ہے اسے دیکھ کر خوش ہو رہی ہے، سچ کہتے ہیں ہر چیز کی قدر اس کے کھونیکے بعد ہوتی ہے زمر شاہ کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا اسے آنیہ شاہ کی محبت کی قدر اسے کھونے کے بعد ہوئی تھی وہ ہر روز کی طرح آج بھی اس کی قبر پر آیا تھا مگر آج وہ معمول سے ہٹ کر جلدی اس کی قبر پر آ گیا تھا کیونکہ آج اسے احتشام کو ہرانا تھا پچھلے دس سالوں سے احتشام اسے ہراتا آیا تھا مگر آج اس نے بازی حیت لیا تھا اس نے ہر روز کی طرح آنیہ شاہ کی قبر پر سرخ گلاب کے پھول رکھا درود پڑھا پھر وہی پر اس کی قبر کے سامنے ہمیشہ کی طرح بیٹھتے ہوئے اس سے معافی مانگنے لگا۔

"آنیہ شاہ مجھے معاف کر دو میں تمہاری محبت کو سمجھ نہیں پایا تم میرے وجہ سے آج اس دنیا میں نہیں ہو۔"

"نہیں وہ تمہارے وجہ سے نہیں میرے وجہ سے ہمارے بچے نہیں ہے اس نے مجھیا پنے وعدے سے باندھ لیا تھا میں اس کی جان لیوا بیماری کے بارے میں جانتا تھا مگر میں نے اس کے وعدے کی وجہ سے اس کی بیماری کا ذکر کسی سے نہیں کیا اس کے ایک وعدے نے اس کی زندگی چھین لیا وہ میرے اتنے قریب ہو کر بھی میری نہیں ہو پائی تھی وہ صرف تمہاری تھی زمر شاہ اس نے تمہارے عشق میں خود کو فنا کر دیا۔"

"میں بہت بد نصیب ہوا احتشام جو اس کے عشق کو اسکے دیوا لگی کو سمجھ نہیں پایا اس نے مجھے اتنی شدت سے چاہا کہ میرے خوشی کے لیے وہ مجھ سے اتنا دور چلی گئی میں نے اسے دور جانے کا ضرور کہا تھا مگر اتنے دور جانے کا نہیں جہاں سے رسائی ناممکن نا ہو وہ دیوانوں کی طرح میرے در پر آ کر رو رہی تھی اپنی محبت کی بھیک مانگ رہی تھی مگر میں نے اسے بے دردی سے اسے دھتکار دیا تھا اسے دھکے مار کر اپنے روم سے نکال دیا تھا اپنی زندگی سے نکل جانے کے لیے کہا تھا اور وہ سچ میں بہت دور چلی گئی تم بہت خوش نصیب ہو کم از کم تمہیں اس کا ساتھ تو نصیب ہوا مجھے تو کچھ بھی نہیں ملا میں خالی ہاتھ رہ گیا۔" وہ سسکیاں لے کر رو رہا تھا۔

"وہ مجھے ہر وقت کہتی تھی کہ میں کبھی تمہارا ساتھ نا چھوڑوں تمہارے ٹھکرانے کے باوجود وہ تم سے کبھی نفرت نہیں کر پائی تھی اس لیے اس نے اپنے لیے موت کا انتخاب کیا۔" احتشام بھی آنیہ شاہ کو یاد کر کے سسک پڑا۔

"بعض اوقات ہم کسی سے محبت نہیں کرتے احتشام مگر اس کی بے پناہ محبت ہمیں اس سے محبت کرنے پر قاصر کر دیتی

گلے نہیں لگا سکتا تھا۔

"وہ ایک گلاب کے پھول کی مانند تھی جو اپنی خوشبو سے سب کو مہکاتی تھی مگر جب پھول کو پودے سے الگ کر دیا جاتا ہے تو پھول مرجھا جاتا ہے ویسے ہی وہ تمہارے ٹھکرانے سے مکھرگی تھی اس لیے وہ دوسرے جہاں میں چلی گی اب ہمیں اس تک پہنچنے کے لیے موت کا انتظار کرنا ہوگا۔"

"وہ پری تھی جو ہمیں اپنے عشق میں گرفتار کر کے خود چین کی نیند سوگی ہمیں شاید اپنے لیے روز تڑپتا دیکھ کر وہ خوش ہوتی ہوگی۔" وہ دونوں ایک دوسرے کے گلے لگ کر رو رہے تھے اب ان دونوں کو ساری عمر آنیہ شاہ کے عشق میں تڑپتے سلگتے رہنا تھا آنیہ شاہ کو

دنیا سے گے ہوئے دس سال گزر چکے تھے مگر ان دونوں کو ایسا لگتا تھا کہ وہ ابھی بھی ان کے بیچ موجود ہے ان دونوں کو اپنے لیے تڑپتا دیکھ کر خوش ہو رہی ہے احتشام نے آنیہ شاہ کے علاوہ کسی اور کے بارے میں کبھی نہیں سوچا تھا وہ اپنے وعدے پر آج بھی قائم تھا اس لیے آج تک اس نے کسی سے شادی نہیں کیا تھا زمر شاہ کو بھی جب اپنی محبت کا احساس ہوا تو اس نے اسما سے شادی کرنے سے انکار کر دیا اسما نے اس کے انکار کی وجہ نہیں پوچھا کیونکہ وہ زمر شاہ کے جذبات سے اچھی طرح واقف ہو چکی تھی ایک ہستی کے نا ہونے سے کئی زندگیاں بے سکونی کی نذر میں آ چکے تھیں اب انھیں عمر بھر ایسے ہی رہنا تھا تبہا اور بے چین۔۔۔



فہمیدہ ناز (کراچی)

اج پھر سے وہی شور تھا کان کے پردے پھاڑ دینے والا۔۔۔ نیسہ کی روتی آواز جس میں آنسو کی نمکین لے شامل تھی۔ منظور کی دھاڑتی آواز۔ جس میں لگے تھے گالیوں کے پھندنے۔ اور بچوں کی ریں ریں۔ ہر دوسرے دن کا تماشا تھا یہ۔ حلائے کو بچہ بھی مسئلہ نہیں تھا۔ منظور اچھا خاصہ کما تھا بڑے بازار میں خوب بڑی سی سبزی کی دوکان تھی جو موقع کی جگہ پر ہونے کی وجہ سے خوب چلتی تھی۔۔۔ بلکہ دوڑتی تھی۔ گھر میں غریبی کے آثار نہیں تھے بلکہ اس محلے میں جہاں ایک وقت روٹی دو وقت فاقے والے گھر بھی تھے وہاں تو یہ گھر خاصہ متمول ہی کہلاتا تھا۔ تین بچوں والی ایٹل فیملی دو بیٹے ایک بیٹی تھی۔ دونوں بڑے تو اسکول بھی جانے لگے تھے۔ بیٹی چھوٹی تھی جو ہر وقت چوسڑا چوسڑا گلوٹھا چوتی واکر میں گھومتی رہتی۔ اتنی معلومات مجھے اس لیے بھی تھیں کہ یہ گھر میرے گھر سے جڑا تھا اور ان گھروں میں دال کے بگھار سے لے کر تورمے کی پیاز روٹی کی سوندھی خوشبو۔ پراٹھے کی لپٹیں۔ مردوں کے خراٹے



کھڑی ہو۔ میری اس محلے میں آنے کی وجہ شاہد کی جاب چھوٹنا تھی جس کی وجہ سے ہمیں گلشن کا تین کروں کا فلیٹ چھوڑ کر لیاقت آباد المعروف لالو کھیت آنا پڑا۔ شائد کی خالہ کا یہ گھر کچھ عرصہ پہلے ہی کرایا داروں نے خالی کیا تھا اور ہماری مجبوری ہمیں یہاں لے آئی۔ جاب تو ملی تھی لیکن ایسے نہیں کے ہم پھر سے گلشن جیسے علاقے میں رہ سکتے۔ بس گزرا کر رہے تھے۔ بچوں کا اسکول بھی دور نہیں ہوا تھا اور یہاں بازار بھی قریب بلکہ یہ تو علاقہ خود ایک بازار تھا بھانت بھانت کے لوگوں کا۔ نسیم سے میری اچھی دوستی ہو گئی تھی بہت پیاری لڑکی تھی میٹرک پاس سلیتہ مند۔ جس کا ثبوت اس کا گھر تھا صاف ستھرا چمکتا دمکتا جگہ جگہ اس کے ہاتھوں کی ہنر کاری اور فن کاری کے نمونے اپنی بہار دکھاتے تھے۔ کھانے بھی ایسے بناتی خالص دہلی والے کے انگلیاں چاٹنے رہ جا۔ لیکن یہ روز روز کے دنگل۔۔۔ منظوری چیخ پکار۔ یہ ایسا لگتا جیسے کسی نے رنگ میں بھنگ ڈال دیا ہو۔۔۔ نسیم جتنی پیاری تھی منظور اتنا ہی بد شکل۔ موٹا کالا ناٹا۔ سبزی کی دوکان پر بیٹھ بیٹھ کر خود ایک گول مٹول سی دکان ہی بن گیا تھا۔ اس کا پیٹ ایک بڑا اسکا دو لگتا تھا اس پر اس کا خڑہ۔ اف جیسے راجیش کھنا کی روح سوار گ میں جانے سے راجیش جی کی ایکٹنگ کی طرح منظور کے جتے میں سگائی تھی۔ اداس راجیش کھنا کی اور کتیں مناجھائی والی۔۔۔ محلے میں بھی حضرت ایسے رہتے جیسے لکھنؤ کے نوابوں کی باقیات۔ ذات کے قصائی تھے لیکن گوشت کا کام پسند نہیں تھا کلبلی سے لٹی۔ پائے سے متلی ہوتی تھی۔ پسندے تو سخت ناپسند تھے۔۔۔ سو سبزی میں ہی سرسبز ہو گئے تھے اب ان کی اکڑنے نیارخ اختیار کر لیا تھا۔ شوقین تو اس قدر تھے کے محلے کے درزی۔ دھوبی۔ دودھ والے۔ غرض ہر والے گھر کا آدھا خرچان کے شوق کے طفیل ہی پورا ہوتا تھا۔۔۔ دوسرا کام ان کا نسیم کو کوٹنا تھا قصاب تو تھے ہی شہر سے لیکن ان کی یہ خاندانی خصلت صرف نسیم کو کوٹ کوٹ کر پوری ہوتی۔ ہر دوسرے دن کبھی سبزی کبھی ہاتھ کبھی ٹانگ کو لیے بیٹھی ہوتی۔ ہماری یعنی میری اور اس کی دو تین محلے کی ہم جو بیویوں کی ہمدردیاں ساری کی ساری اس کے ساتھ تھیں۔ اور ان میں منظور کے ظلم کی طرح دن بدن اضافہ ہی ہو رہا تھا۔۔۔ جب جب ہمارے گھر نسیم کے ہاتھ کے بننے تکے کباب آتے

کباب کھاتے ہوئے اس کی۔ مظلوم معصوم سی شکل سامنے رہتی۔۔۔ پورا محلہ ہی نسیم کا ہمدرد تھا اس میں اس کی اچھی شکل اور عادت دونوں کا ہی ہاتھ تھا۔۔۔ اج تو مارکہ بہت ہی زوردار تھا گھن گرج بھی تھی گرج چمک بھی آخریں مین دروازہ ٹنچ کر ڈھم ڈھم کرتے منظور کے جانے کی آواز۔ اس کے جاتے ہی ہمارا دروازہ دھاڑ سے کھلا اور ہماری مشترکہ سہیلیاں۔ نوشین۔ ریحانہ۔ فریدہ۔ فن کرتی اندر آئیں۔ بس شہلا بہت ہو گیا مر جائے گی کسی دن یہ نسیم آج تو ایسا سر پھاڑا یہ بھل بھل خون بہ رہا تھا ابھی پٹی کر کے آئی ہوں۔۔۔ کیا۔۔۔ میری تو جان ہوا ہو گئی۔ ہاں بس اج تو ہم نے سوچ لیا

وردہ مکاوی

جب اسے ہوش آیا تو پہلے اس نے ارد گرد کا جائزہ لیا۔
 اس شخص کو کہیں یہاں سے چلا جائے مجھے اس کی شکل سے بھی نفرت ہے اسے کہیں میری نظروں سے دور چلا جائے
 اور میرے سامنے کبھی مت آئے۔
 اس شخص پر نظر پڑتے ہی اس نے چلانا شروع کر دیا تھا اور وہ چپ چاپ اسے محبت بھری نظروں سے دیکھتا وہاں
 سے نکلتا گیا۔

چھوڑو مجھے کیوں لے کر آئے ہو یہاں؟ کون ہو تم؟ کیا چاہتے ہو؟ کمرے میں جب اسے کسی کے آنے کا
 احساس ہوا تو اس نے چلانا شروع کر دیا۔



پھر تم مجھے یہاں ایسے اغوا کر کے کیوں لائے ہو بتاؤ؟ تمہیں کیا چاہیے؟ میرے بابا تمہیں سب کچھ دیں گے پر مجھے جانے دو دیکھو میں وعدہ کرتی ہوں تم جو کہو گے وہ تمہیں ملے گا۔ وہ لڑکی اب اسے سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی۔ میں تم سے کچھ نہیں چاہتا تمہیں چاہتا ہوں۔ اس شخص نے مسکراتے ہوئے جواب دیا اور کمرے کی لائٹس ان کر دی اور پھر وہ اسے دیکھتی رہ گئی وہ شخص بے حد خوبصورت تھا لمبا قد چوڑا سینہ سلکی بال جو بکھرے ہوئے اس کے ماتھے پر آ رہے تھے کھڑی مغرونا کر بران بڑی بڑی آنکھیں ہلکی ہلکی شیو اس کی نظریں پلٹنا بھول گئیں تھی دیکھنے میں وہ کافی مہذب اور اچھے گھر کا لڑکا لگتا تھا۔

پر تم ہو کون؟ اور یہ کیسی باتیں کر رہے ہو؟۔ کچھ دیر بعد جب وہ ہوش میں آئی تو پوچھا۔ میں جو بھی ہوں وقت آنے پر پیٹہ چل جائے گا۔ فی الحال مجھے تم سے شادی کرنی ہے۔ وہ چند قدم چل کر اس کے پاس آ کھڑا ہوا۔

ہائیں۔۔۔ یہ ممکن نہیں ہے مجھے جانے دو۔ وہ رونے لگی۔
تو میں ناممکن کو ممکن بنا دوں گا۔ یہ کہہ کر وہ رکا نہیں کمرے سے نکلتا گیا

ارباب صاحب اور سمینہ بیگم کے تین بچے تھے عرشان ارشد اور سب سے چھوٹی سبل عرشان شادی شدہ تھا اور اس کا ایک بیٹا تھا ایمان۔ ارشد پڑھائی کے سلسلے میں ملک سے باہر ہوتا تھا۔ اور سبل سینکڑا ایئر کی سٹوڈنٹ تھی۔ وہ ایک ہونہار سٹوڈنٹ تھی اور سب کی لاڈلی بھی تھی۔ اس کا رشتہ بچپن میں ہی اس کے چچا زاد ہارون سے طے کر دیا گیا تھا۔ جس پر وہ دونوں راضی تھے۔

گڈ مارنگ ماما۔ سبل کالج کے لیے تیار ناشتے کی ٹیبل پر آ بیٹھی
کتنی بار کہا ہے سلام کہا کر وگرنہ نہیں مارنگ مارنگ لگا کر بیٹھ جاتی ہو۔ شمینہ بیگم کو غصہ آیا
اوہو۔۔ ماما میں بھول گئی آئندہ دھیان کرو گی۔ سبل شرمندہ ہوئی

روز ہی تمہارے ڈرامے ہوتے ہیں پتا نہیں کب عقل آئے گی تمہیں۔ شمینہ بیگم نے اسے ڈانٹا
اچھا بھائی بس کرو کتنا ڈانٹوں گی میری معصوم بیٹی کو۔ ارباب صاحب نے بیٹی کی حمایت کی
اپنے کی بگاڑ رکھا ہے اسے۔ شمینہ بیگم الٹا انہیں ہی شروع ہو گئی

اچھا آپ لوگ لڑ لیں میرے کالج کا نام ہو گیا ہے میں چلی۔ سبل ہنستے ہوئے کہہ کر چلی گئی
اب کچھ نہیں کہہ سکتی۔ عقلمند۔۔۔ گھر۔۔۔ شادی۔۔۔ کمال۔۔۔ کمال۔۔۔ کمال۔۔۔

جاء محمداً بن عبد الله بن عبد المطلب كذا

آج سبکل کو غائب ہوئے دوسرا دن تھا ہر جگہ اس کو ڈھونڈ لیا ہسپتال تک چھان مارے۔ پولیس کو انفارم کیا پر کچھ حاصل نہ ہوا اس کے گھر والوں کا پریشانی سے برا حال تھا۔

پتا نہیں کس حال میں ہوگی میری بچی۔ کھانا بھی کھایا ہوگا یا نہیں۔ شمینہ نیگم نے رو رو کر برا حال کر لیا تھا امی چپ کر جائیں وہ ٹھیک ہوگی دیکھیے گا وہ آجائے گی واپس یہ بھی اسکی کوئی شرارت ہی ہوگی۔ اقرانے ساس کو چپ کروانے کی کوشش کی

نہیں میری بچی ایسا مذاق نہیں کر سکتی۔ شمینہ نیگم چپ نہ ہو رہی تھی میں دیکھتا ہوں۔ ڈورنیل بچی تو عریشان کہتا ہوں اٹھ گیا امی ابو آپ سب لوگ یہاں آئیں۔ عریشان حیرت میں تھا سب اس کی طرف دوڑے

دودن بعد آنگنا تمہیں لینے اپنے گھر والوں کو بتا دینا۔ اس نے کارڈ رائیو کرتے ہوئے کہا اور ساتھ ہی اس کا ہاتھ محبت سے تھام لیا۔ وہ ڈری سہمی ہوئی بیٹھی تھی۔

جب اس نے سبکل کو اس کے گھر کے سامنے چھوڑا اور خود گاڑی آگے لے گیا تب سبکل نے ڈورنیل بجائی۔ عریشان نے گیٹ کھولا

امی ابو سب لوگ یہاں آئیں عریشان حیرت میں تھا سب اس کی طرف دوڑے۔ سب گھر والوں نے سبکل کو دیکھ کر سکون کا سانس لیا۔

اور وہ شخص جو تھوڑی دور جا کر گاڑی روک چکا تھا سبکل کے اندر جاتے ہی گاڑی واپس سٹارٹ کر لی۔

دروازہ بند کر دیں بھائی وہ آجائے گا۔ وہ بہت برا ہے۔ میں آگئی آپ سب کے پاس۔ وہ مجھے اپنے ساتھ زبردستی لے گیا تھا۔ سبکل آدھی ادھوری بات کرتی ارباب صاحب کے گلے جا لگی

بابا مجھے خود سے دور مت کیجئے گا میں مرجاں گی دنیا بہت بری۔۔۔ اور پھر وہ ہوش و حواس سے بیگانہ ہو گئی

پچھلے دودن سے سبکل اپنے کمرے میں خاموش بیٹھی تھی۔ رات کو ڈر کے شور مچا دیتی تو کبھی پرسکون سو جاتی سب اسکی کیفیت سے پریشان تھے پرچا نہ تھی وہ ڈری ہوئی ہے۔ دودن میں اسکے سر والے، اسکے کزن اور دوست

اسکے گھر والے اسکا یقین کریں گے۔۔۔ وہ اب بھی انہیں سوچوں میں ڈوبی تھی جب اسے باہر سے آتا شور سنائی دیا۔ وہ اپنے کمرے سے باہر نکلتی تو اسے اندازہ ہوا کہ شور گیراج سے آرہا ہے وہ چند قدم آگے، تو قدم اٹھانا ہی بھول گئی۔ اسکی آنکھوں کے سامنے دو دن پہلے کا وقت آ گیا۔

کیا پکوار حرم علی خان سے نکاح قبول ہے۔

اور اس نے دودن کی ضد اور غصے کو بھول کر ہاں کر دی تھی کیونکہ اب بات اس کے بابا کی عزت پر آ گئی تھی۔ جب وہ دودن مسلسل اس بات سے انکار کر رہی تھی کہ اس نے ارحم سے نکاح نہیں کرنا تو آخر کار ارحم نے آخری کوشش کی تھی جس میں وہ کامیاب ہو گیا تھا۔

اگر تم نے شادی کیلئے ہاں نہیں کہا تو میں تمہارے بابا کو کہیں منہ دکھانے کے لائق نہیں چھوڑوں گا میں تمہیں بدنام کر دوں گا۔ ارحم نے اسے ڈرایا اور وہ اپنے بابا کی عزت کے لیے مان گئی۔

میں تم سے کچھ پوچھ رہا ہوں سہل۔ ارباب صاحب نے سہل کو جھنجھوڑا تو سہل حال میں واپس آ گئی
کیا یہ شخص تمہارا شوہر ہے؟ کیا تم نے اس سے نکاح کر لیا ہے؟ ارباب صاحب نے اپنا سوال دہرایا
جی وہ میں آپ کو بتانے والی۔۔۔۔۔۔ اور ایک زوردار تھپڑ اس کے منہ پر پڑا

نکل جا اس گھر سے کس چیز کی کمی دی تھی جو اس طرح منہ کالا کر کے آگئی ہو۔ ارباب صاحب بول رہے تھے اور وہ بے یقینی سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

نہیں بابا یہ سچ نہیں ہے میں بتاتی ہوں سچ کیا ہے میرا یقین کریں۔ سچل انہیں سب سچ بتانا چاہتی تھی پر انہوں نے رخ موڑ لیا

اما آپ تو یقین۔۔۔۔۔ اسکی ممانے بھی ہاتھ کے اشارے سے اسے چپ رہنے کو کہا
بس کرو سچل نکل جاویہاں سے مرگی تم ہم سب کے لئے۔ شمینہ بیگم نے بھی منہ موڑ لیا

بھائی بھابی وہ سب کے سامنے ہاتھ جوڑے یقین دلانے کی کوشش کر رہی تھی۔ پر کوئی سننے کو تیار نہیں تھا۔ ارے انکل آپ غلط سمجھ رہے ہیں بجل ٹھیک۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ارحم کچھ کہتا اس سے پہلے انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے روک دیا

اب تم ہمیں سمجھا گے تم دو کوڑی کے لڑکے تم ہو کون۔ ارباب صاحبِ ارحم کی طرف بڑھے۔
بھائی صاحب میں جانتی ہوں میرے بیٹے نے بہت بڑی غلطی کی ہے پر ہم بھل کو لینے کے لیے آئے ہیں میں تو

تم نے تو مجھے ڈرا ہی دیا تھا۔ اور رہی بات تمہارے بھائی کو سزا دینے کی وہ تو میں ضرور دوں گی۔ اور تم حکم کرو میں یہاں سے نکل کر کیا کروں۔ سچل فی مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

آپ اس کمرے سے نکل کر باہر آئیں ہمارے ساتھ بیٹھیں باتیں کریں آپ کو اچھا لگے گا ہم بڑے لوگ نہیں ہیں۔ بڑے تو ارحم بھائی بھی نہیں ہیں بس ایک غلطی وہ آپ کی محبت میں کر بیٹھے ہیں۔ عریشہ نے وضاحت کی۔ اچھا چھوڑو کچھ اور بتا۔ سچل نے بات بدلنا چاہی۔

اور ہاں یاد آیا۔ بھائی نے کہا ہے اگر آپ اپنی پڑھائی دوبارہ شروع کرنا چاہیں تو کر سکتی ہیں۔ اریشہ نے بھائی کا پیغام اسے دیا

نہیں اریشہ اب دل نہیں چاہتا کچھ بھی کرنے کو ایک خوف سا ہے دل میں۔ سچل کو دیکھتے ہوئی اچھا اچھا مت جائیں پر موڈ ٹھیک رکھیں اور باہر آ جائیں

وہ دونوں ہال کمرے میں آئیں تو ارحم خدیجہ بیگم اور علی صاحب بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ سچل کو دیکھتے ہی ارحم معذرت کرتا اٹھ گیا کیونکہ وہ اسے مزید پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا اس لئے اس کے سامنے کم آتا۔ اس نے اپنا سامان بھی دوسرے کمرے میں شفٹ کر لیا تھا اور سچل ارحم کے کمرے میں رہنے لگی تھی۔

سچل آہستہ آہستہ یہاں ایڈجسٹ ہونا شروع ہو گئی تھی۔ کبھی وہ گھر کے کاموں میں حصہ لیتی نظر آتی تو کبھی خدیجہ بیگم یا اریشہ سے باتیں کرتی۔ اسے گھر کے کام نہیں آتے تھے تو اس نے خدیجہ بیگم سے کوئنگ سیکھنا سناٹ کر دیا تھا۔ ارحم اس کی خبر ضرور رکھتا تھا پر اس کے سامنے نہیں آتا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا سچل اس کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی وہ مطمئن تھا کہ سچل خوش رہنے لگی ہے اور اسے امید تھی کہ سچل ایک دن اسے ضرور معاف کر دے گی۔

وہ رات کے کھانے سے فارغ ہو کر کمرے میں آئی اور تھوڑی دیر میں سو گئی اور دوبارہ اس کی آنکھ کسی احساس کے تحت کھلی تو پہلے وہ چونکی اور پھر سمٹ کر بیڈ کی دوسری طرف ہو گئی اس کی آنکھوں میں خوف تھا۔

ڈرومٹ میں تھیں کچھ نہیں کہوں گا یا رقیقین مانو میں بندے نہیں کھاتا۔ تمہارے جاگتے ہوئے تو میں تمہیں نہیں دیکھ سکتا کیونکہ تم نے مجھے اپنے سامنے آنے کی اجازت نہیں دی پر میں سوتے ہوئے تمہیں دیکھ سکتا ہوں اور بہتر ہے مجھے مت روکنا۔ اس کے جاگتے ہی ارحم صوفے سے اٹھا اور چہرہ دوسری طرف کر کے تفصیل بتائی اور بنا اس پر نظر

سائنس لیا اور واپس سونے کے لئے لیٹ گئی۔

علی صاحب اور خدیجہ بیگم کے دو بیٹے بچے تھے ارحم اور اریشہ۔ انہوں نے اپنے بچوں کی تربیت بہت اچھے سے کی تھی وہ بہت ہی سلجھے ہوئے اور مہذب تھے۔ اریشہ ارحم کی لاڈلی تھی ارحم بچپن سے اس سے بہت محبت کرتا تھا اور اسکی ہر خواہش پوری کرتا تھا اور اس لئے اریشہ اپنی ہر فرمائش لے کر بھائی کے پاس جاتی تھی۔

ارحم بچپن سے ہی ہونہار سٹوڈنٹ تھا اسنے پڑھائی کے ہر میدان کو فتح کیا مگر اس میں غرور نام کی کوئی چیز نہ تھی تعلیم مکمل کرنے کے بعد اسنے اپنے بابا کا بزنس سنبھالا اور اسے کہاں سے کہاں پہنچا دیا یہ اسکی دن رات کی محنت تھی کہ اسکے بابا اس پر فخر کرتے تھے ارحم نے انکا چھوٹا سا بزنس نہ صرف پاکستان میں بلکہ اور کئی بڑے ملکوں میں پھیلادیا تھا اور اس میدان کو بھی فتح کر لیا۔

وہ اس وقت اپنے آفس میں بیٹھا کسی فائل میں گم تھا جب موبائل کی رنگ پر سرائیا
السلام وعلیکم مہما۔ ارحم نے ماں کا نمبر دیکھتے ہی بس کر کے کان سے لگایا
وعلیکم سلام۔ انہوں نے جواب دیا

خیریت مہما آپنے اس وقت یاد کیا۔ ارحم نے پوچھا

ہاں اگر تم فری ہو تو اریشہ کو کالج سے لے آؤ رانیور کسی کام سے گیا ہوا ہے اور وہ انتظار کر رہی ہوگی۔ انہوں نے اپنی پریشانی بتائی جی مہما میں ابھی جاتا ہوں۔ وہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

جب وہ کالج کے باہر پہنچا تو اسکی نظر سٹریپر بڑی بلیک عیابا اور چہرے کے گرد فاسٹ سے لپیٹا۔ کارف اسے مزید خوبصورت دکھارہا تھا اور اوپر سے وہ کسی دوست سے ہنس کر باتیں کر رہی تھی اور بے حد پیاری لگ رہی تھی۔ ارحم جو کسی لڑکی کو دیکھتا ہی نہیں تھا وہ اس لڑکی پر دل و جان سے فدا ہو گیا۔ اور اسنے میں اریشہ گاڑی میں آ بیٹھی۔

کیا دیکھ رہے ہیں بھائی۔ اریشہ نے ارحم کے سامنے چٹکی بجا ئی۔

یہ لڑکی کون ہے۔ ارحم بس اتنا کہہ پایا

یہ ہماری سینئر ہے اور آپ تو اسے گھوریں مت۔ کسی لڑکے کو بھی گھاس نہیں ڈالتی کالج کا ہر لڑکا اسکے لئے مرتا ہے پر یہ کبھی آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتی اور سننے میں آیا ہے یہ ہے بھی اینگیجڈ۔ اسکی دوستی صرف دو لڑکیوں سے ہے ان سے باتیں کرتی ہے ورنہ زیادہ وقت پڑھتی نظر آتی ہے۔ مجھے تو لگتا ہے پڑھ پڑھ کر پاگل ہو جانا ہے اسنے۔ اریشہ نے

تفصیلات پر توجہ نہ کی بلکہ

میرا مشورہ ہے یہ لڑکی تیری پہنچ سے دور ہے کیوں کہ وہ مگنی شدہ ہے۔ میری بات مان اسے انگو اکر لے یہ بھگا کر لے جا۔ اور وہ تیرے ساتھ بھاگے گی تو نہیں تو بچا ایک ہی راستہ اس بارے میں سوچ لے۔ اسکے دوست نے بات مزاق میں اڑادی پر ارحم کے دماغ میں یہ بات گھر کر گئی۔

کچھ ہی دنوں میں ارحم اس نتیجہ پر پہنچ گیا کہ اسے کیا کرنا ہے اور اسے بھل کو انگو اکر لے کا پلین بنایا۔

پہلے کچھ دن وہ بھل کا چھچکا کرتا رہا۔ وہ کہاں جاتی ہے کیا کرتی ہے۔ پھر ایک دن اسے بھل کو انگو اکر لیا اور اپنے دوسرے گھر میں بند کر دیا۔ جب بھل کسی بھی بات پر شادی کے لئے نامانی تو اسے اسے اسکے بابا کی عزت کی دھمکی دی جس پر بھل ڈر گئی اور ہاں کر دی۔ بعد میں جب ارحم بھل کو گھر چھوڑ کر گیا تو اسے اپنے گھر کچھ نہیں بتایا۔ اگلے روز وہ آفس سے آیا تو سیدھا خدیجہ بیگم اور علی صاحب کے پاس گیا اور انہیں ساری بات بتادی اور انہوں نے ڈانٹ کر اسے واپس بھیج دیا۔ خدیجہ بیگم ارحم پر شدید ناراض ہوئی۔

پر علی صاحب نے انہیں سمجھایا کہ جو ہوا گیا اسے بدلہ نہیں جاسکتا۔ مگر آپکو اس لڑکی کے گھر جانا چاہیے ان لوگوں کی عزت کا سوال ہے۔ آپ جا کر پہلے انکی والدہ سے بات کر لیں پھر اگلی مرتبہ ہم سب ساتھ چلیں گے۔ اور خدیجہ بیگم انکی بات سے اتفاق رکھتے ہوئے ارحم کے ساتھ بھل کے گھر چلی گئیں۔

پپی برتھ ڈے ٹو یو پپی برتھ ڈے ٹو ڈیئر بھل رات 12 بجے اسکی آنکھ ان آوازوں سے کھل گئی اور سامنے سب کھڑے اس کو دعائیں دے رہے تھے اور وہ اٹھ کے بابا کے گلے لگ گئی وہ ہر سال اس کی سالگرہ مناتے تھے

بابا میرا گفٹ۔ بھل نے بابا سے گفٹ مانگا تو انہوں نے اسے دے دیا اس نے باری باری سب سے گفٹ لیے اور ایک کانٹے لگی پھر اس نے سب کو ایک کھلایا وہ بہت خوش تھی بہت خوش اور ایک دم اس کی آنکھ کھل گئی اس کے ارد گرد کوئی بھی نہ تھا۔ وہ خواب دیکھ رہی تھی

یہ سب چہرے اس کے سامنے دوبارہ کبھی نہیں آنے والے تھے کیونکہ بھل ان کے لیے مرچکی تھی وہ بکیے میں منہ چھپا کہ رونے لگی۔ آج پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ اس کے ساتھ کوئی بھی نہیں تھا پہلی بار وہ اپنی سالگرہ نہیں منانا چاہتی تھی وہ بھول جانا چاہتی تھی اس تاریخ کو اور پرانی یادوں کو پروہ بھلا نہیں پارتی تھی وہ رات سے صبح تک روتی رہی اور خود کو سمجھاتی رہی کہ اب وہ سب نہیں ہوگا جو پہلے ہوتا تھا فجر کی اذان تک وہ روتی رہی پھر اٹھی اور نماز پڑھی اور دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے

یا اللہ پاک میں جانتی ہوں میرے ساتھ جو بھی ہوا اسی میں میری بہتری ہوگی جو کبھی نہ کبھی مجھے پتا چل جائے گی لکھنا

قسمت تو اسی شخص کے ساتھ جڑ چکی ہے مجھے راستہ دکھا میرے مولا مجھے راستہ دکھا۔ دعا مانگتے مانگتے اس کے آنسو زار و قطار بہہ رہے تھے اور وہ خدا سے مانگ رہی تھی۔

بھائی آپ آفس جانے سے پہلے مجھے گفٹ شاپ تک لے جائیں مجھے ڈرائیور کے ساتھ نہیں جانا۔ ارحم امی ابو سے باتیں کر رہا تھا جب اریشہ نے آکر کہا کیوں کیا کرنا ہے تم نے۔ ارحم کی بجائے خدیجہ بیگم بولیں مجھے گفٹ لینا ہے بھابھی کے لیے۔ اس نے سرسری سا جواب دیا "کیوں؟"۔ ارحم نے تشویش سے پوچھا۔

کیوں کیا مطلب مجھے گفٹ لینا ہے ان کا برتھ ڈے ہے.. اریشہ نے وضاحت کی.. تو تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا۔ ارحم نے عریضہ کو گھورا مجھے لگا آپ جانتے ہو گئے۔ اریشہ نے جواب دیا ہم اس کے لیے سرپرائز پلین کرتے ہیں وہ خوش ہوگی۔ ارحم نے مشورہ دیا..... پر ارحم تم کیسے..... خدیجہ بیگم کچھ کہنا چاہتی تھی پر ارحم نے روک دیا.. ماما آپ فکر نہیں کرنیں شام کو اسے کہیں باہر لے جائے گا ہم باقی سب کام کر لیں گے۔ ارحم نے جواب دیا...

شام کو خدیجہ بیگم اسے اپنی سہیلی کے گھر لے گئیں اور جب واپس آئیں تو گھر اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا ارے اندھیرا کیوں ہے سب کہاں چلے گئے محل سنبھل سنبھل کر قدم رکھتی اندر چلی آئی.. اور گھر ایک دم روشن ہو گیا پپی برتھ ڈے ٹوپو پپی برتھ ڈے ڈیسرنگل..

ارے آپ سب کو کیسے پتا کہ آج..... محل کی آنکھوں میں آنسو آ گئے بھابی کالج میں آپ کی فرینڈز نے بتایا تھا.. عریضہ نے وضاحت کی..... پر تم نے تو نہیں بتایا ہمیں اتنا وقت گزر گیا تم ہمیں اپنا نہیں سمجھتی.. خدیجہ بیگم نے اس سے شکوہ کیا نہیں ایسی بات نہیں ہے میں بس یہ دن نہیں منانا چاہتی.. پر آپ لوگوں نے یہ دن میرے لئے یادگار بنا دیا یہ دن میں کبھی نہیں بھولوں گی تھینک یو..... محل خدیجہ بیگم کے گلے لگ گئی

پروہ بجل کچھ کہنا چاہتی تھی

ہاں بھابھی مجھے بھائی نے بتانے سے روکا ہے پر میں پھر بھی پتا دیتی ہوں کہ یہ سب بھائی نے کیا ہے.... پر آپ نے انھیں سامنے آنے سے روکا ہے تو وہ آپ کے آنے سے پہلے ہی اپنے کمرے میں چلے گئے اور یہ گفٹ دے گئے۔

اریشہ نے ساری بات بتادی

چلو چھوڑو بھء اب ایک کھلا دو..... علی صاحب نے بات کا رخ موڑا۔

سنو اریشہ بجل نے کچھ سوچتے ہوئے اسے بلایا

جی بھابی اریشہ نے جواب دیا۔

یہ اپنے بھائی کو دے آ اور کہنا کہ جب کسی کو گفٹ دینا ہو تو خود دینا چاہیے دوسروں کے ہاتھ نہیں بھیج دینا چاہیے وہ خود آ کر دیں گے تو میں لے لوں گی۔ بجل نے سنجیدگی سے کہا

اور اریشہ وہ لے کر بھاگتی ہوئی ارحم کے کمرے میں گئی اور اسے ساری بات بتائی تھوڑی دیر بعد ارحم ہال روم میں آتا ہوا دکھائی دیا۔

یہ لو تمہارا گفٹ۔ ارحم نے آتے ہی اسے تھما دیا

تھینک یو۔ بجل نے بنا نظر اٹھائے گفٹ لے لیا

چلیں اب کیک کی باری اریشہ جلدی سے بولی

تو بجل نے کیک کاٹ کر باری باری سب کو کھلایا ارحم کی باری آئی تو اسے پلیٹ میں رکھ کر دے دیا تو ارحم کے ساتھ ساتھ باقی سب بھی مسکرا دیے

اب بجل نارمل ہونے لگی تھی ارحم کے ساتھ بات تو وہ اب بھی نہیں کرتی تھی پر جب وہ آتا تو اٹھ کے کمرے میں نہیں چلی جاتی تھی بلکہ وہیں بیٹھی رہتی تھی۔ ارحم خوش تھا کہ وہ بدل رہی ہے۔ اور اسے امید تھی کہ وہ اسے معاف کر دے گی ماما۔ آجکل موسم کچھ بدلہ بدلہ نہیں ہے۔۔۔ ارحم نے بجل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا

ارحم باز آ میری بیٹی کو تنگ مت کیا کرو۔۔۔ خدیجہ بیگم نے اسے گھورا۔

ماما میں نے کب تنگ کیا۔۔۔ تنگ تو محترمہ مجھے کر رہی ہیں ایک چھوٹی سی غلطی کی اتنی بڑی سزا۔۔۔ اب مجھے محبت ہو جو کتنی تھی تو میں کیا کر سکتا تھا۔ بجل ٹی وی دکھ رہی تھی اور ارحم جانتا تھا وہ اسکی باتیں نہیں سن رہی۔

جس غلطی نہ تھی نہ بگ نہ کچھ نہ تھا نہ خدیجہ بیگم نے اسکی باتیں نہیں سن رہی۔

خفا رہنا بھی کوئی تم سے سیکھے
کیسے ادائیں دیکھاتی ہو
نظریں جھکا کر اٹھاتی ہو
اور جان لے جاتی ہو۔

ارحمن نے یہ شعر بولا جو کہ سچل نے سن لیا تھا پر بنا کچھ بولے وہاں سے چلی گئی۔
ارحمن مت کیا کرو ایسے اسکے ساتھ وہ اب ہی تو بدلنے لگی ہے۔ خدیجہ بیگم نے اسے گھر کا
وہ بدلنے لگی ہے تبھی تو ایسے کرتا ہوں۔ اپنے اسکی آنکھوں میں میرے لئے شکوے دکھے تھے۔ ماما سننے بنا کہے مجھ
سے شکوہ کیا ہے۔ میں بہت خوش ہوں ماما وہ بدل رہی ہے۔ میں بہت خوش ہوں۔ ارحمن ماں کے گلے لگ گیا۔
خدا تمہیں ہمیشہ خوش رکھے میرے بچے۔ پر تمہیں اس سے معافی مانگنی چاہیئے۔ خدیجہ بیگم نے اسے سمجھایا۔
اچھا ماما میں ضرور معافی مانگ لوں گا۔ ارحمن بے حد خوش تھا وہ سچل کے لئے کچھ بھی کر سکتا تھا۔

سچل بال روم میں بیٹھی کوئی مووی دیکھ رہی تھی سب گھر والے سوچکے تھے اسے وقت کا اندازہ ہی نہیں تھا وہ مووی دیکھنے
میں اتنی مصروف تھی کہ اچانک کسی آہٹ پر چونک کر پلٹی تو پیچھے ارحمن کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ ابھی آفس سے آیا تھا
اباں کوئی مووی دیکھی جا رہی ہے جناب۔ ارحمن دوسرے صوفے پر بیٹھ گیا

آپ کب آئے مجھے پتا ہی نہیں چلا سچل گڑبڑا گئی
ابھی جب تم مووی دیکھنے میں مصروف تھی اور بیحد پیاری بھی لگ رہی تھی۔ ارحمن نے آنکھ دبائی
جی۔۔۔۔۔ سچل نے نا سچھی میں اسے دیکھا

کچھ نہیں ماما سو گئی ہیں۔۔۔ ارحمن نے ہنسنے ہوئے بات بدلی
جی شاید۔۔۔۔۔ مجھے پتا ہی نہیں کب سب چلے گئے۔۔۔۔۔ آپ فریش ہوں میں کھانا لگاتی ہوں۔ سچل نے فرار کی
راہ سوچی

نہیں میں خود لے لوں گا تم پریشان مت ہو۔ ارحمن نے اسے روکا
کوئی بات نہیں میں لگا دیتی ہوں۔ وہ کہہ کر اٹھ گئی
تھوڑی دیر بعد ارحمن فریش ہو کر آیا تو وہ کھانا لگا چکی تھی۔

تھک یو ارحمن نے اسے دیکھتے ہوئے کہا

کہ نہیں سچا کہ کب لگ

جی بولیں۔ سبج روک گئی

مجھے معاف کر دو میری ہر غلطی کے لئے میں جانتا ہوں میں نے تمہیں بہت ہرٹ کیا ہے پر مجھے اس وقت کچھ سمجھ نہیں آیا تھا کہ میں کیا کروں۔۔۔ ارحم نے اسکا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا
میرا ہاتھ چھوڑیں۔ سبج نے اسکی بات کا کوئی جواب نادیا

پر سبج میری بات تو سنو۔۔۔ ارحم اسے سمجھانا چاہتا تھا پر سبج ہاتھ چھڑا کر وہاں چلی گئی اور اپنے روم میں جا کر دروازہ بند کر دیا۔ اور وہیں بیٹھتی چلی گئی۔ وہ اپنے دل کی کیفیت سمجھ نہیں پا رہی تھی یا شاید سمجھنا نہیں چاہ رہی تھی۔

آجکل سبج اپنی کیفیت نہیں سمجھ پا رہی تھی۔ ہر وقت اسے ارحم کا خیال رہتا۔ وہ خود کو سمجھاتی کہ مجھے اس بارے میں نہیں سوچنا پڑا لگی، بلکہ وہ پھر اسکے بارے میں سوچنے لگ جاتی۔ اسے ارحم کی باتیں سننا اچھا لگتا تھا۔ ارحم گھر میں کسی سے بات کر رہا ہوتا یا فون پر وہ اسے سنتی رہتی۔ اریشہ سے بھی ارحم کی باتیں کرتی رہتی۔ ارحم کی پسند ناپسند پوچھتی۔ وہ ارحم کے بارے میں سب کچھ جانتا چاہتی تھی۔ اور جب اسے جاننے لگی تو اسے پسند کرنے لگی وہ اسے اچھا لگنے لگا تھا۔

وہ چاہتی تھی ارحم اس سے بات کرے پر ارحم کی طرف سے فلحال خاموشی تھی۔ اور وہ خود سے بات کرنا نہیں چاہتی تھی۔ اور ارحم اسے مزید وقت دے رہا تھا اس رشتے کو قبول کرنے کے لئے۔ اور سب آہستہ آہستہ اس رشتے کو قبول کرنے لگی تھی۔ شاید اسے ارحم سے محبت ہونے لگی تھی پر وہ یہ بات ماننے سے انکار کر رہی تھی۔

وہ رات کے کھانے کے بعد اپنے کمرے میں آئی اور وضو کر کے عشا کی نماز پڑھنے لگی نماز سے فارغ ہو کر اٹھی تو ارحم اسے دیکھ رہا تھا وہ مسکرا دی۔

آپ کب آئے۔ مجھے پتا ہی نہیں چلا۔ کوئی کام تھا آپکو۔ اسکا لہجہ پہلے سے بہتر اور نرم تھا
مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے۔ ارحم نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ بیٹھ گئی
جی بولیں میں سن رہی ہوں۔ سبج نے مختصر جواب دیا

سبج مجھے سمجھ نہیں آ رہی میں بات کہاں سے شروع کروں۔۔۔۔۔ میں نے تمہیں اریشہ کے کالج کے باہر دیکھا تھا۔ بعد میں پتا چلا تم بھی وہاں پڑھتی ہو۔ تم اسی دن اسی پل میرے دل میں گھر کر گئی تھی۔ میں وہ لڑکا تھا جسے لڑکیاں کبھی کبھار سمجھ نہ لگتے تھے۔ تمہیں سبک دینا چاہتا تھا۔ میں نے تمہیں سبک دینا چاہا تھا۔

کیا ہے اور میں معافی کا حق دار بھی نہیں ہوں پر اب میں تمہاری ناراضگی نہیں سہہ پاؤں گا مجھے معاف کر دو۔ تم چاہو تو میں تمہیں ڈائیورس دے دیتا ہوں اور تمہیں تمہارے گھر عزت سے چھوڑ آؤں گا اور تم پر لگا ہر داغ مٹا دوں گا۔ پر تم ایسے نارہم ہو۔ میں جانتا ہوں میں نے غلط کیا ہے اور تم سے معافی مانگنے میں بھی دیر کر دی۔ تم جو کرنا چاہو کر تم جو فیصلہ لوگی مجھے منظور ہے میں تمہارے جواب کا انتظار کروں گا۔ ارحم نے نظریں جھکا کر بات کی اور جب سب کو دیکھا تو وہ رو رہی تھی وہ اٹھ کر اس کے پاس آ کر بیٹھا تو سب نے دیکھ کر ہنس دی۔

”سبھی کیا رکھا ہے اپنے مجھے جب دل کیا کھلوانا سمجھ کر خرید لیا اور جب دل کیا اسے توڑ کر پھینک دیا۔ آپ ہر بار اپنے بارے میں کیوں سوچتے ہیں کسی اور کے بارے میں کیوں نہیں سوچتے۔ آپ کو صرف اپنی فکر ہے دوسروں کی نہیں۔ پہلے آپ نے مجھ سے زبردستی شادی کی مجھے سب کے سامنے برا ثابت کیا مجھے یہاں لائے پھر اچھے بنتے رہے اور اب۔۔۔۔۔ اب جب مجھے آپ سے محبت ہو گئی ہے تو آپ مجھے یہ سب کہہ رہے ہیں کہ میں فیصلہ کر لوں۔۔۔۔۔ میں۔۔۔۔۔ میں ڈائیورس لے لوں۔۔۔۔۔ بہت خوب کھیل کھیلا ہے آپ نے۔۔۔۔۔ بہت ہی عمدہ کھلاڑی نکلے آپ۔۔۔۔۔ ارحم میرے لیے ہر در بند کر دیا آپ نے مجھے در در بھٹکانے کے لئے اب آپ مجھے ڈائیورس دیں گے۔۔۔۔۔ ٹھیک ہے دے دیں مجھے ڈائیورس میں چلی جاؤں گی یہاں سے پر۔۔۔۔۔ پہلے میرے دل سے اپنی محبت کو نکالیں اور مجھے یہ جواب دیں کہ آخر کونسا گناہ کیا تھا میں نے آپ کا جس کی آپ نے مجھے اتنی بڑی سزا دی میرے ساتھ اتنا کچھ کر ڈالا۔۔۔۔۔ سب روتے ہوئے بات کرتے کرتے زمین پر بیٹھتی چلی گئی۔۔۔۔۔ سب مل کر مت رو۔۔۔۔۔ مجھے معاف کر دو میں ایسی بات دوبارہ کبھی نہیں کروں گا میں شرمندہ ہوں تم سے۔۔۔۔۔ یہاں بیٹھو۔۔۔۔۔ اسے زمین سے اٹھا کر صوفے پر بیٹھاتے ہوئے ارحم نے کہا۔۔۔۔۔

اچھا اب رونا تو بند کرو جان لوگی کیا میری سوری کر تو رہا ہوں یا رمان جا۔۔۔۔۔ ارحم نے اسے گلے سے لگاتے ہوئے کہا تو وہ روتے روتے ہنس دی۔۔۔۔۔

سب اور ارحم آپس میں آہستہ آہستہ نارمل ہو گئے سب خوش تھی کہ جن حالات میں ہی سہی مگر اسے ایک اچھا ہم سفر مل گیا تھا بس اسے اس بات کا دکھ تھا کہ اس کے والدین اور بھائیوں نے اس کا ساتھ نہیں دیا وہ اکیلے میں اس بات پر روتی تھی پر ارحم کو اس بارے میں کچھ نہیں کہتی پر رحم جانتا تھا وہ کس کیفیت سے گزر رہی ہے وہ اسے تمام خوشیاں دینا چاہتا تھا جس کی وہ حق دار تھی وہ جانتا تھا کہ سب کچھ بھی اس سے شکوہ نہیں کرے گی اور وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اس کے اور اس کی فیملی کے درمیان دیوار کھڑی کرنے والا وہ خود تھا اس لئے وہ یہ سب کچھ ٹھیک کر دینا چاہتا تھا

ہم اسے کیا منہ دکھائیں گے یہ ہم نے کیا کر دیا۔ وہ رونے لگے
 اب رونے کا کوئی فائدہ نہیں جو ہونا تھا ہو گیا اب آپ کو اس کے پاس اس کو منانے جانا چاہیے۔ ارحم نے سمجھایا
 ہاں مجھے ابھی لے چلو ہم سب جائیں گے، وہ اٹھ کھڑے ہوئے
 نہیں ابھی نہیں میں آپ کو کل لے کر جاں گا۔ ارحم نے انہیں روکا
 پر کیوں ابھی وہ کچھ کہنا چاہتے تھے
 تھوڑا صبر کریں پھر لے جاں گا۔ ارحم نے جواب دیا..

 آج سچل اور ارحم کی شادی کو ایک سال ہو گیا تھا اور اب وہ دونوں بہت خوش تھے ایک ساتھ ..
 ارحم سنیں ارحم آفس کے لیے تیار ہو رہا تھا جب سچل کمرے میں آئی
 "جی فرمائیے بیگم میں سن رہا ہوں " ارحم نے ٹائی کی ناٹ باندھتے ہوئے جواب دیا..
 آج آپ آفس نہ جائیں۔ سچل نے بچوں کی طرح کہا
 کیوں آج کیا میرا نکاح ہے جہاں تک مجھے یاد ہے میں اپنے نکاح والے دن بھی آفس گیا تھا۔ ارحم نے کندھوں سے
 پکڑتے ہوئے جواب دیا..
 اچھا جائیں وہ کہتی غصے سے مڑ کر جانے لگی۔
 رکو۔۔۔ میں شام کو جلدی آ جاں گا ایک ضروری کام سے جانا ہے .. پلیز جانے دو تم ایسے ناراض ہو گی تو میرا دل نہیں
 کرے گا... ارحم نے اسے بازو سے پکڑ کر روکا
 اوکے اب جائیں... وہ مانگے تو ارحم اسے پیار سے دیکھتا آفس چلا گیا۔۔۔۔
 ہونہہ جائیں آفس... جناب کو آج کا دن ہی یاد نہیں۔ اب آئیں گے تو وہ بڑبڑا رہی تھی پر جب نظر بیڑ پر پڑی
 تو خاموش ہو گئی۔

"مجھے آج کا دن اچھے سے یاد ہے میری پیاری بیگم اور شام کو آپ کے لیے ایک سرپرائز ہے میرے پاس.. آپ شام
 تک میرا ویٹ کریں "۔ بیڈ پر پھولوں کے ساتھ ایک چٹ پڑی تھی۔ سچل پڑھ کے مسکرا دی اور شام کا انتظار کرنے لگی۔

 شام کو جب ارحم آفس سے آیا تو سچل اپنے کمرے میں تھی..

"اب یہ منہ کیوں بنا ہے اب میں نے کیا کیا ہے بھائی"۔ "ارحم مسکراتے ہوئے اسکی گود میں لیٹ گیا۔
 "جائیں یہاں سے، بچے ہیں جو میری گود میں لیٹے ہیں میں آپ سے ناراض ہوں" سبیل نے ناراضگی ظاہر کی۔
 "چلو اگر ناراض ہو تو میں سر پرانز کینسل کر دیتا ہوں، ویسے تھا بہت اچھا۔ چلو جیسی تمہاری مرضی"۔ "..... ارحم نے
 کندھے اچکائے

"میں صبح سے ویٹ کر رہی ہوں جلدی سے بتائیں کیا سر پرانز ہے" اسنے جھٹ سے لہجہ بدلا
 "دیکھو گی" ارحم نے پوچھا تو اس نے بچوں کی طرح سر کو جنش دی
 "اچھا آ چلو" ارحم جھٹکے سے اٹھا اور اسے بھی اٹھایا
 "پر کہاں" سبیل حیران ہوئی۔

"سوال مت کرو اور آنکھیں بند کرو" ارحم نے اس کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ دیا۔ اور جب باہر جا کر ہاتھ ہٹایا تو سبیل کی
 آنکھوں میں بے یقینی تھی اور پھر آنسو آ گئے
 "بابا" وہ روتے ہوئے ان کے گلے جا لگی
 "سبیل بیٹا بس کرو اور کتنا رگی" سبیل کئی لمحوں سے ان کے گلے لگی رو رہی تھی تو خدیجہ بیگم بولیں.. پھر وہ باری باری
 سب سے ملی وہ تمام گلے شکوے بھول گئی
 "پر آپ سب یہاں"۔ "..... سبیل کچھ کہنا چاہتی تھی

"ہمیں ارحم نے کل سب کچھ بتا دیا تھا ہم بہت شرمندہ ہیں۔ اور ہم کل ہی آنا چاہتے تھے پر ارحم تمہیں آج سر پرانز
 دینا چاہتا تھا تو آج لے آیا ہمیں" شمیمہ بیگم نے وضاحت دی
 "ارحم" سبیل نے بے یقینی سے اسے دیکھا

"اب کیا تم مجھے اتنا لا پرواہ سمجھتی ہو کہ تم راتوں کو اٹھ اٹھ کر روتی ہو اور مجھے پتا ہی نہیں میں سب جانتا تھا اور میں تمہیں
 ہر خوشی دینا چاہتا تھا۔ اب بتا کیسا لگا میرا سر پرانز" ارحم نے آنکھ دبا دی

"بہت اچھا..... میں بہت خوش ہوں پر میں شکریہ نہیں کہوں گی کیونکہ یہ سب کیا بھی آپ نے ہی تھا" سبیل ارحم کو
 چھیڑتی بابا کے پاس جا بیٹھی تو سب مسکرا دیئے اور ارحم سبیل کو محبت بھری نظروں سے دیکھتا رہا وہ بہت خوش تھا کیونکہ
 سبیل خوش تھی۔ اسکی خوشیاں اس لڑکی سے جو جڑی تھیں۔

غزل

نعت جب سے لکھی ہے کاغذ پر
مستقل روشنی ہے کاغذ پر
محمد ندیم قاصر (اوج شریف)

نور ہی نور ہے مدینے میں
دلکشی دلکشی ہے کاغذ پر
کل شب تو میں سویا بھی نہیں
تیری یاد میں رویا بھی نہیں

بعد مرگ حیات دو روزہ
اک نئی زندگی ہے کاغذ پر
حوصلہ دیکھ اب تو میرا
لگتا ہے جیسے کچھ کھویا بھی نہیں

اعتبار حروف مل جائیں
فکر تک کاغذی ہے کاغذ پر
میں نے کاٹی ہے وہ فصل بھی
جو بیچ کبھی بویا بھی نہیں

میں نے کچھ بھی نہیں لکھا اس نے
جو بھی بخشا وہی ہے کاغذ پر
داغِ محبت اچھا لگا ایسا کہ
پھر عمر ساری دھویا بھی نہیں

ذکر محبوب اس کو پیارا ہے
اس کی ہی بندگی ہے کاغذ پر

قاصر کیسا بے مروت ہے تو
میں مر گیا تو رویا بھی نہیں
سارے لفظوں کو چوم لو زریاب
نعتیہ شاعری ہے کاغذ پر

امید لیے، سرحد پہ کھڑے جاننا زسپاہی تو ہم ہیں
 بندوق لیے، من تانے کھڑے اس حق کے مجاہد تو ہم ہیں
 دل زندہ کر کے رکھنا ہے
 امید کو باندھے رکھنا ہے
 جو ہم پہ ہو کسی بھی نظر
 اس نظر کو تاڑے رکھنا ہے !
 قربانی کی چاہ میں
 بس اپنا آپ گنونا ہے !
 وطن کی پکار پہ
 'الیک' کہتے رہنا ہے !
 مگر وقت کے جنون میں بس خوف اک دعا کا ہے !
 بس خوف اک وفا کا ہے !



اریحہ ارشد

"افسوس"

اقراسلیم

وہ جس پہ مان تھا مجھے خود سے زیادہ
 کچھ الزامات پر وہ مقام تو کھونا تھا۔۔۔۔
 جب میری باتوں پہ نہیں ہے یقین
 تو پھر اس بات کا افسوس تو ہونا تھا۔۔۔

یہ وقت کا جنون ہے
 اس وقت کے جنون میں بس خوف اک دعا کا ہے !
 بس خوف اک وفا کا ہے !
 زندگی کی رونق کو کچھ اسیلے بھلایا ہے
 کہ ہم کو وقت سے پہلے اس جگہ پہ جانا ہے
 جہاں اللہ کی چاہت ہے
 جہاں رنگوں کی بارش ہے
 جہاں خوشبو کے میلے ہیں
 دلوں پہ غم کو ڈھانا ہے !
 بس اپنوں کو رلانا ہے !



درِ جدائی

انابہ رحمن (ڈیرہ غازی خان)

سنو !

رات کی تنہائی میں

خواہشیں بھی مچلتی ہیں

یادیں دھیرے دھیرے،

سے ایڑیاں رگڑتی ہیں

آنکھوں میں اشک

بھی مچلتے ہیں،

تنہی بتا جاناں،

کیا کریں ہم؟

وہ سب تیری باتیں،

تیری قسمیں جھوٹے

وعدے ساتھ نبھانے کے،

وہ سب یاد آتا ہے تو

شدت درد سے دل،

بھی تڑپتا ہے

زندگی بھی دھیرے دھیرے،

سے ساتھ چھوڑ رہی ہے

پھر بھی نہ جانے کیوں؟

جاناں یہ جو درد ہے

جدا کا کم نہیں ہوتا !

ماہ روش ملک

شجر کاری

آمل کر پیڑ لگائیں

سرسبز پاکستان بنائیں

گھروں کو، راستوں کو

شہر شہر، گاں گاں کو

پھولوں اور پودوں سے سجائیں

آمل کر پیڑ لگائیں

سرسبز پاکستان بنائیں

ہیں یہ پیڑ چیز بڑے کام کی

سایہ دیں انسان کو بھی حیوان کو بھی

جو پڑے ان پر نظر آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچائیں

آمل کر پیڑ لگائیں

سرسبز پاکستان بنائیں

بارش کا بھی ہیں یہ سبب

خوبصورتی کا بھی ہیں یہ ساماں

آلودگی سے پاک، ماحول کو صاف بنائیں

آمل کر پیڑ لگائیں

سرسبز پاکستان بنائیں

رہبان ثانی (گوجرانوالہ وزیر آباد)

کون میرے درد جانے
 کس کو سناں داستاں
 نہ سانس رکی نہ دل دھڑکنا بھولا
 جس گھڑی وہ بچھڑے تھے
 ان آنکھوں نے اک نظارہ ہوتے دیکھا
 میں نے جاناں خود کو مرتے دیکھا
 ہجر کی ماتی راتوں میں
 تیری یادوں کو سینے سے لگائے
 خود کو وصل کے لیے تڑپتے دیکھا
 میں نے جاناں خود کو مرتے دیکھا
 تیری دیوار سے لپٹ کر
 تیرے اک لمس کی چاہ میں
 خو کو کھرتے دیکھا
 میں نے جاناں خود کو مرتے دیکھا
 نہ اٹکھ کے نیچے حلقے
 نہ ہجر زدہ جسم تھا میرا مگر
 "عشق کھا گیا اس کو"
 لوگوں کو یہ کہتے دیکھا
 میں نے جاناں خود کو مرتے دیکھا
 کون میرے درد جانے
 کس کو سناؤں داستاں

ہے اللہ کا ہم پہ احسان
 ہم کو بنایا مسلمان
 دیے کے ایمان
 کہا یہ ہے قرآن
 جس میں ہے میرا فرمان
 یہ وہ ہے کلام
 جس میں شامل ہیں
 جینے کے سیلے سارے
 ہم نے چھوڑ دیا اس کو
 بہکالیا ہم کو
 جھوٹے اسلام کے دعوہ داروں نے
 جو ہیں اصل میں شیطان
 میں کروں کیسے بیان
 قسم ہے مجھ کو اس کی
 جس کے قبضے میں ہے
 ہم سب کی جان
 قرآن ہی ہے
 جس میں ہے ہم سب کے لیے انعام
 اصل میں ایمان ہی ہے
 ہم سب کی شان و پہچان

جھلمل کرتی آنکھوں سے
 ساری چمک یہ لے جاتے ہیں
 کر چپیاں اتنی بھر جاتے ہیں
 ہم نے تو کچھ اور سنا تھا
 ہم نے تو کچھ اور پڑھا تھا
 ہم کو یہ معلوم ہی کب تھا
 کہ خوابوں کی کیا قیمت ہے
 جب خواب ہی سارے ٹوٹے ہوں

دن دہیاڑے اندھیرے ہوں
 تو ان کی قیمت کون چکائے
 ہم نے تو اب یہ سوچا ہے
 ہم نے تو اب یہ کرنا ہے
 کچھ سچی سچی قیمت دے کے
 آنکھوں میں پھر چاہت بھر کے
 ان خوابوں کو پھر دیکھنا ہے
 ان آنکھوں میں بسانا ہے
 کیونکہ ہم نے تو کچھ یوں سنا ہے
 کہ خواب جیون کا سرمایہ ہیں
 خواب جیون کا سرمایہ ہیں



نور فاطمہ

ہم نے تو کچھ یوں سنا تھا
 ہم نے تو کچھ یوں پڑھا تھا
 کہ خواب جیون کا سرمایہ ہیں
 تیز دھوپ میں چھایہ ہیں
 خواب بنا بھی جیون کیسا
 دن دہیاڑے اندھیرے جیسا
 خواب ہیں رنگ خواب ہیں نور
 یہ روحوں کو کرے محسوس
 ہم نے تو کچھ یوں سنا تھا
 پر جب خود پرکھا تو جانایہ
 پھر لکھا افسانہ یہ



حرا شاہد

بہت دن ہو گئے میں نے
لکھا نہیں کچھ بھی

تیری صورت پہ لکھتا ہوں
تیری صورت پہ کیا لکھوں؟

تیری صورت زرا لی ہے
حقیقت ہو نہیں سکتی

بس ایک خیالی شبیہ سی ہے
حقیقت تو یہ ہے کہ

اب تیرے بن کچھ نہیں رکھا
تیری صورت جو آنکھوں میں سجالی ہے
ثبوت اور تجھے میں کیا دوں

اپنی صدق محبت کو
ڈبو کے اپنے اشکوں میں
تیری صورت سنبھالی ہے
خوشی جوں بھی جائے تو
تو خوشی پہ خوش نہیں ہوتا
تیرے سنگ جینے کو اے جاناں
سبھی خوشیاں سنبھالی ہیں

تم سے لے کر تم تک
تم ہی دل سے دل تک
میری چوڑی کی کھنکار ہو تم
میری پائل کی جھنکار ہو تم
میری بندیا، ہارسنگھار ہو تم
میرا جیون، میرا پیار ہو تم
آنکھوں میں تیری چاہت کا
کا جل یہ ہر پل رہتا ہے
تو دور ہو تو قطرہ قطرہ
یہ کا جل بہتا رہتا ہے
یہ چوڑی، لنگن، بندیا، لالی
نہ چاہوں، گجرا، کا جل، مہندی
نہ میں چاہوں سنسار پیا
میرا تو ہی ہارسنگھار پیا!!۔

سمیرا منشاء (سوزی)

میں نے ہمیشہ پڑھا تھا....
 محبت ایسی ہے...
 محبت ویسی ہے....
 پھر اتفاق سے اسکو دیکھنا نصیب ہوا....
 اسکی بولتی آنکھیں....
 ان میں پنہاں شرارت.....
 ان میں جھلکتی حیا.....
 اسکے چہرے کا نور...
 اسکی باتوں کا سحر....
 اسکی ہنسی کی آواز....
 اسکا نرم لب و لہجہ...
 اسکا دیکھ کے نظر جھکانا...
 اسکا شرما کے ذرا سا مسکرانا....
 مجھے مل گئی محبت کی تشریح....
 اس کے بعد نہ کسی کی آنکھ میں جھانک سکی...
 نہ کسی کی گفتگو میں کھوسکی....
 نہ کسی کے چہرے نے متوجہ کیا....
 نہ کسی کے لہجے کی سمجھ آئی...
 وہ محبت ہی تو ہے....

سراپا محبت

وہ جب جب بھی جھکاتی ہے
 گھنیری باڑ پلکوں کی
 میرا پھر دل یہ کرتا ہے سجادوں میں ان پلکوں پہ
 بس اپنے نام کے سپنے
 کہ اپنے خوابوں کے جگنو
 بسادوں میں ان آنکھوں میں
 کبھی جو وہ مجھے دیکھے
 نظر کو وہ اٹھا رکھے
 جو میں دیکھوں ان آنکھوں میں
 تو پھر بس سوچتا ہوں کہ کہیں میں ڈوب نہ جاں
 میں ان میں کھو ہی نہ جاں
 کہ اس کی جھیل سی آنکھیں بہت گہرائی رکھتی ہیں
 بہت سے راز ہیں ان میں
 اگر میں ان میں نہ دیکھوں تو پھر یوں موتی کی صورت
 ان سے پانی بہتا ہے
 تو پھر بے چین ہوتا ہے
 میرا نادان سایہ دل نہیں میں دیکھ سکتا بس کہ ان
 آنکھوں میں پانی ہو
 مجھے یہ جان سے پیاری ہیں
 کہ میں تو دیکھنا چاہوں
 ان میں ہو میرا ہی عکس

اس سے دل لگا کے

نہ میرا چین رخصت ہوگا

نہ میرا سکون روٹھے گا

نہ خوابوں کے ٹوٹنے کی تکلیف ہوگی

نہ نصیب پھوٹنے کا شکوہ نوکِ زبان پر آئے گا

اب میں سوچتی ہوں

کیوں میں نے ہمیشہ لوگوں کو سوچا۔؟

کیوں نہ میں نے اپنے اللہ کا سوچا۔؟

کیوں ہمیشہ یہ سوچا لوگ کیا کہیں گے۔؟

کیوں یہ ناسوچا کہ اللہ کیا کہے گا

وہ جو میرے ہر پل میں میرے ساتھ ہے

اب مجھے نہ روگ یاد ہیں نہ لوگوں کی جدائی

نہ بیچِ راہ میں چھوڑنے والے، نہ مجھ سے منہ موڑنے والے

یاد ہے تو صرف اپنا رب

اب بھی میں سوچتی ہوں اور بے حد و حساب سوچتی ہوں

کہ یہ خوبصورت سوچ مجھے پہلے کیوں نہ آئی؟

اب میری سوچ

روگ، سوگ، جدائی اور ٹوٹے خوابوں کے گرد نہیں گھومتی

بلکہ

اب میری سوچ امید، صبر، ہمت اور حوصلے کے گرد گومتی ہے

میں سوچتی تھی

بے حد و حساب سوچتی تھی

میں ہر وقت سوچتی تھی

میں ہر پہر، ہر گھڑی سوچتی تھی

کون سے روگ مجھے کھا گے

کیوں مجھے لوگوں کی جدائی مار گئی

کیوں لوگ مجھے راستے میں چھوڑ گے

کیوں میرے خواب ٹوٹ گے

کیوں میرے نصیب پھوٹ گے۔

کیوں میرا چین مجھ سے رخصت ہو گیا

کیوں میرا سکون مجھ سے روٹھ گیا

میں نے سوچا اور بے حد و حساب ہی سوچا

لیکن ان سب سوچوں میں

میں نے کبھی یہ کیوں نہ سوچا

کہ میں اپنے مالک سے دور ہوں

کیوں نامیں اپنے اللہ سے رجوع کروں

کیوں ناس سے دوستی کروں

نہ اس سے جدائی کا کوئی خوف

نہ اس کا بیچِ راستے میں چھوڑ دینے کا روگ

وہ تب بھی میرے ساتھ ہے

جب میں خود کو تنہا سمجھتی ہوں

وہ تب بھی میرے ساتھ ہے



ماریہ شبیر

اسے کہنا وہ لڑکی
جو محبت کے نغمے گاتی تھی
خواب سنہرے بنتی تھی
محبت کے سنہرے رنگ
جس کے آنچل میں کہلتے تھے
محبت اس کے لیے
ایک خواب تھا خوبصورت سا
اس کی پلکوں پر
کئی جگہوں بسیرا کرتے تھے
اس سے کہنا
وہ لڑکی کہو گئی کہیں
اب اس کی آنکھوں میں
اداسی کا موسم ٹہرا ہے
اس کی پلکوں پر
اشکوں کا بسیرا ہے
لوٹ آ کہ انتظار کی
ڈور ہاتھوں سے چھوٹی جارہی ہے

ہوتا جب تک وہ نہیں چاہتا
سچے دل سے مانگو تو دے
گا بن مانگے وہ دیتا ہے اتنا
تو کیا مانگو گے وہ نہیں دے گا؟
دے گا اگر تمہیں بس یقین
ہو کہ دے گا اس میں اگر مگر
کی گنجائش نہیں ہوتی ڈرتے
وہ جنہیں اللہ پر یقین نہ ہو
ایک برا اللہ کے حوالے سب کر
کے تو دیکھو کے اللہ اب میری
کشتی تیرے حوالے تو وہ ڈوبتی
کشتی کو بھی کیسے پار لگاتا
دیکھتے رہے جاگے عشق
محبت ایک پاک رشتا ہے ایک
پیارا احساس ہے پیار ہے نکاح
کرو گناہ نہیں پر اسے نکاح میں
لے آ پر آج کل ذات رنگ سب
چل گیا ارے لوگوں ہم مسلمان
قیامت کے دن نہ کوئی ذات
رہی نارنگ ناکچھ بس
اعمال ہونے ہیں اللہ سب کی پاک
محبت سے ملائے نہیں امین دنیا
کی محتاجی نا ہوا اپنے در سے دے مولا امین

فائقہ بلال

میری محبت کو اپنی چاہت کا دوام بخش دے
تو ساقی ہے، مجھے اک جام بخش دے

کبھی کبھی ہم کھودیتے ہیں
کسی بہت اپنے کو

وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ تو بے جان
چیزیں بھی بدلنے لگتی ہیں

صاف نہ کرو تو خیال نہ رکھو تو

پرانی ہوجاتیں ہیں
بدرنگ ہوجاتی ہیں

اور پھر ایک دن

چھپکے سے ہمارے علم میں آئے بغیر
ختم ہوجاتیں ہیں

ایسے ہی تو

گم ہو گئی ذات کسی بہت اپنے کی
کھو گئی

زندگی کی تلخیوں میں

جب غور کیا تو معلوم ہوا

ہماری ذات ہی ہماری بہت اپنی ہوتی ہے

محسوس کیا تو بہت تکلیف ہوئی

کہ آج کھودیا خود کو

کہ آج رولیا خود پہ!....

اب تو رہتا ہے، آنکھوں میں درد سا
تو اپنے دیدار کا انعام بخش دے

وہ یاقوتی لبوں کا لرزنا، وہ پلکوں کی رم جھم
معافی جو مل سکے، تو رب کے نام بخش دے

مانا کہ گنہگار ہوں، سیاہ کار ہوں، لیکن
ہوں امت محمدی ﷺ محبت کے نام بخش دے

آنکھوں کی نمی میں دکھے جو گھر ترا
تو مجھے ایسا چشمِ آب بخش دے

جس محبت میں بلال کہتے رہے احد احد
خدارا! مجھے وہ مقام بخش دے

جو کرے تری شکر گزاری ہر پل
مجھے ایسی جسم و جاں بخش دے

جیت سکوں میں تجھے جس میں
ہوسکے تو ایسا امتحاں بخش دے

اشارانی



تجھے یاد کرنے کا ہنر سدا ہے مجھ میں
بس اتنی ہی _ _ وفا ہے مجھ میں

تعبیر خانزئی

کیوں کھٹکھٹاؤں _ _ کوئی اور در
میرے زخموں کی دوا ہے مجھ میں

فقط مسکرا کے چھپا لیتا ہوں تمام درد
ایسا بھی کیا نیا ہے مجھ میں

زندگی پر کھ لے ہر موڑ پہ مجھے
درد سہنے کی انتہا ہے مجھ میں

ترے بعد نہ رہی مجھ میں کوئی بل چل
میرے سردپن کا بھی گواہ ہے مجھ میں

گرتے ہوئے بھی خشکی کو تر کرتا ہوں
برسات کی سی _ _ ادا ہے مجھ میں

آئینے سے پوچھتا ہوں کبھی کبھار
یہ میں ہوں یا کوئی بسا ہے مجھ میں

کاش کہ تمھاری یاد اک کہانی ہوتی

اک کاغذ پہ لکھی گئی مختصر کہانی

اک فانی کہانی ہوتی

کاش کہ تیرے الفاظ محو نہ ہوتے

میرے زہن میں تیرے خیال نہ ہوتے

میں انہیں منادیتی

کسی شے پہ پڑی گرد کی طرح

انہیں جلا دیتی

پرانی ڈائری کہ کسی ورق کی طرح

کاش کہ دل مائل نہ ہوتا

میری نگاہ نہ اٹھتی

کاش کہ تم میرے رو برو نہ ہوتے

تم مجھے اپنا نہ کہتے

میں دل کا سمجھا دیتی

میں خود کو منالیتی

کسی بھولے بچے کی طرح

کاش کہ تم میرے ہوتے



منیبہ تبسم

کبھی دل چاہتا ہے ناں

ایسی نیند سو جانا

کہ جب آنکھ کھلے تو

دور کوئی جزیرہ ہو

یا کوئی دوسرا سیارہ ہو

جہاں نہ پہچان اپنی ہو

نہ کوئی شناخت اپنی ہو

جو چاہوں میں وہ ہو جائے

جو بولوں میں وہ مل جائے

یا پھر ایسا ہو جائے

یا داشت میری کھو جائے

ہر درد مجھے بھول جائے

ہر تکلیف دور ہو جائے

اگر ایسا بھی نہیں ممکن

تو ایسی نیند ہو کوئی

تو ایسا خواب ہو کوئی

جو کبھی ٹوٹے

میری خاموشی کو سنا کرے

میرے حرف کو پڑھا کرے

کوئی ایسا شخص بھی ہوا کرے

مجھے کھونے سے جو ڈرا کرے

میری آنکھوں میں گر ہوئی کبھی

یا دل میں ہو جو غلش کبھی

میرے سارے غم مٹایا کرے

کوئی ایسا شخص بھی ہوا کرے

کروں ہزار میں شکوے اگر

پہروں سنتا رہے وہ مجھے مگر

میرے سارے عیب چھپایا کرے

کوئی ایسا شخص بھی ہوا کرے

میں دھن 'وہ راگ' ہوا کرے

میں آئینہ 'وہ عکس' بنا کرے

میں آنکھ 'وہ اشک' ہوا کرے

ہر پل میرے ساتھ رہا کرے

کوئی ایسا شخص بھی ہوا کرے

میں تنہی 'وہ باغ' ہوا کرے

میں دل وہ دھڑکن ہوا کرے

اور دھوپ میں سایہ بنا کرے

اپنے ہونے کا یقین دلایا کرے

کوئی ایسا شخص بھی ہوا کرے

جو میری حیات تھا
 نفرتوں کے شہر میں
 جو دشمنوں کی مات تھا
 جو تعبیر تھی چند لہجوں کی
 میری زندگی کا جو خواب تھا
 وہ ماہ کامل روٹھ گیا ہے
 وہ جو غمگسار تھا غم حیات کا
 جو تھا آشنا دکھ کی ہر رات کا
 وہ ماہ کامل روٹھ گیا ہے

اب جو حال دل سنائیں
 تو کس کو سنائیں

زخم روح کے دکھائیں
 تو کس کو دکھائیں

کہ بعد اس کے
 جیون اک کہانی ہے
 دکھ کا ہے ہر پل
 اشکوں کی روانی ہے



سنو جانان

عنائیہ چودھری (کھاریاں)

وہ ماہ کامل روٹھ گیا ہے
 دور کسی ویرانے میں
 ساتھ ہمارا چھوٹ گیا ہے
 جس سے سانسوں کا تسلسل تھا قائم
 وہ سلسلہ محبت ٹوٹ گیا ہے
 وہ ماہ کامل روٹھ گیا ہے
 وہ چہرہ جو کل کائنات تھا

گولیاں لگتی ہیں

ہے اولاد آدمیہ

بک رہی بازاروں میں

عز تیں اچھلتی ہیں

سب بڑے بیناروں میں

آنکھ خوف کے مارے

پھوٹنے سے ڈرتی ہے

دل کی دکھ بھری آہٹ

ٹوٹنے سے ڈرتی ہے...

کیا ہوا کہاں سویا ہے زیر لوگوں کا

جل رہا ہے گھر دیکھو ان امیر لوگوں کا

زات کے دھنی سارے

دل سے خشک تر تھہرے

بارشوں کے رکھوالے

روح سے خاک تر تھہرے

قاتل شہر بھی خود

اور لاش ویراں بھی

خود ہیں خوف کے مارے

خود ہی درد آساں بھی



یہ وطن ہمارا ہے....

حمرہ

خون ہے فضا جس کی

خوف داستاں جس کی

زرہ زرہ لاشوں کا

کرب جاں دکھاتا ہے

شہر بچوں کی

سسکیاں سناتا ہے

بے بسی کا سورج ہے

آسمان روتا ہے

درد مادوں کا آنچل

آنسوں سے دھوتا ہے

عز تیں بازاروں میں

عام دم بکتی ہیں

ڈوبتی سانسوں کے اترے چہرے پر

ذکر کرتی ہے

رات دن تیرا

زندگی کا تھکا تھکا لہجہ

سوال کرتا ہے

شام کی سانولی سیاہی سے

صبح کی پہلی شفاف کرنوں سے

ضبط کے آخری کناروں سے

طواف کرتی ہوئی ان یادوں سے

ظن کی ڈراؤنی پرچھائیوں سے

عشق کی عین سے

غم کے غرور سے

فراق کی لازوال حدت سے

قرب کے مختصر سے لمحوں سے

کہ

گناہ کیا تھا میرا

لفظ بھی ساتھ اب نہیں دیتے

میرا بے جان سا وجود بھی اب

نصیب اپنے پہ روتار ہوتا ہے

وہ سسکیوں کے شور میں

ہر بار یہی کہتا ہے

یاد تیری فقط ہے یاد مجھے



تیری یاد

محمد وسیم سہیل

آنکھ دن رات

بس برستی ہے

پاگل سی

تیری یادوں کی

ٹوٹی ٹہنی پر

ثوابِ عشق کی تمنا میں

جب بھی ارمان بول پڑتے ہیں

حسن کی لازوال خوشبو بھی

خراماں خراماں

چنے کا رنر

حیدرآباد دکن کی مشہور چنے کی دال کی بریانی المعروف "قبولی بریانی"



اجزا

دال کے سالن کے لئے:-

1- چنے کی دال ایک پاو

2- ادراک باریک کٹا ہوا ایک کھانے کا چمچ

3- لہسن باریک کٹا ہوا ایک کھانے کا چمچ

4- پیاز چار عدد درمیانے سائز کے باریک باریک

کاٹ لیجئے

5- ٹماٹر درمیانے سائز کے چار عدد باریک باریک

کاٹ لیجئے

6- دہی ایک پاو

7- ہر ادھنیا باریک باریک کٹا ہوا آدھا کپ

آدھا کپ

9- ہلدی آدھا چائے کا چمچ

10- ہسی لال مرچ آدھا کھانے کا چمچ یا حسب پسند

11- ہری مرچیں تین عدد باریک کاٹ لیجئے

12- گرم مصالحہ پسا ہوا ایک کھانے کا چمچ

13- نمک آدھا چائے کا چمچ یا حسب ذائقہ

1 دیہی گھی / کوکنٹ آئل آدھا کپ

چاول ابالنے کے لئے:-

1- باسستی چاول آدھا کلو

2- لیموں کا رس دو کھانے کے چمچ

3- گرم مصالحے والی بڑی الائچی / کالی الائچی دو عدد

4- چھوٹی سبز الائچی چار عدد

5- تیز پات تین عدد

6- زیرہ ایک چائے کا چمچ

7- لونگ پانچ عدد

8- دارچینی ایک ایک انچ کے دو ٹکڑے

9- نمک آدھا چائے کا چمچ یا حسب ذائقہ

10- تین چاک کھانے کے چمچ دودھ میں زردے کا

رنگ گھول کر رکھ لیں۔

ترکیب

نمک باریک کٹا ہوا ایک کھانے کا چمچ

زردے کے رنگ والا دودھ ڈال کر بریانی کو تیز آگ پر
تین سے چار منٹ رکھیں، جب ڈھکن کے کناروں
سے بھاپ نکلتی ہوئی نظر آئے تو تین سے چار منٹ کے
لئے ہلکی آگ پر دم دے دیجئے۔ دم کھولنے کے بعد ہلکا
ہاتھ رکھ کر چچ سے مکس کر لیجئے اور سرونگ ڈش میں نکال
کر گرما گرم کھانے کے لئے پیش کیجئے۔

طالب دعا: شاہد محمود

کے ساتھ ایک کئی رکھ کر بال لیجئے تاکہ دال بکھرنے نہ
پائے بلکہ ثابت رہے۔

ایک دیکھ میں دیسی گھی / کوئنگ آئل گرم کر کے
پیاز کو گولڈن براں ہونے تک فرانی کر کے اس میں
سے آدھی پیاز نکال کر الگ رکھ لیجئے دم دیتے ہوئے
بریانی پر ڈالنے کے لئے (اب باقی کی پیاز میں ادرک
لہسن شامل کر کے ہلکا سا بھون کر اس میں پسی ہوئی
لال مرچ، ہری مرچیں، ہلدی اور گرم مصالحہ شامل کر
کے دو منٹ کے لئے بھون کر اس میں باریک کٹے
ہوئے ٹماٹر ڈال اور نمک شامل کر کے دو سے تین منٹ
تک ٹماٹروں کو بھون لیجئے اور وہی شامل کر کے مزید دو
منٹ تک پکائیں۔ اب اس میں چنے کی ابلی ہوئی
دال، ہرا دھنیا اور پودینہ شامل کر کے اچھی طرح مکس
کر کے دو منٹ تک پکائیں اور چولہا بند کر دیجئے۔

چاول ابالنے کے لئے پانی میں ڈال کر چولہے پر
چڑھائیں اور جب پانی میں ابال آجائے تو اس میں 3
سے 8 نمبر تک دیا گیا ثابت گرم مصالحہ، لیموں کارس
اور نمک شامل کر کے چاول ایک کئی رکھ کر بال لیجئے۔
بریانی کو آسانی سے دم دینے کا نہایت آسان طریقہ
یہ ہے کہ چاولوں کو ٹھنڈا نہ ہونے دیجئے۔ جیسے ہی

چاول چھانیں، اسی وقت بریانی کی تہیں لگا لیجئے۔
دیکھ میں پہلے آدھے چاولوں کی تہ لگائیں اور تقریباً
دو سے تین کھانے کے چچ پانی ڈال کر پھر چنے کی دال

کے لہسن کے تہ لگائیں اور پھر آدھے چاولوں کی تہ لگا لیں۔

کر پکنے دیں۔ جب گوشت آدھا گل جائے تو مٹا کر ڈال دیں اور ہلکی آنچ پر پکنے دیں۔ جب گوشت گل جائے تو ثابت ہری مرچ، ثابت دھنیا اور زیرہ ڈال کر بھون لیں۔ پھر ہر ادھیا شامل کر دیں۔ دیکھی باٹلی گوشت تیار ہے۔



رومان ڈائجسٹ کی ٹیم اور خصوصاً

انچارج کچن کارنر

شاید محمود بھائی

کی بہت زیادہ شکر گزر رہی ہیں۔

اللہ پاک انکو لمبی زندگی اور

صحت کاملہ عطا فرمائے

آمین

بکرے کا گوشت-----ایک کلو

ادرک) پسما هوا)-----اىك چائے كا چمچى

لباس (پسپا ہوا)۔۔۔۔۔۔ ایک کھانے کا چمچ

نمک-----حسب ذائقه

کالی مرچ) ثابت)-----ایک چائے کا

چچی

مما طر _____ ایک یا

ثابت زیرہ۔۔۔۔۔۔۔۔ ایک کھانے کا چمچ

ثابت دھنیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ دو کھانے کے چمچے

ہری مرچ-----چھ عدد

ہر ارضیا۔۔۔۔۔۔ دو کھانے کے چمچے) باریک

کشا ہوا)

کوکنگ آئل-----ایک کپ

ترکیب

ثابت دھنیا اور ثابت زیرہ دونوں کو توے پر بھون لیں

ایک دیگچی میں کوکنگ آئل گرم کریں اور اس میں

ادرک لہسن اور گوشت ڈال کر پکائیں نمک اور کالی

مرچ ڈال کر بھونیں۔ دس سے پندرہ منٹ بعد ایک

ترکیب

ایک بادل میں دہی میں ادک لہسن پیسٹ، پسا ہوا زیرہ، پسا ہوا دھنیا، پسا گرم مصالحہ، پیسی سرخ مرچ، ہلدی، اجوائن، پسے بادیاں خطائی کے پھول ڈال کر اچھی طرح کس کر کے اس میں قیمہ شامل کر کے اچھی طرح کس کر کے کم از کم ایک گھنٹے یا رات بھر کے لئے ڈھک کر فرج میں رکھ دیجئے۔ جب قیمہ پکانا ہو تو ایک برتن میں گھی گرم کر کے ثابت زیرہ کڑکڑائیں اور پھر بیاز ڈال کر ہلکے گاڑی ہونے پر سبز مرچیں ڈال کر ایک منٹ بھون کر دہی ملا قیمہ ڈال کر تیز آنچ پر مسلسل ہلاتے ہوئے چند منٹ بھونیں جب دہی میں ابال آنے لگے تو آنچ ہلکی کر کے ڈھک کر آدھا گھنٹہ پکنے دیجئے۔ درمیان میں وقفے وقفے سے چچ چلاتے رہیں۔ پندرہ منٹ بعد نمک ڈال کر اچھی طرح کس کر لیجئے۔ آدھا گھنٹے بعد ڈھکن کھول کر دہی اور قیمے کا اضافی پانی اگر ہو تو بھون کر خشک کر لیجئے اور لیموں کا رس ڈال کر کس کر کے سرونگ ڈش میں نکال کر ہرے دھنئے سے گارنش کر کے روٹی، پراٹھے یا نان سے کھائیں، کھلائیں، خوب لطف اٹھائیں۔



- 1- گائے کے گوشت کا ایک کلو قیمہ
- 2- پیاز تین عدد درمیانے سائز کے باریک باریک کاٹ لیجئے
- 3- ادک لہسن پیسٹ دو کھانے کے چچ
- 4- سبز مرچیں تین عدد باریک باریک کاٹ لیجئے
- 5- لیموں کا رس ایک چائے کا چچ
- 6- ہرا دھنیا باریک باریک کٹا ہوا چار کھانے کے چچ
- 7- سفید زیرہ ثابت ایک چائے کا چچ
- 8- سفید زیرہ پسا ہوا ایک کھانے کا چچ
- 9- خشک دھنیا پسا ہوا دو کھانے کے چچ
- 10- گرم مصالحہ پسا ہوا ایک کھانے کا چچ
- 11- نمک ایک چائے کا چچ یا حسب ذائقہ
- 12- سرخ مرچ پیسی ہوئی ایک کھانے کا چچ یا حسب ذائقہ

ذائقہ

13- ہلدی آدھا چائے کا چچ

14- اجوائن ایک چائے کا چچ پیس لیجئے

15- پراٹھے یا نان سے کھائیں

کھیر اعد

دہی 1 عدد

کریم کپ

شہد دو چائے کے چمچے

لہسن کا جوا) کوٹ لیں (ایک عدد

نمک اور سیاہ مرچ پاؤر حسب ذائقہ

پودینے کے پتے) چوپ کر لیں 8-10 (پتے

ترکیب

لوبیا کورات بھر کے لئے پانی میں بھگو لیں۔ اس کے بعد چھان کر خشک کر لیں۔ اب ایک سوس پین میں لوبیا، آلو اور تیز پات ڈال کر اس میں حسب ضرورت پانی شامل کر لیں اور انہیں ابال لیں۔ جب نرم ہو جائیں تو اس میں نمک شامل کر لیں۔ ایک پیالی میں تیل، زیتون کا تیل، لہسن، لیموں کا رس، نمک اور خشک اور کیلیو ڈال کر اچھی طرح مکس کر لیں۔

رائے بنانے کے لئے کھیرے کو چھیل کر کدو کش کر لیں اور اس کو دہی، کریم، شہد، لہسن اور نمک کے ساتھ مکس کر لیں۔ اب ایک سرونگ بال میں لوبیا نکال لیں۔ اس پر ڈریسنگ ڈالیں اور اچھی طرح مکس کر لیں۔ اس کے بعد ہری پیاز، شملہ مرچ، پارسے اور چینی ڈال کر اچھی طرح ملائیں۔ 2 گھنٹے کے لئے فریج میں ٹھنڈا کر لیں اور ٹماٹر، سیاہ زیتون فیفا چیز سے سجا کر کھیرے کے رائے کے ساتھ پیش کریں۔



سفید لوبیا 500 گرام

آلو) کیوبز کاٹ لیں (دو عدد

تیز پات دو عدد

نمک حسب ذائقہ

ہری پیاز 4-3 عدد) باریک سلائس کر لیں)

شملہ مرچ) چوپ کر لیں (ایک عدد

پارسے) چوپ کیا ہوا (کپ

چینی ایک چٹکی

ٹماٹر، سیاہ زیتون فیفا چیز سجاوٹ کے لئے

ڈریسنگ کے لئے:

تیل کپ

زیتون کا تیل کپ

لہسن کا جوا) کوٹ لیں (ایک عدد

لیموں کا رس دو کھانے کے چمچے

نمک حسب ذائقہ

پھر ان کو اسکیزور پر لگائیں اور گرل کریں۔
آخر میں برش کی مدد سے گھی لگائیں۔
مزے دار تکہ بوٹی کچور کے ساتھ سرو کریں۔



دہی بڑے

بیس --- ڈیڑھ کپ

کھانے کا سوڈا ---- ایک چوتھائی چائے کا چمچ

نمک ---- حسب ذائقہ

کٹی ہوئی لال مرچ ---- ایک کھانے کا چمچ

تیل ---- فرائی کے لیے

چینی ---- دو کھانے کے چمچ

چاٹ مصالحہ ---- آدھا کھانے کا چمچ

دہی ---- ایک پا

ترکیب

ایک پیالے میں بیس کھانے کا سوڈا نمک اور کٹی ہوئی

لال مرچ ڈال کر مکس کر لیں اور پانی ڈال کر گاڑھا

آمیزہ بنالیں - اب گرم تیل میں بڑے کی شکل میں

ڈال کر فرائی کر لیں - سنہری ہو جانے پر کڑا ہی سے

نکال کر پانی میں ڈال دیں تاکہ تیل نکل جائے اور نرم

ہو جائیں - دہی پھینٹ لیں نمک کٹی ہوئی لال مرچ

چاٹ مصالحہ اور چینی ڈال کر مکس کر لیں - بڑے ہلکے

ہاتھ سے نچوڑ کر دہی میں ڈال دیں - چاٹ اور کٹی

ہوئی لال مرچ چھڑک کر پیش کریں۔

تیار وقت: 30 منٹ

پانے وقت: 20 منٹ

افرادے لیے: 6

اجزا

گائے کا گوشت پانچ سو گرام

دہی آدھا کپ

پینٹا پیسٹ ایک چوتھائی کپ

لہسن دو چائے کے چمچ

ادرک ایک کھانے کا چمچ

لیموں کا رس ایک کھانے کا چمچ

گرم مصالحہ ایک کھانے کا چمچ

ہری مرچ کا پیسٹ دو کھانے کے چمچ

(لال مرچ دو کھانے کے چمچ پسپی ہوئی)

نمک ایک چائے کا چمچ

گھی دو کھانے کے چمچ

ترکیب

ایک پیالے میں دہی، پینٹا پیسٹ، لہسن، ادرک، لیموں کا

رس، گرم مصالحہ، ہری مرچ کا پیسٹ، لال مرچ اور نمک

ڈال کر مکس کریں۔

کلونجی کے فوائد ؛ جدید تحقیقات و تجربات

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم کالے دانے یعنی کلونجی (کا استعمال لازمی طور پر کیا کرو، کیونکہ اس میں موت کے علاوہ ہر بیماری کی شفا ہے۔

سلسلہ احادیث صحیحہ ترجم البانی: 863

کلونجی ایک قسم کی گھاس کا بیج ہے۔ اس کا پودا سونف سے مشابہ، خود رو اور چالیس سینٹی میٹر بلند ہوتا ہے۔ پھول زردی مائل، بیجوں کا رنگ سیاہ اور شکل پیاز کے بیجوں سے ملتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض لوگ انہیں پیاز کا ہی بیج



سمجھتے ہیں۔ کلونجی کے بیجوں کی بوتیز اور شفائی تاثیر سات سال تک قائم رہتی ہے۔ صحیح کلونجی کی پہچان یہ ہے کہ اگر اسے سفید کاغذ میں پلیٹ کر رکھیں تو اس پر چکنائی کے داغ دھبے لگ جاتے ہیں۔ کلونجی کے بیج خوشبودار اور ذائقے کے لئے بھی استعمال کئے جاتے ہیں اور اچار اور چٹنی میں پڑے ہوئے چھوٹے چھوٹے ٹکونے سیاہ بیج کلونجی ہی کے ہوتے ہیں، جو اپنے اندر بے شمار فوائد رکھتے ہیں یہ سر بلع الاثر، یعنی بہت جلد اثر کرتے ہیں۔

اطباء قدیم کلونجی اور اس کے بیجوں کے استعمال سے خوب واقف تھے۔ معلوم تاریخ میں رومی ان کا استعمال کرتے تھے قدیم یونانی اور عرب حکمانے کلونجی کو روم ہی سے حاصل کیا اور پھر یہ پوری دنیا میں کاشت اور استعمال

دودھ کے لئے استعمال کراتے رہے ہیں۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے کتب سیرت میں آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی شہد کے شربت کے ساتھ کلونجی استعمال فرماتے تھے۔ حضرت سالم بن عبد اللہ اپنے والد حضرت عبد اللہ بن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم ان کالے دانوں کو اپنے اوپر لازم کر لو کہ ان میں موت کے سوا ہر مرض کا علاج ہے

کلونجی کی یہ ایک اہم خاصیت ہے کہ یہ گرم اور سرد دونوں طرح کے امراض میں مفید ہے، جب کہ اس کی اپنی تاثیر گرم ہے اور سردی سے ہونے والے تمام امراض میں مفید ہے، کلونجی نظام ہضم کی اصلاح کے لئے اکسیر کا درجہ رکھتی ہے۔ ریا، گیس اور بد ہضمی میں اس سے بہت فائدہ ہوتا ہے۔ وہ لوگ جن کو کھانے کے بعد پیٹ میں بھاری پن، گیس یا ریا بھر جانے اور اچھارے کی شکایت محسوس ہوتی ہو، کلونجی کا سفوف تین گرام کھانے کے بعد استعمال کریں تو نہ صرف یہ شکایت جاتی رہے گی بلکہ معدے کی اصلاح بھی ہوگی۔

کلونجی کو سر کے ساتھ ملا کر کھانے سے پیٹ کے کیڑے مر جاتے ہیں سردیوں کے موسم میں جب تھوڑی سی سردی لگنے سے زکام ہونے لگتا ہے تو ایسی صورت میں کلونجی کو بھون کر باریک پیس لیں اور کپڑے کی پوٹلی بنا کر بار بار سونگنے سے زکام دور ہو جاتا ہے۔ اگر چھینکیں آرہی ہوں تو کلونجی بھون کر باریک پیس کر روغنی زیتون میں ملا کر اس کے تین چار قطرے ناک میں ڈکانے سے چھینکیں جاتی رہیں گی۔ کلونجی (دربول) پیشاب آور (بھی ہے)۔ اس کا جو شانہ شہد میں ملا کر پینے سے گردے اور مثانے کی پتھری بھی خارج ہو جاتی ہے۔

اگر دانتوں میں ٹھنڈا پانی لگنے کی شکایت ہو تو کلونجی کو سر کے میں جوش دے کر کلیاں کرنے سے فائدہ ہوتا ہے۔ چہرے کی رنگت میں نکھار اور جلد صاف کرنے کے لئے کلونجی کو باریک پیس کر گھی میں ملا کر چہرے پر لپک کرنے سے فائدہ ہوتا ہے۔ اگر روغن زیتون میں ملا کر استعمال کیا جائے تو اور زیادہ فائدہ ہوتا ہے۔ آج کل نو جوان لڑکوں اور لڑکیوں میں کیل، دانوں اور مہاسوں کی شکایت عام ہے۔ وہ مختلف بازاری کریمیں استعمال کر کے چہرے کی جلد کو مزید خراب کر لیتے ہیں۔ ایسے نو جوان بچے بچیاں کلونجی باریک پیس کر، سر کے میں ملا کر سونے سے پہلے چہرے پر لپک کریں اور صبح چہرہ دھو لیا کریں۔ چند دنوں میں بڑے اچھے اثرات سامنے آئیں گے اس طرح لپک کرنے سے نہ صرف چہرے کی رنگت صاف و شفاف ہوگی اور مہاسے ختم ہوں گے بلکہ جلد میں نکھار بھی آئے گا۔ جلدی امراض میں کلونجی کا استعمال عام ہے جلد پر زخم ہونے کی صورت میں کلونجی کو تھوڑے پر بھون کر روغن مہندی میں ملا کر لگانے سے نہ صرف زخم مندمل ہو جائیں گے بلکہ نشان دھبے بھی جاتے رہیں گے۔

چونکہ کلونجی کے کھانے سے کھانے کی ہضمیت میں اضافہ ہوتا ہے اور اس کی تاثیر گرم ہے اس لئے اس کا استعمال سردیوں کے موسم میں بھی مفید ہے۔

البتہ حاملہ خواتین کو کلونجی کا استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ جن خواتین کو ایام کم یا درد کے ساتھ آتے ہوں یا پیشاب کم یا تکلیف سے آتا ہو، وہ کلونجی کا سفوف تین گرام روزانہ استعمال کر لیا کریں اس شکایت جاتی رہے گی۔

آج کی مشینی زندگی اور جدید لوازمات نے انسان کو اعصابی طور پر مفلوج کر کے رکھ دیا ہے اور ہر دوسرا انسان اعصابی دبا اور تناؤ میں مبتلا ہے۔ ایسے لوگ کلونجی کے چند دانے روزانہ شہد کے ساتھ استعمال کر لیا کریں، چند دنوں میں خود کو بہتر محسوس کریں گے پیٹ اور معدے کے امراض، پھیپڑوں کی تکالیف اور خصوصاً دمے کے مرض میں کلونجی بہت مفید ہے۔ کلونجی کا سفوف نصف سے ایک گرام تک صبح نہار منہ اور رات کو سونے سے قبل ہمراہ شہد استعمال کروایا جاتا ہے۔ یہ پرانی پچیش اور جنس امراض میں بھی مفید ہوتا ہے جن لوگوں کو ہچکچاہٹ آتی ہوں وہ کلونجی کو سفوف تین گرام، کھانے کے ایک چمچ مکھن میں ملا کر استعمال کریں تو فائدہ ہوتا ہے۔

خدیجہ کشمیری
(سری نگر۔ مقبوضہ کشمیر)

رومان: اصلی نام؟

جواب۔۔ خدیجہ آغا

رومان: تاریخ پیدائش / شہر؟

جواب۔۔۔ ضلع بڈگام کشمیر۔۔ 2 مارچ 1977۔

رومان: بہن، بھائی، اور آپ کا نمبر؟

جواب۔ بھائی سات اور بہنیں آٹھ ہیں اور میں سب سے چھوٹی ہوں۔

رومان: تعلیم؟ کیا بننے کی خواہش تھی؟

جواب۔ لکھاری بننے کا شوق تھا لیکن تب سری نگر میں حالات بہت زیادہ خراب تھے لکھنا حسرت ہی رہی۔۔

رومان: شادی ہوگئی؟ کب ہوئی؟

جواب۔ 26 جون 2002 میں ہوئی

رومان: لکھنے کا خیال کیسے آیا؟

جواب۔۔ شادی کے بعد بچے ہوئے بیٹا اور بیٹی بڑھے ہو گئے اپنے ارد گرد دیکھتے تھے میرے دو بہنیں جاب کرتی

اور ان کی ماں نہیں۔ بچوں نے ضد شروع کر دی آپ اپنی پہچان بتا۔ وہی سے لکھنا شروع کیا۔

رومان: پہلی تحریر؟

جواب۔۔ نازیہ

رومان: کونسی کہانی شہرت کی وجہ بنی؟

جواب۔ کہانی لکھنے کی چاہ شہرت کا نہیں پتہ۔

رومان: کیا تخلیق کے لیے کسی خاص جگہ کی ضرورت ہے؟

رومان: سیاست؟

جواب۔ معذرت خواہ جواب دینے سے قاصر ہو

رومان: آپ اکثر سوچتی / سوچتے ہیں؟

جواب۔۔ زندگی کے حساس پہلو پر لکھنا سوچتی ہوں یہ ایک حسرت ہے۔

رومان: کس لمحے نے زندگی بدل دی؟

جواب۔۔ شادی نے

رومان: رائٹر نا ہوتیں تو کیا ہوتیں؟

جواب۔۔ ڈائری لکھتی

رومان: پسندیدہ کتاب؟

جواب۔ سفید گلاب

رومان: پسندیدہ رائٹر؟

جواب: شاہین کاظمی

رومان: پسندیدہ رسالہ؟

جواب۔۔ تفہیم، ادب رنگ۔ سات رنگ آن لائن میگزین

رومان: پسند کی فلم، ڈرامہ، گیت؟

جواب۔ بچوں کا ٹی وی پر قبضہ ہے

رومان: پسندیدہ اداکار، موسیقار، ڈرامہ نگار؟

جواب۔ بچوں کی اداکاری کس صفائی سے بات منواتے ہیں عقل حیران ہو جاتی ہے۔

رومان: فیس بک انٹرنیٹ انسٹا گرام سے آپ کی دلچسپی؟

جواب۔۔۔۔۔ فیس بک اور انسٹا گرام دونوں چلاتی ہوں۔۔

رومان: محبت؟ نفرت؟

جواب۔۔۔۔۔ محبت و نفرت کا نام ہے اور نفرت کھٹکنا ہے۔

جواب۔ میں اور میرا شوہر اور کسی کا ساتھ نہ تھا کہ بچے بھی نہیں اور میں شوہر پر لمبی آزاد نظم لکھوں۔

رومان: نئے لکھاریوں کے لیے کوئی مشورہ جوان کے لیے لکھتے وقت آسانی کا باعث بنے؟

جواب۔ خود پر بھروسہ اور مطالعہ لکھنے کے لیے بہت ضروری ہے۔

رومان: چند لفظوں میں اپنا تعارف بیان کرنا ہوتا؟

جواب۔۔ آپ کے اس سفر میں آپ کا سب سے آہم ساتھی؟ جواب۔۔ ادبی دوستوں کے بنانا نئے کتابیں جو زندگی کے بہت اہم پہلو سے روشناس کراتے ہیں۔ احباب کی محبت و شفقت دیکھ کر بچپن یاد آنے لگتا ہے۔ اب وہ ٹوکتے ہیں اب لکھنے کے لیے سنجیدہ ہو جا بہت ہو گیا لاڈ۔

رومان: کوئی ایسا فن جس کے طرز عمل نے آپ کو حیرت میں مبتلا کر دیا ہو؟

جواب۔۔ میرا دھیمی رفتار دیکھ کر فاطمہ عبدالحق نے میرا بیچ بنایا اور لکھنے کی ترکیب دینے لگی تھی اسے نہیں پتہ تھا فیس بک پر پھوک پھوک کر چلنا ہوتا ہے بڑے بڑے خواتین پر کردار کشی ہوتے دیکھا ہے۔

رومان: ڈرامہ نگاری میں دلچسپی؟

جواب۔۔ اب شوق جاگا ڈرامہ نگاری کا۔

رومان: کیا محبت اندھی ہوتی ہے؟

جواب۔ محاورا یاد آیدل آیا خری تو پری کیا چیز ہیں

جی ہاں محبت آنڈھی ہوتی ہے۔۔۔۔

رومان: کس جگہ بیٹھ کر لکھنا پسند ہے؟ کاغذ، قلم استعمال کرتی ہیں یا ٹیکنالوجی؟

جواب۔۔ ٹیکنالوجی

رومان: کھانا بنانا آتا ہے؟ پسندیدہ ڈش؟

جواب۔۔ جی بنانا آتا ہے بریانی میرے بیٹے کو بہت پسند ہے۔

رومان: پسندیدہ شاعر؟ انکا کوئی شعر؟

جواب۔ علامہ اقبال

خودی کو کر بلند کہ ہر تقدیر سے پہلے ☆☆☆☆ خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

یاسمین وقار

(جدہ - سعودی عرب)

رومان: اصلی نام؟

جواب --- یاسمین محمد نواز

رومان: تاریخ پیدائش / شہر؟

جواب --- مارچ

رومان: بہن، بھائی، اور آپ کا نمبر؟

جواب --- 3 بھائی اور مجھ سمیت 3 بہنیں اور بھائیوں بہنوں میں 2 نمبر پر ہوں

رومان: تعلیم؟ کیا بننے کی خواہش تھی؟

جواب --- اے لیولز کے بعد ٹیچر ٹریننگ ڈپلومہ کیا۔ ویسے تو ہمیشہ سے ڈاکٹر بننے کی خواہش تھی لیکن شاید نصیب میں نہیں تھا

رومان: شادی؟

جواب --- الحمد للہ سے شادی بھی ہو چکی ہے اور ایک پیاری سی بیٹی بھی ہے

رومان: لکھنے کا خیال کیسے آیا؟

جواب --- تقریباً ایک سال پہلے میں نے اپنی سہیلیوں کی خواہش پر ان کے لیے لکھا تو سب نے بہت زیادہ پسندیدگی کا اظہار کیا اور مزید لکھنے کی تلقین بھی کی اور اس طرح میرا لکھنے لکھانے کا سلسلہ شروع ہو گیا

رومان: پہلی تحریر؟

جواب --- دن رات تم کو فقط تم کو مجھے سوچنا ہے۔۔۔

آخری سانس تک تیرا ہی ہو کر رہنا ہے۔۔۔

میری فرصت بھی تم سے ہے۔۔۔

درد بھی تم سے ہے

مرہم بھی تم سے ہے

روگ بھی تم سے ہے

شفا بھی تم سے ہے

مرض بھی تم سے ہے

دوا بھی تم سے ہے

ہر لمحہ تم سے ہے

عمر بھر کے لیے ٹھہر جانا بھی اب تم سے ہے

اب دل پے ہاتھ رکھ کہ سن لو جاناں ---

آخری نکلتی ہوئی سانس بھی

اب تم سے ہے۔

رومان: کونسی کہانی شہرت کی وجہ بنی؟

جواب --- ابھی تک میں نے کوئی کہانی نہیں لکھی

رومان: آپ کا تحریری (مختصر) سفرنامہ؟

جواب --- آج تک کوئی سفر اتار و چار پر و نہیں گزرا کہ جس کے بارے میں لکھ سکوں

رومان: آپ کی فیلڈ کے بارے میں گھر والوں کی رائے؟

جواب --- گھر والے شروعات میں کافی حیران ہوئے لیکن اس کے بعد بہت زیادہ سراہا اور داد بھی دی

رومان: پہلی کمائی؟ کتنی اور کہاں خرچ کی؟

جواب --- میری پہلی کمائی ٹیچنگ سے ہوئی تھی تقریباً کوئی چالیس ہزار روپے اور میں نے اپنے گھر والوں کے

ساتھ کھانے پینے اور گھومنے پھرنے میں خرچ کیے تھے

رومان: تحریری دنیا سے متعلق اچھا برا تجربہ؟

جواب --- اللہ کے فضل و کرم سے آج تک کوئی برا تجربہ نہیں ہوا اور اچھا تجربہ یہ تھا کہ سب نے میرے لکھے

ہوئے اشعار کو بہت پسند کیا اور سب سے بہت زیادہ راجہ اور عزت دی

جواب --- جب اچانک سے کوئی یے آ کر کہے کہ آپ کی لکھی ہوئی تحریریں بہت اچھی ہیں اور ہم پڑھتے بھی ہیں اور اپنے جاننے والوں کو بھی پڑھاتے ہیں

رومان: اچھی یا بری خبر سب سے پہلے کس کو سنائی / سناتے ہیں؟

جواب --- ہر خبر سب سے پہلے اپنے شوہر کو اور چھوٹی بہن کو بتاتی ہوں

رومان: وقت سے پہلے کیا ملا؟

جواب --- وقت سے پہلے میں سمجھتی ہوں کہ کچھ نہیں ملتا جو بھی ملتا ہے سہی وقت پہ ملتا ہے اور مجھے بھی جو کچھ ملا

سہی وقت پہ ملا

رومان: آپ اکثر سوچتی / سوچتے ہیں؟

جواب --- جی ہلکل میں اکثر کچھ نا کچھ سوچتی رہتی ہوں اور اسی وجہ سے مجھے لکھنے کے لیے مواد ملتا رہتا ہے

رومان: دنیا میں کوئی تبدیلی لانے کی خواہش؟

جواب --- میری بس یہی خواہش ہے کہ دنیا بھر میں ہر طرف صرف اور صرف پیار محبت کی باتیں ہوں اور نفرتوں

کے سارے بت گرا دیے جائیں

رومان: پاکستان کے بارے میں آپ کی سوچ؟

جواب --- پاکستان کو میں امن کا گہوارا اور ایک خوشحال ترین ملک بننے ہوئے دیکھنا چاہتی ہوں

رومان: سیاست؟

جواب --- سیاست میں کوئی خاص دلچسپی نہیں بس اتنی کے حالات سے آگاہ رہنے کی کوشش کرتی ہوں

رومان: کس لمحے نے زندگی بدل دی؟

جواب --- ایسے بہت سے لمحات ہیں اور اس لیے کسی ایک کا بتانا انتہائی مشکل ہے

رومان: رائٹر نا ہوتیں / ہوتے تو کیا ہوتیں / ہوتے؟

جواب --- اگر رائٹر نا ہوتی تو پھر ٹیچر ہی ہوتی

رومان: پسندیدہ کتاب؟ پسندیدہ رائٹر؟ پسندیدہ رسالہ؟

جواب --- پسندیدہ کتاب بار سالہ توفل حال کوئی نہیں ہاں البتہ پسندیدہ رائٹر ہیں جون ایلیا جن کے لکھے ہوئے

رومان: پسند کی فلم، ڈرامہ، گیت؟

جواب۔۔۔ پسندیدہ فلم اور گیت تو کوئی نہیں البتہ پیارے افضل ڈرامہ بہت پسند آیا تھا

رومان: پسندیدہ اداکار، موسیقار، ڈرامہ نگار؟

جواب۔۔۔ پسندیدہ اداکار اور ڈراما نگار تو کوئی بھی نہیں باقی موسیقار فلک شہیر کے گانے مجھے پسند ہیں

رومان: فیس بک انٹرنیٹ انسٹاگرام سے آپ کی دلچسپی؟

جواب۔۔۔ میں سمجھتی ہوں کہ آج کل کے دور میں انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا انتہائی ضروری ہے اور اس لیے فیس بک

پر میرا ایک پیج اور گروپ بھی ہے

رومان: محبت؟ نفرت؟

جواب۔۔۔ محبت ہر جگہ ہر طرف ہر کسی سے

رومان: آپ کی کوئی عجیب و غریب خواہش؟

جواب۔۔۔ بس ایک کے افواج پاکستان میں شامل ہوتی

رومان: نئے لکھاریوں کے لیے کوئی مشورہ جو ان کے لیے لکھتے وقت آسانی کا باعث بنے؟

جواب۔۔۔ جودل میں آئے وہ لکھیں اور اپنا لکھا ہوا سب سے پہلے آپ کو بذات خود پسند ہونا چاہیے

رومان: چند لفظوں میں اپنا تعارف بیان کرنا ہوتو؟

جواب۔۔۔ بہت ہی کم گو اور پیار محبت سکون سے زندگی بسر کرنے والی

رومان: آپ کے اس سفر میں آپ کا سب سے آہم ساتھی؟

جواب۔۔۔ لکھنے لکھانے کے اس سفر میں میرا ساتھی میرا چھوٹا بھائی کا مران ہے جو میرے سوشل میڈیا کے

معاملات کو سنبھالتا ہے

رومان: کوئی ایسا فین جس کے طرز عمل نے آپ کو حیرت میں مبتلا کر دیا ہو؟

جواب۔۔۔ ایک ایسا فین ہے جس نے اپنے لیپ ٹاپ اور موبائل کے وال پیپر پر میرے لکھے ہوئے اشعار کی

تصاویر سجا رکھی ہیں

رومان: ڈرامہ نگاری میں دلچسپی؟

رومان: کیا محبت اندھی ہوتی ہے؟

جواب۔۔۔ جی ہلکل دونو آنکھوں سے اندھی ہوتی ہے بس ایک احساس کا رشتا ہوتا ہے جو کسی سے بھی جڑ جاتا ہے

رومان: کس جگہ بیٹھ کر لکھنا پسند ہے؟ کاغذ، قلم استعمال کرتی ہیں یا ٹیکنالوجی؟

جواب۔۔۔ بیشتر اوقات اپنے ہی کمرے میں بیٹھ کے لکھتی ہوں اور کاغذ قلم اور ٹیکنالوجی دونوں کا مشترکہ استعمال کرتی ہوں

رومان: کھانا بنانا آتا ہے؟ پسندیدہ ڈش؟

جواب۔۔۔ جی ہلکل کھانا بنانا آتا ہے اور الحمد للہ سب کھا لیتی ہوں اور سارے کھانے پسند ہیں

رومان: پسندیدہ شاعر؟ انکا کوئی شعر؟

جواب۔۔۔ میرے سب سے زیادہ پسندیدہ شاعر جو کے ہمارے قومی شاعر بھی ہیں علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اور پسندیدہ شعر ہے

نہیں تیرا نشیمن قصر سلطانی کے گنبد پر
تو شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں می

حلقہ ارباب ذوق، لاہور، حالیہ سیشن کا ستر ہواں اجلاس سیکرٹری حلقہ عقیل اختر اور جوائنٹ سیکرٹری بابر ریاض نے پاک ٹی ہاؤس، لاہور میں منعقد کرایا

اتوار، 22 جولائی 2018ء، کی شام حلقہ ارباب ذوق، لاہور، حالیہ سیشن کا ستر ہواں اجلاس سیکرٹری حلقہ عقیل اختر اور جوائنٹ سیکرٹری بابر ریاض نے پاک ٹی ہاؤس، لاہور میں منعقد کرایا۔ نوے کی دہائی کے تین اہم شعرا کے عنوان سے منعقد کیے گئے اس خصوصی اجلاس کی صدارت معروف نثر نگار اور شاعر زاہد مسعود نے کی۔ بابر ریاض کی پیش کردہ گزشتہ اجلاس کی کاروائی کی توثیق کے بعد صاحب صدارت نے اجلاس کا باقاعدہ آغاز کیا۔ اس خصوصی اجلاس میں نوے کی دہائی میں سامنے آنے والے تین شعرا کو مدعو کیا گیا تھا جن میں نوید صادق، شاہد ماگلی اور شناور اسحاق شامل تھے۔ سب سے پہلے نوید صادق کے حوالے سے ڈاکٹر یونس خیال نے اپنا مضمون نوید صادق کی غزل کی انفرادیت پیش کیا۔ مضمون کے بعد نوید صادق نے اپنے تخلیقی سفر کے بارے میں گفتگو کی اور حاضرین کو اپنا کلام سنایا۔ نمونہ کلام یہ ہے، بہت اداس ہوں خود سے مکرنا چاہتا ہوں۔۔۔ میں اگلوں پچھلوں کی تردید کرنا چاہتا ہوں۔ نوید صادق کے کلام کے بعد غلام حسین ساجد نے شاہد ماگلی کے حوالے سے اپنا مضمون یہ ایک عالم اسرار کا تماشا ہے پیش کیا۔ جس کے بعد شاہد ماگلی نے اپنے شعری سفر پر اظہار خیال کیا اور اپنا کلام پیش کیا۔ نمونہ کلام یوں ہے۔ فضیلیں بچ میں حائل ہیں آپ کیا جانیں۔۔۔ ہوا کے اپنے مسایل ہیں آپ کیا جانیں۔ شاہد ماگلی کے بعد شناور اسحاق کی شاعری کے حوالے سے ڈاکٹر ابرار احمد نے اپنا مضمون پیش کیا۔ جس کے بعد شناور اسحاق نے اپنے شعری سفر کے بارے میں گفتگو کی اور اپنا کلام پیش کیا۔ نمونہ کلام یوں ہے۔ سینہ سینہ سانسوں کے بوڑے چلتے رہتے ہیں۔۔۔ آشاں کے سندر بن میں آ رہے چلتے رہتے ہیں۔ تینوں شعرا کے کلام پر حاضرین نے خوب داد دی۔ اس اجلاس کی خاص بات یہ تھی کہ عام روش سے ہٹ کر، تینوں شعرا پر ان کے سینئر کی طرف سے مضامین پیش کیے گئے، ان تینوں کے کام کے ہر پہلو پر بات کی گئی اور ان کے کام کو سراہا گیا۔ اس خصوصی اجلاس میں شاعروں، ادیبوں اور حلقہ کے ممبران کی کثیر تعداد موجود تھی۔ آخر میں صاحب صدارت نے اپنے تاثرات پیش کیے۔ صاحب صدارت کی گفتگو کے بعد سیکرٹری حلقہ کی جانب سے صاحب صدارت، مہمان شعرا اور حاضرین سے اظہار تشکر کے ساتھ ہی اجلاس اختتام پذیر ہو گیا۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا رَاجِعُوْنَ۔

مشہور و معروف رائٹر نایاب جیلانی کے شوہر گزشتہ دنوں اس جہانِ فانی سے کوچ کر گئے۔ نَالِلِہِ وَاِنَّا رَاجِعُوْنَ۔ اللہ تعالیٰ انکے گھر والوں کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ ماہنامہ رومان ڈائجسٹ اہلِ خانہ کے غم میں برابر کا شریک ہے اور مرحوم کی بلند درجات کیلئے دعا گو ہے۔

بقیہ حصہ (عید کا چاند نظر گیا)

اس لئے۔۔ فریحہ کی آنکھیں نم ہو گئیں۔۔۔ اذانِ علی نے فریحہ کی نم آنکھیں صاف کیں۔۔ دیکھیں نہ ہمیشہ خوش رکھنے کا کہا تھا آپ نے اور اب۔۔ اچھا چھوڑو یہ سب باتیں۔۔ تم آج مجھے یہ بتاؤ کہ تم نے اک فوجی کو کیوں پسند کیا؟۔۔ اذان نے موضوع بدلتے ہوئے کہا۔۔ مجھے ہمیشہ سے پاکستان آرمی پسند ہے۔۔۔ میں بچپن سے ہی اس وردی کی دیوانی رہی ہوں اور ان سے پہلے مجاہدین جن سے مجھے بے حد محبت و عقیدت رہی۔۔۔ فریحہ جوش سے بولی۔۔۔

اچھا بھئی ایسا بھی کیا جس کی وجہ سے آپ کو مجاہدین اور وردی سے پیار ہے؟۔۔۔ اذان علی نے اس کا جوش دیکھتے ہوئے پوچھا۔۔۔۔

میں بہت چھوٹی تھی نا تو گھر گئی ہوئی تھی کیوں یہ سب یاد نہیں۔۔۔ بس اتنا یاد ہے رات کا وقت تھا میں اور میری کزن ہم دونوں چھت پر چہل قدمی کر رہی تھیں۔۔۔۔۔ نا نو کا گھر گاؤں میں تھا ان کے گاؤں کے چوک میں لکھا ہوا تھا زبیر اختر شہید۔ دیوار پر بھی لکھا ہوا تھا۔۔۔ اور ان کا گھر ہماری نا نو کے گھر کے سامنے تھا۔۔۔۔۔ کزن نے ہی بتایا کہ اس کو اس کے گھر والوں نے جانے نہیں دیا آرمی میں تو وہ بھاگ گیا تھا گھر سے مجاہدین میں اور شہید ہو کر آیا۔۔۔۔۔ بس تب ہی میں بھی کہا مجھے بھی بڑے ہو کر مجاہدین میں یا آرمی میں جانا ہے۔۔۔۔۔ اگر امی ابو نے نہ بھیجا تو میں بھاگ جانا ہے۔۔۔۔۔ مجھے شہید ہونے کا بہت شوق ہے۔۔۔۔۔ میرا خواب تو پورا نہیں ہو سکا لیکن میرے اس خواب کی تعبیر بن کر آپ آئے ہیں۔۔۔۔۔ بتاتے بتاتے فریحہ کی آنکھیں نم ہو گئیں۔۔۔۔۔ مگر ان آنکھوں میں ایک انوکھی چمک تھی۔۔۔۔۔

ظاہر کی-----

اچھا اگر میں فوجی نہ ہوتا تو کیا آپ مجھ سے شادی کرتیں؟۔۔۔ اذان علی کے سوال پر کچھ لمحوں کی خاموشی ہوئی۔۔۔۔۔

یہ تو قسمت کے فیصلے ہیں اذان اس میں انسان بے بس ہوتا ہے۔۔۔۔۔ اور مجھے کیا پتا تھا کہ اک دن یہی وردی جس سے مجھے بے پناہ محبت ہے یہ اتنا رولائے گی مجھے۔۔۔۔۔ فریحہ رونے لگی۔۔۔۔۔
ایسا نہیں کہتے پاگل تمہیں تو فخر ہونا چاہیے کہ تم ایک شہید کی بیوہ اور ایک شہید کے بیٹے کی ماں ہو اور یہ فخر ہر ایک کو حاصل نہیں ہوتا۔۔۔

اذان علی نے اسے حوصلہ دیتے ہوئے کہا۔۔۔۔۔۔۔

اور مجھے اس پر ناز بھی ہے اذان بہت زیادہ۔۔۔۔۔ فریحہ نے فخر سے کہا۔۔۔۔۔

اک بار پھر سے کمرے کی بتی تک کر کے جل گئی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ مسکان اندرائی۔۔۔

اپنا یہ موزن چپ نہیں کر رہا۔۔۔۔۔ مسکان نے فریحہ کو موزن کی شکایت کی۔۔۔۔۔

لاوا دھر دوا سے مجھے اس کا فیڈر بھی دے دو۔۔۔۔۔ فریحہ نے اپنے 5 ماہ کے بیٹے کو گود میں لیتے ہوئے کہا۔۔۔۔۔

مسکان بتی بجھا جانا میں کچھ دیر سونا چاہتی ہوں۔۔۔۔۔

فون کی گھنٹی بجنے کی آواز آئی۔۔۔۔۔۔۔

فریحہ نے فون اٹھایا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

السلام علیکم ! کیا آپ کیپٹن اذان علی کی زوجہ بات کر رہی ہیں؟

وعلیکم سلام ! جی ہاں، میں ان کی زوجہ بات کر رہی ہوں۔۔۔۔۔۔۔ فریحہ نے رشتے کی تصدیق کرتے ہوئے بتایا۔

جی میں میجر زیر بات کر رہا ہوں۔۔۔۔۔ مجھے یہ بتاتے ہوئے فخر محسوس ہو رہا ہے کہ کیپٹن اذان علی نے آج صبح اپنی ڈیوٹی کے دوران کئی دہشت گردوں کو جہنم واصل کرتے ہوئے خود جام شہادت نوش کیا

ہے۔۔۔۔۔

عید کا چاند نظر آ گیا۔۔۔۔۔

فریحہ نے دروازے کی جانب دیکھا۔۔۔۔۔

اور مڑ کر اپنے سامنے دیکھا اب ادھر ازان نہیں تھا۔۔۔۔۔

موزن کو اٹھایا بیڈ پر ڈالا اور اذان علی کی وردی نکالی۔۔۔۔۔ اور ساتھ لگا کر سو گئی۔